قال اللہ تعالیٰ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ

چوں آیت مزبورہ دال است بطریق قیاس برآنکہ بیان اخبار مقبولین مقوی دلہاست

لہٰذا اصل است واساس ایں رسالہ

قصص الاکابر

لحصص الاصاغر

چھوٹوں کے حق میں بڑوں کے عبرت آموز قصے

ماخوذ از مواعظ و ملفوظات حکیم الامۃ و مجدد الملۃ جامع شریعت و طریقت
حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ، بمبئی ۳ ۴۰۰۰۰۳

قال اللہ تعالیٰ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ

چوں آیت مزبورہ دال است بطریق قیاس برآنکہ بیان اخبار مطلق مقبولین در تقویت قلوب اصل است و اساس در رسالہ

قصص الاکابر

لحصص الاصاغر

چھوٹوں کے حق میں بڑوں کے عبرت آموز قصے

ماخوذ از مواعظ و ملفوظات حکیم الامۃ و مجدد الملۃ جامع شریعت و طریقت
حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳

نام کتاب ———— قصص الاکابر
نام مصنف ———— حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
باہتمام ———— محبوب اللہ خان
ناشر ———— مکتبہ اشرفیہ
قیمت مجلد ————

ملنے کا پتہ

مکتبہ اشرفیہ

۳۶ / محمدؐ علی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۳

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض ناشر	۶
۲	عرض مصنف	۹
۳	حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء۔ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	۹
۴	حضرت شیخ احمد عبد الحق صاحب ردولوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰
۵	حضرت شیخ عبد القدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰
۶	حضرت شیخ عبد الباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۷	حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۳
۸	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۳
۹	حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۵
۱۰	حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۹
۱۱	حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱
۱۲	حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ	۲۴
۱۳	حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ	۳۲
۱۴	حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۷
۱۵	حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس اللہ سرہ	۳۹
۱۶	حضرت مولانا مملوک العلی صاحب محدث نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ	۴۱
۱۷	حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	۴۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۸	حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ	۴۷
۱۹	حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ	۵۲
۲۰	حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۱
۲۱	حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۳
۲۲	حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۴
۲۳	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ	۱۲۵

حصّہ دوم

۱	حکایات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۳
۲	حکایات حضرت محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ	۱۶۰
۳	حضرت مولانا شاہ محمد رفیع الدین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ دار العلوم کی حکایات	۱۹۲
۴	حضرت مولانا فریدالدین صاحب والد مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات	۱۹۳
۵	جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کی حکایات	۱۹۴
۶	حضرت مولانا خلیل احمد صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم کی حکایات	۱۹۵
۷	شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند کی حکایات	۲۰۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸	حکایات حضرت احمد حسن صاحب امروہیؒ	۲۰۶
۹	حضرت مولانا عبد العلی صاحب صدر مدرس مدرسہ عبد الرب دہلوی کی حکایات	۲۰۸
۱۰	حکایات حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی	۲۰۹
۱۱	حکایات مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی	۲۱۰
۱۲	حکایات حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند	۲۱۱
۱۳	حکایات مولانا فتح صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۳
۱۴	حکایات مولانا محمد یٰسین صاحب والد حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی	۲۱۴
۱۵	حکایات مولوی سالار بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۴
۱۶	حکایات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۶

عرضِ ناشر

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کا نام نامی و اسمِ گرامی آج نہ کسی تعارف کا محتاج ہے اور نہ آپ کے یا آپ کی کسی تالیف کے تعارف کی جسارت ممکن ہے۔ آپ کی شخصیت اور آپ کی ہر تالیف و تصنیف کی افادیت ہماری ہر ممکن تعریف و تعارف سے برتر و بالاتر ہے۔ آپ غوثِ زماں، مجددِ زماں اور روئے زمین پر اجلۂ آیاتِ کبریٰ میں سے ایک ممتاز فرد تھے۔ آپ کی شان میں رمزی اٹاوی نے خوب کہا ہے ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

قرآن کریم، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں مختلف واقعات و قصص شامل ہیں۔ جن کا منشا تفہیمِ دین میں آسانی پیدا کرنا ہے کہ بندگانِ خدا کسی نہ کسی طریق سے نارِ جہنم سے بچنے کی فکر میں لگ جائیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ کسی صاحبِ دل کا کوئی واقعہ کسی انتہائی سرکش انسان کے لئے تازیانۂ عبرت بن گیا اور اس کی زندگی کا رُخ کامیابی کی طرف مڑ گیا۔

اسی انقلاب انگیز ردِ عمل کے پیشِ نظر حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے منتسبین میں سے ایک بزرگ جناب شہاب الدین صاحبؒ نے حضرت کے مواعظ و ملفوظات میں سے اور کچھ اپنی یاد سے اکابرِ سلسلہ کی حکایات جمع فرمائیں اور اس مجموعہ

کو حضرتؒ کی نظر اصلاحی سے بھی گزار لیا گیا۔ یہ کتاب عرصہ ہوا ہندوستان میں طبع ہوئی تھی۔ یہ اپنی افادیت کی حیثیت سے ایک نرالی شان کی کتاب ہے۔ مگر عرصہ سے پاکستان میں نایاب تھی اور شائقین اس کے متلاشی تھے۔ پاکستان میں اس کتاب کا حصہ اول حضرت استاذ المکرم مولانا مشرف علی صاحب تھانوی نے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا تھا وہ بھی کافی عرصہ سے نایاب تھا۔

بحمد اللہ مکتبہ اشرفیہ اس کتاب کے دونوں حصوں کو یکجا شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس کو نافع و ذخیرۂ آخرت بنائیں۔

آمین ثم آمین

احقر: عبد الدیان سلیمی
مدرس جامعہ اشرفیہ
ناظم دفتر مجلس صیانۃ المسلمین لاہور
فون: ۲۷۱۵۰۴

بفیض پرتو امداد حق ہر فن میں کامل تھا
نہ کیوں ہوتا کہ آخر دیدۂ یعقوب کا تل تھا
تو شاگردِ رشید ایسا کہ استادِ زماں نکلا
زمینِ ہند کا ذرہ، چراغِ آسماں نکلا
کسے گنجائشِ شک ہے مبارک کامرانی ہیں
کہ اک دنیائے ہو چھوڑی ہے اس دنیائے فانی میں
ترے انجامِ برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا
ترا مستقبلِ تاباں تجھے آواز دیتا تھا
تو میدانِ صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب پر
کہ تو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر
مقدس اسپرٹ کے جوہر و جذبات دیکھے ہیں
صحیفے تیرے خطبے اور ملفوظات دیکھے ہیں
کسی میں فلسفہ منطق کسی میں نورِ حکمت ہے
ذخیرہ علم دیں کا، گنج اسرار نبوت ہے
ترے حکمت بھرے نسخوں سے بوئے علم آتی ہے
فضائے روح میں جو نور بن کر پھیل جاتی ہے
جنہیں پڑھنے سے عقبیٰ کے چمن کی یاد آتی ہے
اسی دار البقا تجھے وطن کی یاد آتی ہے
مطالب جن کے قاری کو غذائے فکر دیتے ہیں
تغافل کیش روحوں کو پیامِ فکر دیتے ہیں
حریم دل کے میلے آئینے خود دھلتے جاتے ہیں
حجابات اٹھتے جاتے ہیں دریچے کھلتے جاتے ہیں
مرقع ہے حدیثوں کا الٰہیات کا دفتر
ہمارے واسطے چھوڑا ہے کیا پاکیزہ لٹریچر
لکھے گا وقت آبِ زر سے تیرے کارناموں کو
مسلماں حفظ کرلیں کاش ان زریں پیاموں کو
جو سچ پوچھو جہاں میں قطبِ ارشاد و ہدایت تھا
ترے تبلیغ کے ہاتھوں میں فانوسِ ہدایت تھا
ترسٹھ سال تک تو نے ہمیں تبلیغ فرمائی
یہی وہ عمر تھی جو سرورِ کونین نے پائی
یہ رمزی بے بصیرت ہے۔ ترے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہ ترے اوصاف پہچاتے
یہ خدامِ شریعت ہیں جو مانندِ پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں
جہاں سے نقش مٹ سکتا نہیں اللہ والوں کا
یہ تیرا مرثیہ کیا ہے قصیدہ ہے کمالوں کا
تری تعریف سے تعریفِ ربانی عبارت ہے
کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی ہی امانت ہے
عقیدت نے جسے لکھا ہے قرطاسِ محبت پر
جسے تابانیاں پڑھتی ہیں خلوت میں بچشمِ تر

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصص الاکابر لحصص الاصاغر

بعد حمد و صلوٰۃ احقر شہاب الدین عرض رسا ہے کہ یہ چند حکایات ہیں اپنے اکابر کی جو سنت اللہ کے موافق ان کے اصاغر و متوسلین کے لیے، خاص طور پر ہادی و نافع ہیں جن کا اکثر حصہ ماخوذ ہے، حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کے مواعظ و ملفوظات سے جیسا کہ جابجا حوالوں سے ظاہر ہے اور یہ حصہ مناسب ہے، امثال عبرت کے ایک جزو کے اور کچھ حصہ اپنی یاد سے لکھا گیا ہے اور ماخوذ کا تو اصل ماخذ سے مقابلہ کر لیا گیا ہے اور غیر ماخوذ کو اصلاح کی غرض سے حضرت والا مدظلہ، کی نظر سے گزران دیا گیا ہے۔ نافعیت مذکورہ کی امید پر ان کو جمع کیا گیا ہے، اللہ تعالےٰ اس امید کو پورا فرمائے اور ناظرین خصوص منتسبین سلسلہ کے لیے نافع و ذخیرۂ آخرت فرماوے اب وہ حکایات شروع ہوتی ہیں؛

حکایت حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کہ ایک شخص حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے کوئی بات ان کے نفس کے خلاف ہوئی، انھوں نے دل میں اعتراض کیا کہ یہ شریعت کے اور اخلاق کے خلاف ہے۔ بس اسی شبہ سے لوٹ گئے۔ جب چلے، تو راستہ نہیں ملتا تھا۔ پانی پت سے نکلنا مشکل ہوگیا، ایک شخص ملے، ان سے راستہ پوچھا، انھوں نے کہا: راستہ تو جلال الدین کبیر الاولیاء کے پاس چھوڑ آئے۔ آخر پھر حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے۔ ص ۱۶۹ م ۵۹۶ حسن العزیز جلد اوّل

حکایت حضرت شیخ احمد عبدالحق صاحب ردولوی رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا: کہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے بڑے بھائی دہلی رہتے تھے۔ وہاں کے شہزادے ان کے بہت معتقد تھے۔ شیخ نے اپنے اُن بھائی سے جب صرف و نحو ابتدائے عمر میں شروع کی۔ تو اس مثال ضرب زید عمرا پر فرمایا کہ کیوں مارا؟ اس نے کیا خطا کی تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ مثال فرضی ہے، مارا وار کچھ نہیں، کہنے لگے کہ خیر اگر بے خطا مارا تو ظلم کیا اور اگر نہیں مارا ویسے ہی لکھدیا ہے تو جھوٹ ہے، میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں شروع ہی سے ظلم اور جھوٹ کی تعلیم ہو، یہ آپ کے بچپن کی کیفیت تھی، ان کے بھائی نے شہزادے سے کہا، انھوں نے فرمایا کہ وُہ صاحب حال ہیں، وہ پڑھیں گے نہیں، انھیں مت ستاؤ۔ بھولے اس قدر تھے کہ آپ کے بھائیوں نے ۔ دولی میں آپ کی نسبت کی تو اپنے بھائی بھاوج سے منع فرمایا اور کہا کہ مجھے اِس جھگڑے سے چھڑاؤ، جب وُہ نہ مانے تو آخر کار خوُد ایک دن سسرال گئے اور دروازے میں جاکر کہدیا کہ میں نامرد ہوں، تمہاری لڑکی کی عمر ضائع ہوگی، چنانچہ آپ کے اس عمل سے اس وقت شادی موقوف ہوگئی، پھر ایک زمانے میں آپ نے شادی کی، اولاد بھی ہوئی، مگر اولاد زندہ نہ رہتی تھی۔ جو بچہ پیدا ہوتا تھا، وُہ تین مرتبہ حق حق حق کہہ کر مرجاتا تھا ایک مرتبہ آپ کی بی بی اس رنج کی وجہ سے کہ اولاد زندہ نہیں رہتی۔ آپ کے سامنے روئیں۔ آپ نے فرمایا:۔ اچھا اب جو بچہ پیدا ہوگا، وہ زندہ رہے گا، چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا، اس نے حق حق نہیں کہا اور وہ زندہ رہا۔ صفحہ ۹۹ م نمبر ۲۱۰ حسن العزیز جلد اول

حکایات حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱ فرمایا کہ: حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی کے ایک مرید تھے۔ ان کو وسوسہ

ہوا کہ یہاں کی تعلیم تو معلوم کر لی اور بھی تو مشہور مشائخ ہیں، اللہ کا نام کسی سے پوچھنے میں حرج نہیں ہے۔ لہٰذا اور جگہوں کا بھی رنگ ڈھنگ چل کر دیکھنا چاہیے، مگر اس خیال کو پیر سے ظاہر کرتے ہوئے حجاب مانع تھا۔ شیخ نے یا تو کشف سے یا قرائن سے معلوم کر لیا۔ ایک موقع پر ان سے فرمایا کہ بھائی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: سیروا فی الارض لہٰذا اگر تم کچھ عرصہ ادھر اُدھر پھر آؤ تو تفریح بھی ہو جاوے گی اور مختلف مشائخ کی زیارت و برکات سے بھی مشرف ہو جاؤ گے اور اس وقت اگر کسی سے اللہ کا نام بھی پوچھ لو، تو کچھ حرج نہیں۔ یہ مرید دل میں خوش ہو گئے کہ اچھا ہوا، شیخ سے حجاب بھی نہ ٹوٹا اور کام بھی بن گیا۔ رخصت ہو کر روانہ ہوئے، جہاں جس شیخ کے پاس بھی گئے، سب نے دُسی پاس انفاس کا شغل بتایا، جو کہ ابتدأ میں شروع کرایا جاتا ہے۔ یہ بہت گھبرائے کہ جس کے پاس جاتا ہوں، وہ ابتدا، الف، بے، تے سے ہی کراتا ہے اور پچھلا کیا کرایا سب بیکار ہو جاتا ہے۔ آخر شرمندہ ہو کر پھر شیخ گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی۔ شیخ نے فرمایا: کیوں بھائی اب تو سب جگہ دیکھ آئے، اب تو تسلی ہوئی۔ بس دُور کے ڈھول ہی سہانے معلوم ہوتے ہیں۔ اب ایک طرف گوشے میں بیٹھ کر اللہ کا نام لو اور طبیعت کو یکسو رکھو۔ ج۱ ص۲۱۴ حسن العزیز

(۲) فرمایا کہ، محمد غوث گوالیاری مصنف جواہر خمسہ عامل تھے۔ یہ غالباً شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ہم عصر ہیں، حضرت شیخؒ کے لانے کے لیے انھوں نے ایک مرتبہ جنّوں کو بھیجا۔ شیخؒ مسجد میں مشغول تھے، جن پہنچے، مگر پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخؒ نے خود ہی سر اٹھا کر دیکھا پوچھا، کون؟ جنّوں نے جواب دیا کہ محمد غوث نے بھیجا ہے، وہ زیارت کے مشتاق ہیں اگر اجازت ہو تو ہم اس طرح لے چلیں کہ تکلیف نہ ہو گی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: میں حکم دیتا ہوں کہ محمد غوث کو لے آؤ، چنانچہ جن پہنچے اور ان کو لے کر چلے، انھوں نے جنّوں سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تم تو میرے مطیع تھے، اب یہ سرکشی کیسی؟ جنّوں نے

جواب دیا کہ سب کے مقابلے میں تو تمہارے مطیع، مگر شیخ کے مقابلے میں تمہاری اطاعت نہیں، غرضکہ ان کو لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچے: فرمایا کہ: تمہیں شرم نہیں آتی، اور بہت ڈانٹا، آخر کار وہ بیعت ہو کر صاحبِ نسبت ہوئے گوالیار میں ان کا مزار ہے۔ صفحہ ۱۰۱ م نمبر ۳۱۷ حسن العزیز جلد اول

(۲) فرمایا کہ، حضرت شیخ عبدالقدوس پر تین تین فاقے گزر جاتے تھے اور جب بیوی پریشان ہو کر عرض کرتیں کہ حضرت اب تو تاب نہیں رہی، فرماتے کہ، تھوڑا صبر اور کرو جنت میں ہمارے لیے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہو رہے ہیں۔ بیوی بھی ایسی نیک ملی تھیں کہ وہ نہایت خوشی سے اس پر صبر کرتیں ص ۹۹ امثال عبرت حصہ دوم

حکایت حضرت شیخ عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کہ، حضرت شیخ عبدالباری رح کی خدمت میں دو شخص بغرضِ بیعت حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے اعتقاد کی جانچ کے لیے فرمایا کہ: اگر ہم خلافِ شرع کام کا حکم دیں تو کرو گے؛ ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ صاحب خلافِ شرع کام تو میں نہ کروں گا، دوسرے نے کہا کہ ہاں میں کروں گا۔ شیخ نے دوسرے کو تو بیعت فرما لیا، اور پہلے کو صاف انکار کر دیا۔ وہاں سے جب علحدہ ہوئے تو پہلے نے دوسرے سے پوچھا کہ بھائی: تم نے خلافِ شرع کام کرنے کا اقرار کس تاویل سے کر لیا۔ اس نے جواب دیا کہ: میں نے یہ خیال کیا کہ شیخ کامل کبھی خلافِ شرع کام کے واسطے کہہ ہی نہیں سکتا، لہٰذا مجھے کبھی ایسی نوبت ہی نہ آوے گی۔ پس میں نے خلافِ شرع کام کرنے کا اقرار نہیں کیا، بلکہ ان کے شیخ کامل ہونے کا پورا یقین کیا کہ وہ کبھی ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے کہ خلافِ شرع کا حکم دیں اور میرا یہ کہنا کہ اگر آپ خلافِ شرع کہیں گے تو کر لوں گا۔ یہ تعلیق المحال بالمحال ہے اس سے میرا عزم امرِ غیر مشروع لازم نہیں ہوتا۔ حصہ ۲ م ۲۱۵

حکایت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب کے پہلے پیر کا نام بھی شاہ عبدالرحیم صاحب ہی تھا فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے پیر کا سر دبا رہا تھا، پیر صاحب نے کہا کہ خوب اچھی طرح زور سے دباؤ، میرے دل میں خیال آیا کہ بہت زور سے دباؤں گا تو سر خربوزے کی طرح پچک جاوے گا (کیونکہ شاہ صاحب خوب قوی تھے) پیر صاحب نے فرمایا کہ نہیں بھائی، تم خوب زور سے دباؤ۔ خربوزے کی طرح نہیں پچکے گا۔ پھر فرمایا کہ وہ صاحبِ کشف تھے اور ان سے خوارق بہت صادر ہوتے تھے۔ ایک لڑائی میں توپ کا منہ بند کر دیا تھا۔ روم کا ایک عنین آدمی جو اپنے ملک سے بغرض علاج آیا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا کہ میری بیوی بوجہ میرے ' مرد ہونے کے طلاق مانگتی ہے۔ میں کچھ مدت مقرر کر کے بغرضِ علاج آیا ہوں اور کہہ آیا ہوں کہ اگر اتنی مدت تک واپس نہ آؤں تو تجھ کو تین طلاق اور اب اس مدت میں ایک ہی یا دو تین دن رہ گئے ہیں، اب وہاں کس طرح پہنچوں؟ آپ اس شخص کو کوٹھڑی میں لے گئے اور آنکھیں بند کرائیں، اس نے دیکھا کہ میں اپنے مکان کے صحن میں کھڑا ہوں، یہ خرقِ عادت قطع مسافت کی آپ کی ظہور میں آئی۔ ص۹۲ حسن العزیز، جلد دوم

حکایات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے مشائخ کے اتباع کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ بھائی ہم نے تو اپنے بزرگوں کو یونہی کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر فرمایا (پیر و مرشد حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) کہ شاہ ولی اللہ صاحب بڑے درجہ کے شخص ہیں، اگر اس قدیم زمانے میں ہوتے، تو

کھپ جاتے ص۴۶ م ۲۵ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ جب شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اوّل اوّل فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تو دہلی والے بہت بگڑے اور شاہ صاحب کو فتحپوری کی مسجد میں گھیر لیا اور قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اس وقت لوگوں کے پاس ہتھیار تھے، شاہ صاحب کے پاس بھی تلوار تھی، بس شاہ صاحب تلوار کے ہاتھ گھماتے ہوئے باہر نکل آئے، کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ جو کچھ کر سکتا۔ ص۲۰۶ م ۶۲۷

(۳) فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں پر مجبور فرمایا اور میرا جی نہ چاہتا تھا، اوّل تو مذاہب اربعہ سے خارج ہونے کو منع فرمایا، دوسرے یہ کہ حضرت علیؓ کو صحابہؓ سے افضل جاننے کو جی چاہتا تھا، اس سے روکا اور افضلیتِ شیخین پر مجبور کیا، تیسرے ترکِ اسباب میری اصلی خواہش تھی۔ مجھ کو حضورؐ نے ثبت الاسباب پر مجبور فرمایا، پس اسبابِ ظاہرہ کو اختیار کرنا سنت ہے۔ ص۲۵ امثال عبرت حصہ دوم

(۴) سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ جب یورپ میں گیا۔ تو وہاں لوگوں نے کہا کہ یہ پہلے زمانہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ اس زمانے میں اس دماغ کا شخص نہیں ہو سکتا ہے، کسی کو پرانی کتاب مل گئی ہوگی اور سرقہ کی راہ سے اس نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ ص ۳۲۸ م ۴۳۶ ، حسن العزیز جلد دوم

(۵) فرمایا کہ: شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ صحبت کے لیے اس شخص کو اختیار کرو، جو محدث بھی ہو اور فقیہ بھی اور صوفی بھی۔ اعتدال اسی سے ہوتا ہے۔ یہ [illegible] کا قول جمیل میں ہے۔ ص۲۵۸ حسن العزیز، جلد چہارم

حکایات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا: واقعی صحبت کا عجیب اثر ہوتا ہے، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح کی صحبت میں بعضے ایسے لوگوں کو جو حرف شناس بھی نہیں تھے ایسا نفع ہوا کہ مولانا کے وعظ انہیں لفظاً لفظاً یاد تھے، گو وہ خود سمجھتے تک نہ تھے، کیونکہ معقول و منقول کے مضامین باریک ہوتے تھے، بعض علماء بھی ایسے لوگوں سے وعظ کہلوا کر سنتے تھے، قصبہ سنبھل میں میں نے سنا تھا، ایسے ہی ایک شخص لوہاری میں آئے تھے، ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بابت اور جمعہ ہونے نہ ہونے کی بابت گفتگو تھی۔ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ تم نے بھی مولانا سے کبھی ہندوستان میں جمعہ کے جواز کی بابت کچھ سنا ہے، کہا کہ ہاں ایک شخص نے پوچھا تھا کہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ بھائی جیسا جمعرات کی نماز پڑھنا۔ ص۱۳۸

م ۱۸۵ حسن العزیز جلد اول

(۲) فرمایا کہ، ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے وعظ فرمایا، اس وعظ میں ایک انگریز رزیڈنٹ بھی شریک تھے جب وعظ ختم ہوا تو ان رزیڈنٹ نے کھڑے ہو کر سب اہل مجلس سے کہا کہ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں سے سلطنت کیوں نکل گئی۔۔ مختلف لوگوں نے اس سوال کے مختلف جواب دیئے۔ آخر میں ان انگریز نے کیسی سمجھ کا جواب دیا کہ میری رائے میں تو سلطنت نکل جانے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ سلطنت کے اہل تھے، (مثل شاہ صاحبؒ کے) انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کی اور دنیا پر لات ماری اور جو اس کے لائق نہ تھے، ان کے ہاتھ میں آئی۔ انھوں نے اس کو برباد کیا۔ ص۳ م ۵ حسن العزیز جلد دوم

(۳) فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی بابت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص نے قانون کی کوئی عبارت پوچھی، شاہ صاحب نے حل کر دی، مگر

اس نے یہ کہا کہ کسی نے لکھا بھی ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے دیکھا نہیں اب دیکھوں گا۔ رات کو کتاب کے ایک نسخے میں وہ عبارت لکھ دی اور لکاتبہ لکھ دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکاتبہ لکھدیا کرتے تھے، پھر دوسرے وقت کہدیا کہ ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے اور دکھلا دیا، وہ شخص ہان گئے۔ اگر شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس شخص کے سامنے حل کرتے تو ان سے بھی یہی پوچھتا کہ کہیں نقل شدہ بھی ہے؟ صہ ۱۸۵ م ۵۹۴ جلد دوم حسن العزیز

(۴) فرمایا: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب لوگوں کو قبور اولیاء پر جانے سے منع کیا کرتے تھے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: وجہ یہ ہے کہ وہاں جاکر ان کی نسبت محسوس ہوگی اور اس کے سامنے شیوخ موجودین کی نسبت ضعیف معلوم ہوگی۔ پھر ان سے استفادہ نہ ہو سکے گا، جو اولیاء گزر گئے، وہ اب آنے کے نہیں۔ طالبین کی ہدایت کیلئے اور موجودین سے فیض یوں گیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ فیض سے مطلق محرومی ہوگی۔ مناسبت اور عقیدت ہی ایک چیز ہے جس سے فیض ہوتا ہے۔ اگلے لوگ مریدوں کے بڑے بڑے امتحان کیا کرتے تھے۔ صہ ۱۰۱ جلد چہارم حسن العزیز

(۵) فرمایا: شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے زمانے میں مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی اور مفتی صدرالدین صاحب کا شباب تھا۔ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صاحب نے ایک ایک قصیدہ لکھا کہ شاہ صاحب کے پاس چل کر پیش کریں۔ دیکھیں ادب میں کتنی مہارت ہے۔ لے کر چلے اور راستے میں سوجھی کہ ہر ایک نے دوسرے کا قصیدہ لے لیا کہ میرے قصیدے کو تم اپنا بتانا، تمہارے والے کو میں اپنا بتاؤں گا وہاں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نابینا ہو گئے تھے معمولی باتیں کر کے آنے کی غرض دریافت کی، انھوں نے کہا: ہم نے کچھ لکھا ہے، اصلاح کے لیے حضور میں لائے ہیں۔ فرمایا: پڑھو، سب پڑھ گئے۔ کچھ نہیں بولے۔ یہ سمجھے کہ کچھ نہیں سمجھے۔ پوچھا، کسی جگہ اصلاح فرما دیجئے۔ فرمایا: اصلاح تو دیکھی جاوے گی۔ مگر یہ بتلاؤ کہ یہ تبادلہ قصیدوں کا کہاں ہوا۔ حیرت ہو گئی۔ شاہ صاحبؒ نے

ان معمولی باتوں سے دونوں کی طبیعت کا رنگ پہچان لیا، اس سے سمجھے، دونوں نے خجلت کے ساتھ اقرار کیا۔ دوبارہ پھر سُنا اور جابجا اصلاح دی ص۱۹۵ جلد چہارم حسن العزیز

(۶) فرمایا کہ: ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی مجلس میں ایک شخص نے کہا، لفظ گھونسا کے مرادف کتنے ہو سکتے ہیں؟ شاہ صاحب نے گنوانا شروع کیے تو گیارہ لُغت ہوئے۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے تو تمام عمر میں سات لغت ملے تھے۔ ص۱۹۵

(۷) فرمایا کہ: شاہ صاحبؒ سے کسی نے پُوچھا: چاند کو عورتیں اور بچے، چُندا ماموں کیوں کہتے ہیں؟ تو شاہ صاحب نے اس کی توجیہ یہ کی یہ ایجاد عورتوں کی ہے اور بچے ان کی دیکھا دیکھی کہنے لگے ہیں۔ چاند کو ماموں کا لقب اس واسطے دیا ہے کہ ماموں ماں کا محرم ہوتا ہے، اس سے پردہ نہیں ہوتا اور چاند سے بھی کوئی نہیں چھپتا، جیسے آفتاب سے چھپ جاتے ہیں۔

(۸) ایک جادوگر شاہ صاحبؒ کے پاس آیا کہ میں سحر کا ایک عمل بھول گیا، کسی طرح وہ پھر یاد آجاوے۔ بھلا ان باتوں سے شاہ صاحب کو کیا علاقہ؟ مگر آپ نے ذرا دیر مراقبہ کیا اور سب عمل پڑھ دیا۔ احقر (حکیم مولانا محمد مصطفیٰ صاحب سلمہٗ) نے حضرت والا (مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ سے پُوچھا، یہ کیا ہوا، شاہ صاحب کو وہ عمل کیسے آگیا۔ فرمایا: یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ہر حرف کی ایک رُوح ہے، شاہ صاحبؒ نے حروف کی ارواح کو حکم دیا کہ ترتیب وار حاضر ہوں۔ ان ہی کی ترتیب سے حرفوں کو مرتب کیا، وہ کلام بن گیا، چنانچہ شاہ صاحب نے یہی وجہ بیان فرمائی ص۱۹۶ جلد مذکور

(۹) مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ جامع مسجد میں آتے تھے، تو عمامہ آنکھوں پر جھکا لیا کرتے تھے اور اِدھر اُدھر نظر نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے اس کا سبب دریافت کیا، شاہ صاحبؒ نے اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھ دیا، دیکھا کہ تمام جامع مسجد میں بجز دو چار آدمیوں کے سب گدھے، کتے، بندر، بھیڑیئے پھر رہے ہیں۔ فرمایا: اسی وجہ سے میں اس صُورت

میں آتا ہوں، مجھ کو سب کتے۔ بندر وغیرہ نظر آتے ہیں اور طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ ص۱۳۹ امثال عبرت حصہ دوم۔

(۱۰) فرمایا کہ ایک شخص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس روتے ہوئے آئے حضرت نے فرمایا، کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے ایسا خواب دیکھا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا ایمان نہ جاتا رہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بیان تو کرو! اُن صاحب نے کہا، میں نے دیکھا ہے کہ قرآن مجید پر پیشاب کر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: یہ تو بہت اچھا خواب ہے، تمہارے لڑکا پیدا ہوگا اور حافظ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان صاحب کی تسلی ہوگئی (جامع کہتا ہے)، اس پر کوئی صاحب ان کے ارتداد کا فتوٰی نہیں لگاتے۔ نہ حضرت شاہ صاحب کو کسی کی مجال ہے کہ یوں کہیں کہ تنبیہ نہیں کی، خیر۔

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے (ص۹۶ مزید المجید)

(۱۱) فرمایا کہ: تاریخ یمینی میں ایک لفظ ٹکاکرہ ہے، حضرت مولانا عالیجناب شاہ محمد عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ العزیز کے زمانے میں کوئی ادیب یہ کتاب پڑھاتے تھے یہ لغت کہیں نہیں ملا، آخر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت ایک لغت تاریخ یمینی کا کہیں نہیں ملتا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ٹکاکرہ ہوگا، سو یہ عربی لغت نہیں ہے، بلکہ معرب ہے، اصل ٹھاکر تھا، اس کا معرب تاکر کیا گیا، پھر اس کی جمع ٹکاکرہ بنائی گئی۔۔ ص۹۰ ملفوظات خبرت حصہ سوم۔

(۱۲) فرمایا کہ، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میری تقریر (مولانا شاہ) اسمٰعیل (صاحب) نے لی اور تحریر (نواب مولوی رشید الدین خانصاحب) نے لی اور تقوٰی (مولانا شاہ) محمد اسحاق (صاحب) نے لیا ص۹۱ جلد مذکور

(۱۳) فرمایا کہ، کسی نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے سوال کیا کہ فاحشہ عورت کا جنازہ

پڑھنا جائز ہے۔ فرمایا، اُس کے آشناؤں کا کیسے جائز سمجھتے ہو۔ حضرت شاہ صاحب کو سائل کے فہم کے موافق جواب دینے میں اللہ تعالٰی نے کمال عطا فرمایا تھا۔ صـ۸ اشرف العلوم۔ ربیع الثانی سنہ ۵۴ھ

حکایات حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

(۱) فرمایا کہ، مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ کے متعلق ایسی تقریر فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں نفی سماع اجسام کی گئی ہے سماع روح کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ قبر میں تو جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔ پس اس آیت سے سماع موتی متنازعہ فیہ میں عدم سماع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ پھر حضرت (مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے خود فرمایا کہ نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے۔ سو وہ ظاہر ہے۔ یعنی مُردے سُننے پر عمل نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کا مقام دارالعمل نہیں ہے اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ کفار کے عدمِ سماع کو بیان کرنا مقصود ہے اور ان کے عدمِ سماع کو عدم۔ عدم سماع موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ کُفار سُنتے ہیں، مگر عمل نہیں کرتے صـ۱۸۲ م ۵۸۰ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی، شاہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حسب معمول حدیث کا درس ہو رہا تھا کہ ایک طالب علم وقت سے دیر کر کے سبق کے لیے آئے، حضرت شاہ صاحب کو منکشف ہو گیا کہ جنبی ہے، غسل نہیں کیا، وہ طالب علم معقولی تھے، معقولی ایسے ہی لاپرواہ ہوتے ہیں، شاہ صاحب نے مسجد سے باہر روک دیا اور فرمایا کہ آج تو طبیعت سُست ہے، جمنا پر چل کر نہائیں گے۔ سب لنگیاں لے کر چلو، سب لنگیاں لے کر چلے اور سب نے غسل کیا اور وہاں سے آکر فرمایا، ناغہ مت کرو۔ کچھ پڑھ لو۔ وہ طالب علم ندامت

سے پانی پانی ہوگیا، اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے۔ کیسے لطیف انداز سے اس کو امر بالمعروف فرمایا۔ امثالِ عبرت حصۂ دوم، ص ۱۰۶

(۳) فرمایا کہ: مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحبِ کشف تھے اور تقویٰ میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ سے بڑھ کر تھے۔ مولوی فضل حق صاحب معقولی حدیث میں آپ کے شاگرد تھے، ان سے ایک سیّد شیعی نے یہ کہا کہ سنا ہے: تمہارے اُستاد بڑے صاحبِ کشف ہیں، میں تو جب جانوں کہ جب میں جاؤں تو وہ میری تعظیم کے لیے باعتبار میری سیادت کے کھڑے ہو جاویں اور ان کو میرا سیّد ہونا معلوم ہو جاوے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کسی کی تعظیم نہیں فرماتے تھے مزاج میں سادگی بہت تھی اور ان کی یہ بھی ایک کرامت تھی کہ اہلِ حق کے سلام کے جواب میں داہنا ہاتھ اور اہلِ باطل کے سلام کے جواب میں بایاں ہاتھ خود بخود اُٹھ جاتا تھا، پس وہ شخص مولوی فضل حق صاحب کے ساتھ آیا تو سلام کا جواب تو حسبِ عادت شاہ صاحب کی بلا۔ یعنی مولوی صاحب کے سلام پر داہنا ہاتھ اور اس شیعی کے سلام پر بایاں ہاتھ اُٹھ گیا، مگر شاہ صاحب تعظیم کے لیے نہیں کھڑے ہوئے، مولوی فضل حق صاحب دل میں بہت نیچ تیچ ہوئے کہ کاش اس وقت کھڑے ہو جاتے تو میری بات رہ جاتی، شاہ صاحب دفعۃً کھڑے ہو گئے اور فرمایا، میر صاحب! یہ آپ کی سیادت کی تعظیم ہے اور میں نے جو اوّل تعظیم نہ کی تھی، وجہ اس کی یہ ہے کہ باوجود سیادت کے تم میں جو عقائدِ باطلہ مل گئے ہیں، تمہاری مثال قرآنِ محرّف کی سی ہے، جس کی تعظیم غیر واجب ہے اور شاہ صاحب کی ایک تیسری کرامت اس شیعی نے وہاں سے اُٹھنے کے بعد بیان کی کہ جب میں یہاں آیا تھا تو دل میں تبرا کہنا شروع کیا تھا اور پاس بیٹھ کر بھی دل میں وہی شغل رکھا، مگر کیفیت یہ تھی کہ اس کے خیال کرنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص جوتیاں مار رہا ہے، یا سوئیاں چبھو رہا ہے، جب وہ خیال دفع کر دیتا تھا، راحت ہو جاتی تھی۔

پھر خیال کرنے سے وہی کیفیت ہو جاتی تھی، اس کرامت کو بیان کر کے اس شیعی نے مولوی صاحب سے کہا کہ تمہارے استاد بڑے ساحر ہیں (ملفوظات خبرت حصہ سوم، ص۱۵ م ۲۴

(۴) فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب کو ایک غریب آدمی نے ایک دھیلا بطور ہدیہ پیش کیا، حضرت شاہ صاحب نے یہ عذر کیا کہ تم غریب آدمی ہو، تم سے کیا لیں گے، وہ بے چارہ خاموش ہو گیا، مگر حق تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی، حضرت شاہ صاحب کے فتوحات بند ہو گئے، فکر ہوئی، غور کیا، دعا کی قلب پر وارد ہوا، کہ اس دھیلے کو لوٹانے سے ایسا ہوا، اس شخص سے وہ دھیلا مانگو، چنانچہ مانگا، جب فتوحات کا دروازہ کھلا۔ بعض لوگ فخر کرتے ہیں کہ معاصی پر بھی ہماری نسبت باطنی باقی رہتی ہے، وہ آنکھیں کھولیں کہ کیسی بات پر عتاب ہو گیا، جس میں معصیت کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا، لیکن واقع میں عتاب کی بات ضرور ہو گی، اضافات الیومیہ حصہ دوم ص۱ م ۲۷

حکایات حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں مسجد میں تھا کہ نہایت نورانیت مسجد میں معلوم ہوئی، مجھے اس کی ٹٹول ہوئی، دیکھا کہ ایک صاحب ہیں جن کا باطن نہایت نورانی تھا اور ان کے تمام لطائف ذاکر تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے مجاہدہ و ریاضت کی ہے، انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ میں تھوڑی دیر حضرت سید احمد صاحب کی خدمت میں بیٹھا ہوں۔ پھر فرمایا کہ حضرت سید احمد صاحبؒ کے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید جیسے شخص معتقد تھے، جو کہ تمام دنیا میں کسی کے معتقد نہ تھے۔ ص۳۰ م ۹۱ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ مولانا (اسمٰعیل شہید) نے اپنی تاریخ اعتقاد بھی بیان کی ہے، کہ [illegible]

معتقد ہوا ہوں کہ ایک روز بارش ہو رہی تھی، میں نماز کے لیے مسجد میں آیا، دیکھا تو جماعت تیار ہے اور ایک جگہ سے مسجد ٹپک رہی ہے اور وہاں کیچڑ ہو رہی ہے، اس جگہ پر کوئی کھڑا نہیں ہوتا، اس وجہ سے جماعت میں فصل ہو رہا ہے، سید صاحب صف میں سے نکل کر اس جگہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ کھڑے ہو گئے، اس حالت کو دیکھتے ہی مجھے سید صاحب کے ساتھ اعتقاد پیدا ہو گیا اور خیال ہوا کہ یہ بدون اخلاص تام کے نہیں ہو سکتا، اس پر حضرت والا سیدی مولائی مرشدی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ لوگ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں۔ یہ معمولی بات نہیں ہے ہاں اب سن کر اگر کوئی ایسا کرے، تو وہ دوسری بات ہے۔ مگر وہ حال اور یکسوئی جو مخلصین میں ہوتی ہے، کہاں سے آوے گی۔ ص۴۲ م ۱۰ مزید المجید۔

(۳) فرمایا کہ جب حضرت سید صاحب بریلوی کا عقد ہو گیا تو آپ نے ایک شب کو گھر میں رہنے کی لوگوں سے اجازت چاہی، کیونکہ قبل عقد تو باہر ہی سویا کرتے تھے۔ بعد ختم شب صبح کو حضرت کو غسل کرنے میں ذرا دیر ہو گئی اور جماعت کی دوسری رکعت میں آکر شامل ہوئے۔ بعد ختم نماز مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ لوگ اتباع سنت کا بڑا دعوےٰ کرتے ہیں اور تکبیر اولیٰ تو الگ رہی رکعتیں تک جماعت کی چھوڑتے ہیں، کیا ذرا سویرے غسل کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا، اس پر سید صاحب نے مولانا عبدالحئی صاحب سے جو کہ سید صاحب کے مرید تھے، نہایت نرمی سے فرمایا، مولوی صاحب آئندہ ایسا نہیں ہوگا، مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی، اس بیان کے بعد فرمایا کہ مولوی عبدالحئی صاحب نے باوجودیکہ ظاہرا یہ عنوان خلاف ادب تھا۔ اس واسطے اس عنوان سے کہنے کی جرأت کی تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ سید صاحبؒ کے دل میں اس سے میل نہ آئے گا بلکہ خوش ہوں گے، ان کے خوش کرلے کو بے ادبی اختیار کی۔

گفتگوئے عاشقاں در کار رب　　جوشش عشق ست نے ترک ادب
بے ادب ترنیست زو کس در جہاں　　با ادب ترنیست زو کس در نہاں

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ میری رائے میں جب اصرار کرتا ہوا دیکھے، تب ادب سے کہدے اور اگر کوئی نازک مزاج ہو تو نہ کہے کہ برا مانے گا۔ ص ۸۵ ، م ۲۹۱ حسن العزیز جلد دوم

(۴) فرمایا کہ حضرت سید صاحب نے دیوبند کے متعلق فرمایا تھا کہ یہاں سے بوئے علم آتی ہے، پہلے دیوبند میں بہت جہل تھا، ص ۱۳۵ ، م ۴۳۹ جلد مذکور۔

(۵) فرمایا کہ سید صاحب کے ایک مرید نے کہا کہ میں نے فلاں جگہ دیکھا کہ آپ نے مجھے رستہ دکھایا، پس حضرت نے پکار کر سب سے کہا کہ دیکھو بھائی، یہ شخص یہ حکایت بیان کرتا ہے، تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ مجھ کو اس واقعہ سے اطلاع بھی نہیں، میں وہاں ہرگز نہیں تھا، پھر ہمارے حضرت والا (پیر و مرشد حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے کوئی لطیفہ غیبیہ متمثل کر کے بھیج دیا ہوگا۔ اس سے اس شخص کو ہدایت ہوگئی ہوگی۔ بعض اوقات پیر کا تصور کرتے کرتے بھی پیر نظر آنے لگتا ہے اور عقیدہ خراب ہو جاتا ہے، جاہل لوگ پیر کو حاضر و ناظر سمجھنے لگتے ہیں، ص ۲۰۱ ، م ۳۴۰ جلد مذکور۔

حکایات حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ آپ بڑے عالم ہیں، آپ نے جواب دیا کہ میرا علم تو کچھ بھی نہیں، ان صاحب نے کہا کہ یہ آپ کی تواضع ہے کہ جو آپ اپنے علم کو کچھ نہیں سمجھتے، مولانا نے فرمایا کہ نہیں میں نے تواضع کی بات نہیں کہی۔ بلکہ میں نے بڑے تکبر کی بات کہی، کیونکہ یہ بات کہ میرا علم تو کچھ بھی نہیں وہ شخص کہہ سکتا ہے جس کا علم بہت ہی زیادہ ہو۔ کیونکہ اس کی نظر علم کے درجہ علیا تک ہوگی اس کو دیکھ کر وہ ایسی بات کہے گا۔ ص ۹ م ۲۵ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ حضرت مولانا شہیدؒ نے ایک مرتبہ مرادآباد میں وعظ بیان فرمایا، جب وعظ ختم ہو چکا اور لوگ چل دیئے تو حضرت مولانا بھی تشریف لے چلے ، دروازے پر ایک بُوڑھے شخص ملے ۔ اُنھوں نے پُوچھا کہ کیا وعظ ختم ہو چکا . لوگوں نے کہا کہ ہاں ختم ہو چکا ان بوڑھے نے بہت افسوس وعظ سے محرُوم رہنے کا کیا اور کہا : انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ نہیں تم افسوس نہ کرو ، میں تمھیں بھی وعظ سنا دُوں گا اللہ لوگوں سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیے اور ان بُوڑھے شخص کو مسجد میں لے جاکر کل وعظ شروع سے اخیر تک جو پہلے بیان ہو چکا تھا ، پھر سنا دیا ، پھر حضرت والا مرشدی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ دیکھئے کس قدر للہیت تھی ، کہ ایک شخص کی خاطر سارا وعظ پھر سے کہا ۔ صـ۹ م ۲۶ جلد مذکور

(۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قصہ فرماتے تھے ، کہ کسی نے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ کی خدمت میں اعتراضاً عرض کیا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے ایک بات تو ایسی لکھی ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر کفر عاید ہوئے بغیر چارہ ہی نہیں اور وُہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سینکڑوں بنا ڈالے میں ڈالے کا لفظ ایسا ہے ، جو تحقیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صاف دلالت کر رہا ہے ، مولانا نے جواب دیا کہ بنا ڈالے میں لفظ ڈالے سے فعل کی تحقیر مقصود ہے ، نہ کہ مفعول کی . مگر انھوں نے نہ مانا اور کہا کہ آپ تاویلیں کرتے ہیں اس سے دو یا تین دن بعد ہی وُہ صاحب معترض پھر حضرت مولانا کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ نے بہت سی حدیث وتفسیر کی کتابیں چھپوائی ہیں ، کیونکہ آپ کے یہاں مطبع موجود ہے ، کاتب موجود ہیں ، سب سامان کاغذ وغیرہ موجود ہے . لہٰذا تفسیر بیضاوی بھی چھپوا ڈالئے ، اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ وُہی ڈالنا ہے ، جس پر اُس روز

شہید کی تکفیر ہوتی تھی۔ اب آپ نے تفسیر بیضاوی کی تحقیر کی کہ چھپوا ڈالیے اور قرآن شریف تفسیر کا جز ہے اور کل کی تحقیر سے جز کی تحقیر لازم آتی ہے۔ لہٰذا آپ نے قرآن کی تحقیر کی۔۔ اب ان صاحب کی آنکھیں کھلیں اور اس جواب کی حقیقت سمجھے۔ ص ۱۰۱ م ۲۷ جلد مذکور

(۴) فرمایا کہ گنگوہ کے کسی صاحب علم نے تقویۃ الایمان کا رد لکھا تھا، وہ مولوی فضل حق صاحب کو جب وہ دورہ میں تھے۔ دکھلایا۔ مولوی صاحب نے بہت ڈانٹا اور کہا کہ تم تقویۃ الایمان کا رد لکھ سکتے ہو، تمہارا اس قابل منہ ہے۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوئے، مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کی شہادت کی خبر سن کر مولوی فضل حق صاحب نے جو کتاب اس وقت لکھ رہے تھے، اس کا لکھنا بند کر دیا تھا، ص ۱۲۵ م ۲۴۰ جلد مذکور

(۵) فرمایا کہ: مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے وعظ میں ایک ہجڑا آ گیا اس سے مولانا نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو بس اس پر ایک حالت طاری ہو گئی اور انگوٹھی، چھلے جو پہن رکھے تھے، سب اتار کر پھینک دیئے اور سرخ ہاتھ، جن میں مہندی لگی ہوئی تھی، پتھر پر رگڑنے شروع کئے تاکہ سرخی چھوٹ جاوے، یہاں تک کہ خون نکل آیا، لوگوں نے منع بھی کیا، مگر اس نے کہا کہ یہ رنگ گناہ ہے اس کو چھڑانا چاہیئے ص ۱۵۱ م ۴۸۵ جلد مذکور

(۶) فرمایا کہ چشتیوں کے یہاں تصور شیخ نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ پھر انکو وہ لوگ جو تصور شیخ کرتے ہیں۔ بدعتی کیسے کہتے ہیں، جب کہ ان میں تو اتنی احتیاط ہے اور وہ لوگ اس کو جائز کہتے ہیں اور کرتے ہیں، چشتیہ کے یہاں توحید و فنا بہت غالب ہے تصور شیخ کی نسبت مولانا شہید کہتے ہیں، ما ھٰذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحبؒ کے اتنے استاد ہیں کہ سید صاحب نے مولانا سے کافیہ پڑھا ہے مگر مولانا باوجود استاد ہونے کے سید صاحب سے بیعت ہوئے اور شاہ صاحب سے مرید نہ ہوئے، وجہ اسکی مناسبت

اس مناسبت کے لیے کوئی قاعدہ نہیں، بڑے سے نہ ہو اور چھوٹے سے ہو جاوے اور فیض کا مدار مناسبت پر ہے، پھر یہ حالت تھی کہ مولانا دہلی شہر کے اندر سید صاحبؒ کی پالکی کے ساتھ بغل میں جوتیاں دبائے ہوئے دوڑتے جایا کرتے تھے، یہ ہیں حالات اہل اللہ کے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں خود داری ہے۔ ص ۱۹۹ حسن العزیز جلد چہارم

(۷) فرمایا کہ، مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی خدمت میں لکھنؤ کے ایک پُر تکلف شہزادے حاضر ہوئے اور فرشی سلام کیا، مولانا نے انگوٹھا دکھا دیا، پھر انھوں نے ایک اشرفی پیش کی، مولانا نے منہ چڑا دیا، تھوڑی دیر بعد وہ شہزادہ بیحد مکدر ہو کر کسی بہانہ سے چلے گئے، لوگوں نے مولانا سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ کہتا تھا کہ میری قسمت پھوٹ گئی ہے، میں نے کہا میرے ٹھو سے اور یہ ہدیہ میری جان کے لیے وبال تھا، اس لیے ایسی حرکت کی آئندہ بھی سلسلہ قطع ہو جاوے۔۔۔ ص ۲۳۸ م ۲۶۹ جلد مذکور

(۸) فرمایا: رسالہ صراطِ مستقیم میں دو طریق مذکور ہیں سلوک کے، سلوکِ نبوت، سلوکِ ولایت، سلوکِ نبوت مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے اور سلوکِ ولایت مولانا عبدالحئی صاحبؒ کا۔ ص ۱۹۹۔ حسن العزیز جلد چہارم

(۹) فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ صحبت کے لیے اس شخص کو اختیار کرو، جو محدث بھی ہو اور فقیہ بھی اور صوفی بھی، اعتدال اسی سے ہوتا ہے۔ یہ قول ان کا قولِ جمیل میں ہے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا خاندان ماشاء اللہ ان اوصاف کا جامع ہے، جن میں مولانا اسمٰعیل صاحب بھی ہیں، بعض لوگ مولانا کو غیر مقلد سمجھتے ہیں۔۔۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، میرے ایک استاد بیان فرماتے تھے کہ وہ سید صاحب کے قافلے کے ایک شخص سے ملے، ان سے پوچھا تھا کہ مولانا غیر مقلد تھے، انھوں نے کہا، یہ تو ہم کو معلوم نہیں لیکن سید صاحبؒ کے تمام قافلے میں یہ مشہور تھا کہ غیر مقلد جھوٹے رافضی

ہوتے ہیں؛ اس سے سمجھ لو کہ اس قافلے میں کوئی غیر مقلد ہو سکتا ہے۔ ایک حکایت اور فرمائی، سند یاد نہیں، کسی نے مولانا سے مسئلہ پوچھا؛ فرمایا امام صاحب کے نزدیک یوں ہے۔ اس نے کہا: آپ اپنی تحقیق فرمائیے؛ فرمایا: میں کیا کر سکتا ہوں امام صاحب کے سامنے۔ مولانا کے غیر مقلد مشہور ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا نے بعض جاہل غالی مقلدین کے مقابلہ میں بعض مسائل خاص عنوان سے تعبیر کرائے اور ایک بار ان کے مقابلے میں آمین زور سے کہدی، کیونکہ غلو اس وقت ایسا تھا۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے زور سے آمین کہدی تھی، تو اس کو مسجد کے اونچے فرش سے گرا دیا تھا مولانا کو اس پر بہت جوش ہوا، اس کتاب میں ہے کہ آپ نے بیس مرتبہ آمین کہی۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے لوگوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اُن کو سمجھائیے۔ فرمایا کہ وہ خود عالم ہیں اور تیز ہیں، کہنے سے ضد بڑھ جائے گی۔ خاموش رہو۔ مولانا نے ایک رسالہ بھی رفع یدین کے اثبات میں لکھا ہے، لیکن غیر مقلد ہرگز نہ تھے، ایک حکایت مولوی فخر الحسن صاحب بیان کرتے تھے، اس سے بھی مولانا کے حنفی ہونے کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا کے ایک بیٹے محمد عمر نامی مجذوب تھے اور بہت بھولے، لیکن بہت ذہین، چنانچہ ایک شخص ان کے سامنے کنز لے گیا کہ اس کا سبق پڑھا دیجئے، کہا: میں نے یہ کتاب کبھی دیکھی نہیں، مگر جب وہ طالب علم پڑھنے بیٹھا تو بہت اچھی طرح سے پڑھائی حتی کہ تھوڑا پڑھ کر اس نے بند کی تو کہا: بھائی دس ورق تو پڑھو اور بھولے ایسے تھے کہ ایک بار مولوی محبوب علی صاحب کے وعظ میں پہنچے، مجمع بہت تھا، مگر واعظ صاحب کی آواز پست تھی، ان کو آواز نہ آئی، تو گھر لوٹ کر گئے اور کہا کہ دعا کریں گے کہ اس واعظ کی آواز بڑھ جائے اور دعا مانگی، پھر فوراً آدمی بھیجا دیکھنے کے لیے کہ بتلاؤ: آواز کچھ بڑھی یا نہیں..... یہ صاحبزادے ایک دفعہ جامع مسجد کے حوض کے پاس کو گزرے وہاں غیر مقلدین میں مذاکرہ حدیث ہو رہا تھا۔ یہ بھی بیٹھ گئے، ہمراہیوں نے عرض کیا کہ حضرت!

یہ لوگ غیر مقلد ہیں، فرمایا: بلا سے! حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو بیان ہو رہا ہے بیان کرنے والے نے ایک مقام پر امام صاحب پر کچھ طعن کیا، انھوں نے ایک دھول رسید کی اور کہا، چلو یہاں سب بے ایمان ہیں۔ ان کی وجاہت بہت تھی، کوئی بول نہ سکا، سو اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غیر مقلد نہ تھے۔ اگر غیر مقلد ہوتے تو اُن کا بیٹا ایسا کیوں ہوتا... واللہ اعلم۔ صفحہ ۲۵۸ حسن العزیز جلد چہارم۔

فرمایا: حضرت سید احمد صاحب بریلوی جن کے ہمراہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید بھی تھے جب پشاور پہنچے، تو وہاں کے علما مولانا شہید کی شہرت سن کر امتحان کی غرض سے آئے مولانا اس وقت ایک خستہ سا تہبند باندھے ہوئے گھوڑے کو کھریرا کر رہے تھے، ان سے پوچھا کہ مولانا کہاں ہیں، مولانا نے فرمایا: کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا کہ تجھ کو اس سے کیا مطلب؟ مولانا کا پتہ بتلاؤ، مولانا نے فرمایا: تم بتلاؤ تو سہی، کیا غرض ہے؟ کہنے لگے کہ ہم کو کچھ پوچھنا ہے، مولانا نے فرمایا کہ مجھ سے ہی پوچھ لو، ان کو معلوم ہو گیا کہ یہی ہیں، پھر جو کچھ جس فن میں پوچھا، گھوڑے کو کھریرا کرتے ہوئے حل کر دیا۔ سب متعجب ہوئے کہ ہم باوجود اس کے کہ کم علم ہیں، ایسے قبا و عبا اور عمامے باندھے ہوئے ہیں اور مولانا اتنے بڑے عالم اور اس حالت میں رہتے ہیں۔ (مولانا نے فرمایا: تعجب نہ کرو، تم مجھ کو اپنے سب کے برابر سمجھتے ہو، اگر میں تم سب کے برابر کپڑے پہنوں تو اتنے بار کا کیسے متحمل ہوں.... جامع) یہاں سے تو وہ عالم چلے گئے اور سمجھے کہ مولانا تو چونکہ عالم ہیں، ان سے ہم جیت نہ سکے، چلو سید صاحب کو دق کریں گے، وہ پڑھے لکھے نہیں ہیں، کیونکہ سید صاحب کافیہ تک پڑھے ہوئے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے یہاں پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ ایک روز مطالعہ دیکھ رہے تھے، کتاب کے حروف نظر نہ آئے اور سب چیزیں تو نظر آویں، لیکن کتاب کے حروف نہ نظر آویں، شاہ صاحب نے اس پر مطلع ہو کر پڑھنا لکھنا چھڑا دیا کہ تم پڑھنا چھوڑ دو۔ تم اور کام کے لیے پیدا ہوئے ہو، چنانچہ پڑھنا لکھنا چھوڑ کر ان کو ذکر

شغل کی تعلیم کی۔

الحاصل، یہ علماء سید صاحب کی خدمت میں آئے، اُدھر کے علماء اکثر یک فنی ہوتے ہیں، کوئی معقول میں یکتا ہے، کوئی صرف صَرف جانتا ہے، کوئی نحوی ہے، غرض جمع ہو کر آئے اور مختلف سوالات شروع کئے۔ اگر دینیات کے متعلق کوئی سوال کرتے تو سید صاحبؒ داہنی طرف رُخ کر کے جواب دے دیتے تھے۔ اور جو غیر دینیات کا ہوتا، معقول کا، تو بائیں طرف رُخ کر کے جواب دے دیتے تھے اور جواب بھی کیسا اہلِ علم کی طرز پر۔ مریدین کو سخت حیرت ہوئی، کہ سید صاحب کی زبان سے وہ الفاظ نکل رہے ہیں کہ کبھی عمر بھر بھی نہ سُنے تھے، جب وہ مجلس ختم ہوئی، تو بعض لوگوں نے پُوچھا: فرمایا کہ جب یہ لوگ آئے تو مَیں نے حق تعالیٰ سے دُعا کی، اے اللہ! مجھ کو رُسوا نہ کیجیو۔ حق تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بوعلی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح کو حکم دیا کہ جواب میں اعانت کرو، چنانچہ امام صاحبؒ کی رُوح میرے داہنی طرف تھی اور شیخ کی بائیں طرف، جو وہ کہتے تھے، مَیں کہلا دیتا تھا۔ ص۱۰۳ امثال عبرت حصہ اوّل۔

(۱۱) فرمایا کہ کلکتہ میں ایک ملحد نے مولانا شہید دہلوی رح سے کہا تھا کہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا خلافِ فطرت ہے، کیونکہ اگر فطرت کے موافق ہوتی، تو ان کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت بھی ہوتی، تو مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ اگر خلافِ فطرت ہونے کی یہی وجہ ہے، تو دانت بھی تو خلافِ فطرت ہیں، ان کو بھی توڑ ڈالو، کیونکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت دانت بھی نہ تھے۔ ص۱۲۴ امثال عبرت حصہ دوم

(۱۲) فرمایا کہ مولانا شہید صاحبؒ بہت تیز مشہور ہیں لیکن اپنے نفس کے لیے کسی پر تیزی نہ فرماتے تھے، ایک شخص نے مجمع عام میں مولانا سے پُوچھا کہ مولانا! مَیں نے سُنا ہے کہ آپ حرامزادے ہیں، بہت متانت اور نرمی سے فرمایا کہ کسی نے تُم سے غلط کہا ہے، شریعت کا قاعدہ ہے۔ الولد للفراش سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ اب

تک موجود ہیں، ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے۔ وُہ شخص پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ مولانا! میں نے امتحاناً ایسا کیا تھا، مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کی سب تیزی اللہ تعالےٰ کے واسطے ہے، اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اُن کی ذات کو جس قدر کوئی کہے، وُہ اپنے کو اس سے بدتر جانتے ہیں ص۱۱۹ امثالِ عبرت، حصّہ دوم۔

(۱۳) فرمایا: کہ حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شرکت کرنے کو اور ایک مجلس میں بیٹھنے کو خلافِ ادب سمجھتے تھے، حضرت سیّد صاحب کی جُوتیاں لیے ہُوئے مؤخر مجلس میں بیٹھے رہتے تھے، اگر کبھی بیٹھے بیٹھے کسل ہو جاتا تو وَہیں جُوتیاں سَر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے تھے جس وقت حضرت سیّد صاحب کی پالکی چلا کرتی تھی، تو حضرت مولانا شہید صاحب رح پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑا کرتے تھے اور اِس کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔ چاندنی چوک میں پالکی جا رہی ہے اور آپ ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہیں، حالانکہ دہلی میں اس خاندان کے ہزاروں سلامی تھے، مگر ذرہ برابر حضرت شاہ صاحبؒ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے، کیا یہ حضرات خشک تھے، ان کو خشک کہا جاتا ہے، اصلاح یوُں ہی ہوتی ہے، آج ذرا ذرا بات پر ناگواری ہوتی ہے، غرض ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہیئے۔ مَرتے دم تک یہی حالت رہے، عارف رُومی فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادمے آخر دمے فارغ مباش،
تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

الافاضات الیومیہ ۱۲۳ ام سلسلہ ۱۶۳

(۱۴) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اپنے شہر میں بڑے جید عالم، سب لوگ جاننے والے مگر سیّد صاحب کا جُوتہ بغل میں دبائے سب سے سلام علیک کرتے، اور پالکی کے ساتھ دوڑا کرتے تھے، مجلس میں بھی جُوتوں کے پاس سیّد صاحب کا جُوتہ لیے بیٹھے رہتے تھے

اور اگر کسل مندی سے لیٹتے تو جوتہ سر کے نیچے رکھ لیتے، کبھی سید صاحب کو جوتہ تلاش کرنے کی نوبت نہیں آئی، جس طرف چاہتے بے تکلف آزادانہ چلے جاتے تھے، وہیں جوتہ موجود پاتے تھے، کسی نے مولانا شہیدؒ سے دریافت کیا کہ آپ کو سید صاحب سے اعتقاد کیسے ہوا، فرمایا ایک مرتبہ بارش ہوئی، سب لوگ مسجد میں مجتمع تھے، مسجد بیچ میں سے ٹپکتی تھی، جماعت کے وقت سب نمازی اِدھر اُدھر ہو گئے، وہ جگہ بیچ میں خالی رہی۔ سید صاحب وہاں آکر کھڑے ہوئے اور سب پانی اُن پر پڑا، لیکن نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کی، کہتے تھے کہ میں سمجھا: یہ بہت بڑا شخص ہے، متبع السنۃ ہے، ظاہر میں تو معمولی بات ہے، لیکن چشم غور سے حقیقت منکشف ہوتی ہے اور سید صاحب اُس وقت طالب علمی کرتے تھے اور کافیہ تک پڑھا تھا، ایک روز مطالعہ فرما رہے تھے، کہ کافیہ کے حروف غائب ہو گئے، بہت پریشان کہ صبح کو سبق کیسے پڑھوں گا، شاہ صاحب سے ذکر کیا، فرمایا، تم اور کام کے انجام دینے کے واسطے پیدا ہوئے ہو، حق تعالیٰ کو تمہیں عالم متعارف بنانا منظور نہیں، مولانا شہیدؒ نے سید صاحب کا بیعت ہوتے وقت بھی امتحان لیا تھا، کہا کہ دو رکعتیں موافق حدیث لا تحدث فیہما نفسہ پڑھا دو۔ فرمایا، وضو کر لو، نماز پڑھائی، کوئی خطرہ ماسوا کا نہیں آیا، مولانا شہیدؒ نے سید صاحبؒ کی بہت خدمت اور بڑا مجاہدہ ریاضت نفس کشی کی تھی، حالانکہ بڑے طباع، تیز، شوخ، ذہین، ذکی تھے، ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے ذکر و شغل پوچھا کرتے تھے۔ مولانا شہیدؒ نے ان سے فرمایا: یہ شیخ سے شغال بیابانی کا ذکر بھی پوچھا ہے، اس نے شاہ صاحب سے پوچھا، فرمایا، اسمٰعیل کی شوخی معلوم ہوتی ہے، شغال تو گیدڑ کو کہتے ہیں اور ایک صاحب غبی بہت پوچھا کرتے تھے، ان سے کہا کہ تمہیں بیت الخلا جانے کی نیت معلوم ہے، میں بتاؤں: یَا اَیُّہَا النَّفَرَکَ لُوْثَادَمَرٍّ فِ مُقَامِ الْجَہْرَکَ وَالسِّرَکْ۔ ملفوظات ہفت اختر

(۱۵) مولانا اسمٰعیل شہید نے ایک عالم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص فرش پر بیٹھا ہو اور قرآن کو رحل پر رکھے ہوئے پڑھ رہا ہو اور دُوسرا آدمی پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ جاوے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے کہا جائز نہیں، کیونکہ اس میں قرآن کی بے اُدبی ہے، مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ اگر قرآن کے سامنے کھڑا ہو جائے، تو یہ کیسا؟ کہا یہ جائز ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ دونوں صُورتوں میں فرق کیا ہے۔ چارپائی پر بیٹھنے میں اگر بے اَدبی پیروں کی ہے تو پیر تو پلنگ پر بیٹھنے والے کے بھی نیچے ہیں اور اگر بے ادبی سرین کے اونچے ہونے سے ہے تو سرین کھڑے ہونے والے کے اُونچے ہیں، وُہ مولوی صاحب حیران ہو کر خاموش ہو گئے (فرمایا حضرت سیدی مرشدی حکیم الاُمّت مدظلہم العالی نے کہ اگر فقیہ ہوتے تو کہہ دیتے کہ اَدب کا مدار عرف پر ہے اور عرف میں پہلی صُورت کو بے ادبی اور دُوسری کو اَدب شمار کیا جاتا ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے مزاج میں شوخی یعنی زندہ دلی بہت تھی اس لیے ان کے یہاں ایسے ایسے لطیفے اکثر ہوتے رہتے تھے، جن کا جواب کوئی ان ہی جیسا دے سکتا تھا، ہر شخص نہ دے سکتا تھا، ہمارے (یعنی مولانا مرشدی حکیم الاُمّت شاہ محمد اشرف علی صاحب کے) ماموں امداد علی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ شوخی مزاج دلیل ہے، نفس کے مُردہ ہونے اور رُوح کے زندہ ہونے کی اور متانت دلیل ہے، رُوح کے مُردہ ہونے اور نفس کے زندہ ہونے کی، اسی لیے اکثر اہل اللہ شوخ مزاج یعنی زندہ دل ہوتے ہیں۔ وعظ آداب المصائب ص۶

حکایات مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب جو کہ مرزا مظہر جانجاناں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، مرزا صاحب کی خدمت میں رہتے تھے، کہیں سے مٹھائی آئی، مرزا صاحب نے فرمایا کہ غلام علی مٹھائی لو۔ انھوں نے ہاتھ پھیلا دیا۔ فرمایا مٹھائی ہاتھ میں لیا کرتے ہیں؟

کاغذ لاؤ، پھر وہ کاغذ لائے، اس پر ذرا سی دی بعد کو دریافت فرمایا کہ وہ مٹھائی کھائی تھی. انھوں نے عرض کیا کہ کھائی تھی، فرمایا کیسی تھی، عرض کیا بہت لذیذ تھی، فرمایا کہ کچھ بچی ہے عرض کیا، نہیں، فرمایا ارے سب ایک ہی دفعہ کھالی. پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مرزا صاحب کا مزاج کس قدر لطیف تھا کہ ذرا سی تو کاغذ پر مٹھائی دی اور اس کی نسبت بھی دریافت فرمایا کہ کیا سب ایک ہی دفعہ کھالی. حسن العزیز جلد دوم ص ۱۲۰ م ۳۸۱

(۲) فرمایا کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی حکایت ہے کہ انھوں نے ایک مرید سے کہا: کہ اپنے بچّوں کو دکھاؤ، ہم دیکھنا چاہتے ہیں، وہ مرید پہلوتہی کرتے تھے، اس وجہ سے کہ بچّے شوخ ہوتے ہیں اور مرزا صاحب نازک مزاج تھے، آخر کار حضرت کے چند بار تقاضے پر ایک دن نہلا دھلا کر اور کپڑے پہنا کر خوب ادب سکھایا. اِدھر اُدھر مت دیکھنا، پست آواز سے بولنا، دہلی کے بچّے تو ویسے ہی ہوشیار ہوتے ہیں اور پھر ان کو سکھلایا گیا، اس لیے وہ خوب ٹھیک ہو گئے، تب وہ ان کو لے کر مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرزا صاحب نے ان بچّوں کو چھیڑنا شروع کیا، مگر وہ تو بندھے ہوئے تھے، اس لیے ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور بڑوں کی طرح تمیز سلیقہ سے بیٹھے رہے. تب مرزا صاحب نے فرمایا کہ بچّوں کو نہیں لائے، جواب دیا کہ حضرت لایا تو ہوں. فرمایا کہ یہ بچّے ہیں، یہ تو تمہارے بھی باوا ہیں. بچّے تو وہ ہوتے ہیں؛ کوئی ہمارا عمامہ اتارتا کوئی کچھ کرتا. پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اگرچہ مرزا صاحب بہت نازک مزاج تھے مگر بچّوں سے کچھ تکلیف نہ ہوتی تھی، ناگواری تو جاننے والے کی ہوتی ہے. نہ کہ بچّوں کی، جو کچھ نہیں جانتے. جلد مذکور ص ۱۴۰ م ۴۶۰

(۳) کہتے ہیں کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں حسن پرست تھے، تو ہم ایسا کریں تو کیا مضائقہ ہے، سبحان اللہ! کیا استدلال ہے. بات یہ ہے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

میں اُن کی حسن پرستی کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ وہ اس معنے کے حسن پرست نہ تھے جیسے کہ لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ اُن کو ہر اچھی شئے حسین معلوم ہوتی تھی اور ہر بُری اور بے قاعدہ شئے سے اس قدر نفرت تھی کہ ان کو بدصورت اور بے ڈھنگی شئے دیکھنے سے تکلیف ہوتی تھی، چنانچہ حضرت مرزا صاحب کو جب کہیں جانا ہوتا تھا، تو پالکی میں بیٹھ کر جاتے تھے اور پالکی کے پٹ بند کرا دیا کرتے تھے، کسی نے پُوچھا کہ حضرت آپ پٹ کیوں بند کرا دیا کرتے ہیں، فرمایا کہ راستے میں بازار وغیرہ ملتے ہیں، اس میں بعض دُوکانیں بے قاعدہ بنی ہُوئی ہوتی ہیں مجھ کو دیکھ کر سخت تکلیف ہوتی ہے۔ تھانہ بھون کے قاضی صاحب مع اپنے ایک ہمراہی کے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوئے، اس ہمراہی کو ناک صاف کرنے کی ضرورت ہُوئی، تو مرزا صاحب کی نظر اُسکے پاجامہ پر پڑ گئی سب چھینٹیں پاجامے کے پیچھے تھیں، تو مرزا صاحب کے سَر میں درد ہو گیا اور فرمایا کہ قاضی صاحب! اس شخص کے ساتھ آپ کا کیسے گذر ہوتا ہو گا۔

اکبر شاہ ثانی، جو کہ بادشاہِ وقت تھا، ایک مرتبہ مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، بادشاہ کو پیاس لگی، کوئی خادم اُس وقت موجُود نہ تھا، خود اُٹھ کر پانی پیا اور پانی پی کر کٹورہ صراحی پر ٹیڑھا رکھ دیا۔ مرزا صاحب کے سَر میں درد ہو گیا، طبیعت پریشان ہو گئی، لیکن ضبط فرمایا، چلتے وقت بادشاہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کے یہاں کوئی آدمی خدمت کے لیے نہیں ہے، اگر ارشاد ہو تو کوئی آدمی بھیجدوں۔ اَب تو مرزا صاحب سے رہا نہ گیا، جھنجھلا کر فرمایا کہ پہلے تُم تو آدمی بنو، کٹورہ ٹیڑھا رکھ دیا، طبیعت اب تک پریشان ہے۔ ایک شخص نے مرزا صاحب کی خدمت میں انگور بھیجے، بہت نفیس۔ وہ منتظر داد کے ہُوئے، مگر مرزا صاحب ساکت تھے، آخر اُنہی نے خود پوچھا کہ حضرت انگور کیسے تھے؟ فرمایا، مُردوں کی بُو آتی تھی، تحقیق سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں انگور بوئے گئے تھے، وہ انگور وہاں سے آئے تھے، مرزا صاحب کے اندر حُسن پسندی تھی، وہ طبع تھی، طبیعت کی ساخت ایسی واقع ہوئی تھی، کہ ہر اچھی شئے پسند فرماتے تھے، ان

اُن کے نفس میں بُرے خیال کا شائبہ بھی نہ تھا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ بچپن میں بھی بدصورت کی گود میں نہ جاتے تھے، بھلا اُس وقت کیا احتمال ہو سکتا ہے۔ امثالِ عبرت حصّہ دوم ۲۳

(۴) حضرت میر درد دہلوی کو سماع سُننے سے رغبت تھی، ان کی نسبت حضرت مظہر جانجاناں سے آکر کسی نے کہا کہ حضرت میر درد سماع سُنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ بھائی! کوئی کانوں کا بیمار ہے کوئی آنکھوں کا بیمار ہے۔ مرزا صاحب کے اس مقولہ سے اکثر جاہلوں نے یہ سمجھا کہ مرزا صاحب حُسن پرست تھے، حالانکہ یہ اعتراض بالکل غلط اور بہتان ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب بوجہ لطافت مزاج کے بدصورت آدمی کو دیکھ نہ سکتے تھے اور مرزا صاحب کے بچپن کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں، یعنی مرزا صاحب کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ شیرخوارگی کے زمانے میں آپ کسی بدصورت عورت کی گود میں نہ جاتے تھے، حالانکہ اُس وقت آپ کو خوبصورتی و بدصورتی کا ادراک بھی نہ تھا، لیکن لطافت رُوح کے باعث آپ کو بدصورت آدمی سے اُس وقت بھی تکلیف ہوتی تھی اور اُس کا اثر بڑے ہو کر بھی تھا۔ امثالِ عبرت حصّہ دوم ۵

(۵) حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہم ہوا کرتا تھا کہ حضرات اہلِ بیت سے مجھے محبت نہیں ہے اور اکثر اہلِ سنّت کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے بھی کہ اُن کو جتنی محبت صحابہؓ سے ہے، اتنی اہلِ بیت سے نہیں ہے، چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے یہ شبہ کیا بھی تھا۔ میں نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صحابہؓ کے منکر تو ہیں، اس لیے ان کی نصرت اور حمایت میں اہتمام کیا جاتا ہے اور اہلِ بیت کے منکر نہیں، اس لیے ان کے متعلق اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت نہیں تو جیسے اکثر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے، حضرت مرزا صاحب کو بھی یہ خیال ہوا اور اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ آخر ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے صحابہ کی شان میں گستاخی کی،

آپ سُن کر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور تلوار نکال کر چاہا کہ اُس کا کام تمام کر دیں۔ اُس نے کہا کہ امام حسینؓ کے واسطے مجھ کو چھوڑ دو۔ بس امام حسینؓ کا نام سُن کر آپ کی یہ حالت ہُوئی کہ بدن پر لرزہ پڑ گیا اور پھر اُس پر ہاتھ اُٹھ نہ سکا، اس سے آپ کو تسلّی ہُوئی کہ مجھ کو اہلِ بیت کے ساتھ بھی محبت ہے۔ وعظ اجابۃ الداعی ص۱۱

(۶) ایک شخص نے مرزا مظہر جانجاناںؒ سے عرض کیا کہ ایک شخص خالص شوربا نہیں کھاتا پانی ملا کر کھاتا ہے۔ فرمایا کہ وُہ ناقص ہے جو خُدا کی خاص تجلّی خالص میں ہے، وُہ اس پانی ملے میں کہاں ہے۔ راز اس میں یہ ہے کہ خالص شوربا کھا کر جی خوش ہو گا۔ رُوئیں رُوئیں سے شکر پیدا ہو گا اور تجلّی سے مراد رؤیت نہیں ہے۔ معرفت ہے یہی تجلّی ہے، جس سے حق تعالےٰ اپنے کلام میں متجلّی ہے۔ یہی تجلّی ہے، جس سے وُہ اپنی نعمتوں میں متجلّی ہے۔ کلام میں اس کا مشاہدہ کرو، نعمتوں میں اُس کا مشاہدہ کرو۔ وعظ روح الصیام ص۳۶

(۷) حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی پالکی کے ساتھ دوڑے ہُوئے جا رہے تھے، رَاستے میں مسجد میں چند قلندر مکّاری گردن جھکائے بیٹھے تھے، اُن میں ایک پیر جی بھی تھے، شیخ نے انھیں اس حالت میں مُبتلا دیکھ کر فرمایا۔ مرزا اگر شیاطین نہ دیکھے ہوں تو دیکھ لو۔ پالکی چلی گئی، یہ ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی پہنچے۔ پُوچھا مرزا کہاں رہ گئے تھے، عرض کیا: حضور جس وقت چلے گئے، تو میں نے سوچا کہ سب کے سب خاص بزرگوں کی وضع میں ہیں اور ان پر حضُور کی نظر بھی پڑی ہے، گو نظرِ عتاب ہی سہی، تو جنھوں نے بزرگوں کی شکل بنائی ہے۔ ان پر حضُور کی نظر بھی پڑی ہے۔ وُہ محرُوم رہیں؟ مَیں ان کے قلوب میں القاءِ نسبت کرنے کے لیے ٹھہر گیا تھا، سب کے سب صاحبِ نسبت ہو گئے اور آکر شیخ سے بیعت ہُوئے۔ وعظ رج الغم ولسیح ص۲۷

(۸) حضرت مرزا صاحب مظہر جانجاں رحمۃ اللہ علیہ جس روز شہید کئے گئے تھے، آپ کو کشف ہو گیا تھا، چنانچہ آپ صُبح ہی سے نہایت شاداں اور فرحاں تھے۔ مَوت کی وجہ سے

اور بار بار یہ کہتے تھے۔

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود　　قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

وعظ آثار المربع صـ۱۱

حکایات مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ مقبولانِ الٰہی یا اپنے محسن کی شان میں جو گستاخ ہوتا ہے، اس کی عقل مسخ ہو جاتی ہے۔ ایک طالب علم شاگرد مولوی اسحٰق صاحب کے اُن کی شان میں گستاخ تھے۔ ایک شخص نے کہا، تم شاگرد ہو، وہ تو محسن ہیں، ایسا تمہیں نہ چاہیئے، اس نے جواب دیا کہ محسن تو جب ہیں جب مجھے ان کا پڑھایا ہوا کچھ یاد رہا ہو، مجھے کچھ یاد ہی نہیں۔ پھر حضرت والا (سیدنا و مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ ادھر اس نے گستاخی شروع کی۔ ادھر علم سلب ہونا شروع ہو گیا۔ صـ۲۱۰ م ـ۹۶۰ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ بزرگوں نے اَدب و احترام کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اپنے بزرگوں کا زندگی میں تو ہم اہتمام کرتے ہی ہیں، لیکن بعد موت کے بھی ان کا اَدب و احترام کرتے ہیں، چنانچہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب مکہ معظمہ جانے کا قصد کیا تو اپنے ایک شاگرد کو لکھا جو اجمیر میں رہتے تھے کہ چونکہ یہ سفر اجمیر کے راستے سے ہو گا، تو یہ ارادہ ہے کہ حضرت شیخ کی زیارت بھی کروں، ان شاگرد صاحب نے جواب میں لکھا۔ کہ حضرت آپ کا یہاں تشریف لانا میرے لیے عین سعادت ہے، مگر ایک مصلحتِ دینی کی وجہ سے تشریف لانا مناسب نہیں، وہ یہ ہے کہ میں یہاں اپنے وعظوں میں زیارت کے لیے سفر کرنے کو مفاسد کی وجہ سے منع کیا کرتا ہوں، اتنے دنوں کے بعد کچھ لوگ سمجھ گئے ہیں، اب اگر حضرت تشریف لائے تو میرے اتنے دنوں کی کوشش برباد ہو جائے گی اور لوگوں کو شبہ ہو گا، کس کس کو سمجھایا جاوے گا کہ یہ سفر زیارت قبر کے لیے نہیں ہوا

اس کے جواب میں شاہ صاحب نے لکھا کہ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے مشائخ میں سے وہاں موجود ہوں اور میں بلا زیارت کیئے وہاں سے گزر جاؤں، نہ یہی مصلحت دینی، تو اس کے تحصیل کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم میری موجودگی میں وعظ کہنا اور اُس جلسے میں میں بھی شریک ہوؤں گا، تم اس میں بھی مسئلہ عدم جواز سفر لزیارۃ القبور کا بیان کرنا آخر میں کہنا کہ مسائل شرعیہ میں کسی کا فعل حجت نہیں، خواہ وہ کیسا ہی بڑا عالم اور مسلم بزرگ کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس جواب کے بعد حضرت شاہ صاحب اجمیر شریف زیارت کے لئے آئے اور ان شاگرد صاحب نے وہی مسئلہ وعظ میں بیان کیا کہ زیارت کے لیے آنا جائز نہیں اور اس میں کسی کا فعل حجت نہیں، تو شاہ صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ صاحبو! مولوی صاحب نے جو کچھ کہا ٹھیک ہے اور میں جو یہاں آیا، مجھ سے غلطی ہوئی، میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی آمد کی کوئی تاویل نہیں فرمائی، حالانکہ یہ بہت ظاہر، آسان اور مطابق واقع بات تھی کہ میں نے قصداً زیارت کے لیے سفر نہیں کیا، حج کو جا رہا ہوں، راستے میں حاضری کا موقع مل گیا، مگر شاہ صاحب نے ایسا نہیں کیا، بلکہ بلا کسی تاویل کے یوں فرمایا کہ میں توبہ کرتا ہوں۔" کچھ ٹھکانا ہے اس ادب و احترام کے ساتھ جمع بین الاضداد کا، کہ تواضع و رعایت مصالح دینیہ کا کس قدر لحاظ کیا۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو خشک ملا سمجھا جاتا ہے۔ ۱۲۔ ص۱۴۱ سراج الصراط

(۲) ایک قصہ ضد کا مجھے یاد آیا کہ دہلی میں ایک شخص نے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کی بھی دعوت کی اور اُنکے بعض مخالفین کی بھی اور ہر ایک کو دوسرے کی خبر نہ ہونے دی جب سب جمع ہو گئے اور کھانا سامنے آیا تو میزبان نے کہا کہ صاحب یہ شیخ سدو کا بکرا میں نے پکایا ہے۔ اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے۔ شاہ اسحٰق صاحب تو شیخ سدو صاحب کے بکرے کو حرام فرماتے تھے، انھوں نے تو ہاتھ کھینچ لیا اور ان کے ساتھ اُن کے مخالفین نے بھی ہاتھ کھینچ لیا، صاحب خانہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ تو

جائز کہتے ہیں، آپ نے کیوں ہاتھ روکا، کہنے لگے: بھائی حرام ہے، مگر ان کی ضد میں اس کو حلال کہہ دیتے ہیں۔ امثال عبرت۔ حصہ دوم ص۲۱

حکایات میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ

(۱) فرمایا: حضرت میاں جی نور محمد صاحب قدس سرہ العزیز کے ایک پیر بھائی تھے۔ شیر محمد خاں صاحب بعد وفات اپنے شیخ کے، خانصاحب نے حضرت میاں جی صاحب سے رجوع کیا تھا، اس طرح خانصاحب پیر بھائی بھی تھے اور مرید بھی تھے، مرتے وقت لوگ ان سے کلمہ پڑھنے کو کہتے تھے، تو وہ منہ پھیر لیتے تھے، سب لوگ پریشان تھے کہ اتنے بڑے شخص کا یہ حال ہے، تو ہم کس شمار میں ہیں، ہمارے حسن خاتمہ کا کیا بھروسہ۔ ان میں سے ایک شخص حضرت میاں جی صاحب کے پاس دوڑے ہوئے گئے۔ حضرت حجرہ کے اندر مشغول ذکر و فکر تھے، جب کبھی حضرت میاں جی صاحب کو باہر بلانا ہوتا تو حجرے کے کواڑوں کے پاس کھڑے ہو کر بلانے والا دو چار دفعہ پکار کر اللہ اللہ کہنے لگتا تھا، حضرت مراقبے سے افاقہ میں آکر بات چیت کر لیتے تھے۔ چنانچہ ان صاحب نے بھی اسی طرح اللہ اللہ کہا، حضرت نے کواڑ کھول دیئے۔ انھوں نے خانصاحب کا سب حال بیان کیا کہ جلدی چلیئے، وہاں یہ غضب ہو رہا ہے کہ ان سے کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں، لیکن وہ منہ پھیر لیتے ہیں، اخیر وقت ہے چل کر ان کی امداد کیجئے۔ حضرت میاں جی صاحب کو تو اطمینان تھا، لیکن لوگوں کی دفع پریشانی کی غرض سے آپ تشریف لے گئے، سلام کر کے دریافت کیا کہ خانصاحب کیا حالت ہے۔ خانصاحب نے آواز پہچان کر فوراً آنکھ کھول دی اور سلام کا جواب دیکر کہا، الحمد للہ میں بہت اچھے حال میں ہوں، لیکن آپ ذرا لوگوں کو منع کر دیجئے کہ مجھے تنگ نہ کریں۔ یہ مجھ سے کلمہ پڑھنے کے لیے کہہ رہے ہیں، مجھے مسمّیٰ سے اسم کی طرف لاتے ہیں۔ دیکھئے وہ اس وقت مشاہدہ

ذات میں تھے، اس لیے اسم کی طرف نہ آنا چاہتے تھے۔ لوگ اس کو سمجھے کہ کلمہ پڑھنے سے اعراض کرتے ہیں۔ ص۲۶ م ۶۵۳ حسن العزیز جلد اول

(۲) فرمایا: کہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب حسین نازک اور سراپا نور ہی نور تھے چھوٹے قد کے تھے۔ ص۳۲ م ص۹۵ حسن العزیز جلد دوم۔

(۳) فرمایا کہ: حضرت حافظ ضامن صاحب اور حضرت حاجی صاحب، دونوں میں وعدہ تھا کہ دونوں ایک ہی جگہ مرید ہوں گے، اتفاق سے حضرت حاجی صاحب کو یاد نہ رہا اور وہ حضرت میاں جی صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔ جب حافظ صاحب کو معلوم ہوا، تو انھوں نے حاجی صاحب سے شکایت کی۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ بھائی مجھے خیال نہیں رہا۔ پھر حافظ صاحب حاجی صاحب کے ہمراہ حضرت میانجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے عرض کیا۔ حضرت میاں جی صاحب نے انکار کر دیا۔ حافظ صاحب خاموش ہو گئے۔ مگر تیسرے چوتھے دن وہیں کھڑے رہتے تھے، مگر بیعت کر لینے پر اصرار نہیں کیا۔ آخر کار میاں جی صاحب نے جب کثرت سے آمد و رفت دیکھی۔ تو فرمایا کہ کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ عرض کیا کہ حضرت! درخواست کو بے ادبی سمجھتا ہوں، محبت و عقیدت کافی ہے اور جگہ بیعت ہوں گا نہیں۔ پھر میاں جی صاحب نے فرمایا کہ اچھا وضو کر لو۔ پھر دو رکعتیں پڑھوائیں، پھر حضرت والا سیدنا و مولانا مرشدنا حکیم الامۃ شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ ان واقعات سے میں سمجھتا ہوں کہ بیعت کو آج کل ایک رسم سمجھتے ہیں۔ حقیقت بیعت کی نہیں سمجھتے، بیعت میں کمی کرنے سے حقیقت سمجھ میں آوے۔

ص۸۶ م ص۲۷ جلد مذکور

(۴) فرمایا کہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک عالم بغرض استفادہ مقیم تھے اور پہلے آپ کے ساتھ انکار سے پیش آ چکے تھے، حضرت نے

فرمایا کہ جب میں تمہاری طرف توجہ کرتا ہوں تو تمہاری گزشتہ باتیں یاد آکر حائل و حجاب ہو جاتی ہیں، اس لیے تم کو میری ذات سے فیض نہیں ہو سکتا. بہتر ہے کہ کہیں اور جگہ تشریف لے جائیے۔ صـ ۶۲ م ۲۰۷ ملفوظات خبرت حصہ سوم.

(۵) فرمایا کہ ایک کرامت حضرت شیخ الشیوخ قطب العالم میاں جی نور محمد صاحب قدس اللہ سرہٗ کی مشہور ہے کہ آپ کے یہاں کوئی تقریب تھی، حضرت پیرانی صاحبہ آنکھوں سے بالکل معذور تھیں، عورتوں کا ہجوم ہوا، ان کی مدارت میں مشغول ہوئیں مگر بینائی نہ ہونے سے سخت پریشان تھیں. حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بطورِ ناز کہنے لگیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ولی ہیں، کیا جانیں، ہماری آنکھیں جب درست ہو جائیں تب ہم جانیں. حضرت رحمۃ اللہ علیہ باہر چلے گئے. دعا فرمائی ہوگی، اتفاقاً حضرت پیرانی صاحبہ بیت الخلا تشریف لے گئیں، راستے میں دیوار سے ٹکر لگی، وہاں غشی ہو گئی، اور گر پڑیں، تمام جسم پسینے پسینے ہو گیا. آنکھوں سے بھی بہت پسینہ نکلا، ہوش آیا، تو خدا کی قدرت سے دونوں آنکھیں کھل گئیں اور نظر آنے لگا. حضرت میاں جی صاحب کی دعا کا یہ اثر ہوا. یہ کرامت تھی میاں جی صاحب کی. صـ ۱۳۲ امثال عبرت حصہ دوم

حکایات حضرت مولانا مملوک العلی صاحب محدث نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ، مولانا مملوک علی صاحب جو کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد اور مولانا رشید احمد صاحبؒ و مولانا محمد قاسم صاحب کے استاد ہیں، دہلی میں دار البقا سرکاری مدرسہ تھا، اس میں ملازم تھے، دہلی سے نانوتہ جاتے ہوئے راستے میں کاندھلہ پڑتا تھا مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل کر جایا کرو. مولانا مملوک علی صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تکلف نہ کرنا، صرف ملنے کے لیے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا، چنانچہ گاڑی راستے ہی میں چھوڑ کر ملنے آتے. مولانا اول یہ پوچھتے کہ کھانا

کھا چکے، یا کھاؤ گے اگر کہا کہ کھا چکا، تو پھر کچھ نہیں اور اگر نہ کھائے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا تو پوچھتے کہ رکھا ہوا لا دوں، یا تازہ پکوا دوں۔ چنانچہ ایک بار یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لا دو، اس وقت ایک دفعہ صرف کھچڑی کی کھرچن تھی، اسی کو لے آئے اور کہا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی، انھوں نے کہا: بس یہی رکھ دو۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحبؒ ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔ ص۳۰۵ م۴۹۲ حسن العزیز جلد اول

(۲) فرمایا کہ: پہلے سارے علماء صوفی ہی ہوتے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد مولانا مملوک علی صاحب' خوش لباس تھے۔ انھیں حکام سے ملنا ہوتا تھا۔ ایک شخص نے ان کو ایک ادھوتر کا کرتہ دیا کہ اس کو آپ جمعہ کے دن پہن کر نماز پڑھیں۔ چنانچہ انھوں نے جمعہ کے دن اس کو پہنا۔ سارے کپڑے تو قیمتی، پاجامہ بسر کا دوپٹہ تو بڑھیا اور کرتہ دھوتر کا۔ اسی طرح جامع مسجد تشریف لے جاکر نماز پڑھی۔ پھر حضرت والا (سیدی و مرشدی حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ کیا اس کے پہننے سے ان کی کچھ عزت کم ہوگئی۔ ص۴۱ م۱۱۰ جلد دوم حسن العزیز۔

(۳) فرمایا کہ: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد صاحب استاد العلماء حضرت مملوک علی صاحب کے واسطے ایک شخص ادھوتر کا کرتہ لایا۔ حضرت نے فوراً پہن لیا، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا کہ وہ خوش ہوگا۔ ہمارے حضرت ہ یہ یہ سمجھ کر قبول کرتے تھے کہ اس کی دلجوئی ہوگی۔ ص۵۱ امثال عبرت حصہ دوم

(۴) (مولانا مظفر حسین صاحب نے) مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے فرمایا جن کا قیام دہلی میں رہتا تھا کہ مولانا جب آپ وطن جایا کریں، تو راستے میں مجھ سے مل کر جایا کریں۔ مولانا نے کہا: اچھا لیکن میری منزل میں حرج نہ ہوا کرے، انھوں نے کہا: نہیں جیسا آپ فرماتے ہیں؛ ویسا ہی ہوگا۔ ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ مولانا دہلی سے نانوتہ جا رہے تھے۔ راستے میں مولوی

مظفر حسین صاحب سے ملنے کے لیے ٹھہرے۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے حسب معمول پوچھا، کھانا کھا لیا ہے۔ یا کھ گے انہوں نے کہا کھائینگے مولوی صاحب نے کہا تازہ تیار کراؤں یا جو رکھا ہے وہی لے آؤں، انہوں نے کہا کہ جو رکھا ہوا ہو، وہی لے آئیے مولوی صاحب ایک مٹی کے برتن میں کھچڑی کی کھرچن لے آئے اور کہا کہ رکھا ہوا تو یہ ہے۔ بس وہ اسی کو کھا کر رخصت ہو گئے۔ بتائیے اس میں آرام ہے یا ان رسُوم میں جس کے آج کل لوگ پابند ہیں اور جس کو تہذیب اور خاطرداری کہا جاتا ہے۔ ان حضرات کا خود بھی معمول یہی تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب جہاں جاتے، فوراً کہہ دیتے میں تمہارا مہمان ہوں، ایک دن ٹھہروں گا، یا دو دن ص ۲۷ حسن العزیز جلد چہارم

حکایات حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ

(۱) فرمایا کہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب بہت بڑے شخص تھے۔ گنگوہ میں مولانا (رشید احمد صاحب) سے ملے۔ چلنے کے وقت انھوں نے عرض کیا کہ گھر کھانا تناول فرما لیجئے۔ فرمایا کہ بھائی دُور کا سفر ہے۔ منزل کھوٹی ہوگی۔ مولانا نے عرض کیا کہ جو کچھ رکھا ہوا ہے، وُہی سہی۔ مولانا راضی ہو گئے اور فرمایا کہ بس وُہی لے آنا، جو گھر میں موجود ہو۔ گھر میں باسی روٹی اور دال رکھی، مولانا وُہی ہاتھ پر رکھ کر لے آئے، دال بھی روٹی ہی پر تھی۔ پھر نہیں معلوم مولانا مظفر حسین صاحب نے کھائی یا باندھ لی۔ پھر حضرت حکیم ضیاالدین صاحب سے رامپور میں مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں، انھوں نے کہا کہ ہاں حضرت بہت اچھے آدمی ہیں، اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں، فرمایا اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں! بہت ہی اچھے آدمی ہیں، پھر فرمایا کہ اجی تم سمجھتے تو ہو نہیں، ایسے اچھے ہیں کہ بہت ہی اچھے۔ پھر حکیم صاحب نے پوچھا کہ حضرت کیا خاص بات ہوئی۔ فرمایا کہ کیا کہوں، انھوں نے تھوڑا سا ناشتہ کرنے کے لیے راستے میں مجھ سے کہا: میں نے کہا کہ جو کچھ گھر میں

موجود ہولے آؤ، اُنھوں نے باسی روٹی اور دال لاکر دے دی، سُبحان اللہ کیسے اچھے آدمی ہیں۔ صنہ ۳۰۶ م ۴۹۲ حسن العزیز جلد اول

(۲) فرمایا کہ ایک مرتبہ نانوتہ میں مولانا مظفر حسین صاحب تشریف لائے۔ وہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب موجود تھے، فرمایا: بھائی ایک مسئلے میں تردد ہے، مَیں نے سُنا تھا کہ سب صاحبزادے جمع ہیں اس لیے مسئلہ پوچھنے آیا ہُوں، وُہ مسئلہ یہ ہے کہ چلتی ریل میں نماز پڑھنے میں علما اختلاف کرتے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں، بس تم لوگ آپس میں گفتگو کر کے ایک منقح بات بتلادو کہ جائز ہے یا نہیں؟ مَیں دلائل نہیں سُنوں گا، چنانچہ سب حضرات نے آپس میں گفتگو کی۔ مولانا نے اِدھر التفات بھی نہیں فرمایا، گفتگو کر کے ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت طے ہو گیا، جائز ہے۔ فرمایا اچھا تو پھر مَیں جاتا ہُوں، عجب شان کے لوگ تھے۔ صنہ ۳۰۶ م ۴۹۲ حسن العزیز جلد اول

(۳) فرمایا کہ مولوی مظفر حسین صاحب نے دُوسرا نکاح کر لیا تھا، تو ان کی پہلی بی بی ان کو گھر میں نہیں آنے دیتی تھیں۔ مولانا تشریف لاتے تو اندر کے کواڑ بند کر لیتی تھیں۔ مولانا ڈیوڑھی میں نماز میں مصروف ہو جاتے اور شب بھر قیام فرما کر صبح کو تشریف لے جاتے اور چلتے وقت فرماتے کہ بیگم تم چاہے کواڑ کھولو یا نہ کھولو، مَیں تو حاضری دے چلا۔ صنہ ۴۰ م ۱۱۲ حسن العزیز جلد دوم۔

(۴) فرمایا، مولوی مظفر حسین صاحب جب سواری میں بیٹھ جاتے تھے، تو پھر کسی کا خط تک نہیں لیتے تھے اور یہ فرما دیتے تھے کہ بھائی! اس سے (یعنی گاڑی والے سے) اجازت لے لو، کیونکہ یہ خط میرے سامان سے زائد ہے۔ صنہ ۵ م صنہ ۱۴۴ جلد مذکور۔

(۵) فرمایا کہ شب برات کے دن ایک شخص فلاں بزرگ کی خدمت میں حلوا لائے اُنھوں نے لیا۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا آپ نے کیسے لے لیا، ان بزرگ نے فرمایا

کہ پکانا ناجائز ہے، کھانا تو جائز نہیں (فی نفسہٖ تو جائز ہی ہے) مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ جب تم لینے سے نہیں رکو گے تو عوام الناس پکانے سے کس طرح رکیں گے۔ ص ۲۱۹ م ۵۰ جلد مذکور۔

(۶) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ سے بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس وقت تک ایمان نہیں ہوتا، جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی اولاد اور ماں باپ سے زیادہ محبت نہ ہو اور ہم کو بظاہر اس درجہ کی محبت نہیں معلوم ہوتی، فرمایا کہ نہیں، ہر مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی ہی محبت ہے، وہ لوگ سمجھے کہ مولانا صاحب نے ٹال دیا، پھر مولانا صاحب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک شروع کیا، وہ لوگ رغبت سے سنتے رہے، پھر درمیان میں مولانا صاحب نے ان لوگوں کے آباء کی مدح شروع کی، تو وہ لوگ متنفر ہوئے اور پھر ذکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی، مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ دلیل ہے تم پر محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب ہونے کی کہ حضور کے ذکر کے مقابل، آبا کا ذکر پسند نہ کیا۔ ص ۳۹ ملفوظات خبرت حصہ سوم

(۷) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب (میں نے مولانا کو نہیں دیکھا) اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے کہ تہجد سفر میں بھی ناغہ نہ ہوتا، اس وقت ریل نہ تھی، سفر بیل گاڑی میں ہوا کرتے تھے، بہلی میں جاتے، تو اور لوگ بھی ساتھ ہوتے، راستہ میں تہجد پڑھتے، مگر بہلی کو نہ ٹھہراتے، اس خیال سے کہ رفقاء کا راستہ کھوٹا ہوگا، بلکہ تہجد کو اس طرح پورا کرتے کہ بہلی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے، پھر آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح تہجد پورا کر لیتے۔ ص ۱۶۱ م حسن العزیز جلد چہارم

(۸) فرمایا کہ ایک قصبہ بڈولی ہے، ایک دفعہ مولانا (مظفر حسین صاحب) وہاں کی سرائے میں ٹھہرے، برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا۔ اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے، مولانا کی اس سے بات چیت ہوتی رہی۔ جیسا کہ سفر میں عادت

کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں، اُس نے پُوچھا: میاں جی کہاں جاؤ گے۔

مولانا نے سب بتا دیا کہ فلاں جگہ، فلاں راستے سے جاؤں گا۔ اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر رَوانہ ہو گئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کپڑے اُتار لیے۔ بنیا اُٹھا، تو دیکھا کہ کپڑے ندارد ہیں۔ بس اُس کی توجہ فنا ہو گئی، دیکھا کہ میاں جی بھی نہیں ہیں، جن سے رات بات چیت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا: ہو نہ ہو وُہی لے گئے، یہ کوئی ٹھگ تھا۔ وُہ سیدھا اسی راستے پر روانہ ہُوا، جس پر مولانا نے جانے کا ارادہ بیان کیا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے، بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کی، مولانا نے کہا کیا ہے۔ کہا: پُوچھتا ہے کیا ہے۔ لا کپڑے کہاں ہیں۔ مولانا نے کہا بھائی: مَیں نے تیرے کپڑے نہیں لیے، کہا: ان باتوں سے کیا چھُوٹ جاوے گا، مَیں تجھے تھانہ لے چلوں گا، کہا مجھے کچھ عذر نہیں، مَیں تھانہ بھی چلوں گا، غرض وُہ مولانا کو پکڑے ہُوئے جھنجھانہ کے تھانہ میں پہنچا۔ اتفاقاً تھانیدار مولانا کا بڑا معتقد تھا، اُس نے دیکھا کہ مولانا آ رہے ہیں، کھڑا ہو گیا اور دُور ہی سے دیکھ لیا۔ یہ دیکھ کر بنیے کے ہوش خطا ہُوئے کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں اور ڈرا کہ اب جُوتے پڑیں گے۔ مگر مولانا اس سے کہتے ہیں: بھاگ جا، بھاگ جا۔ تجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تھانے دار نے مولانا سے پُوچھا، یہ کون تھا، کہا: تُم اسے کچھ نہ کہو، جانے دو، اِس کی چیز کھوئی گئی، اس کی تلاش میں آیا تھا، دیکھیے کیا بے نفسی ہے، لُطف یہ کہ نرا عفو نہیں بلکہ مولانا اس کے احسان مند بھی ہُوئے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مجھے بڑا نفع ہُوا جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں اور میرے ہاتھ پیر چُومے جاتے ہیں، تو مَیں نفس سے کہتا ہُوں، تُو وُہی تو ہے، جس کے ایک بنیے نے دھول لگائی تھی، بس اس سے عجب نہیں ہوتا۔ صـ ۱۹۲ ....

حسن العزیز جلد چہارم۔

۵۔ فرمایا کہ: مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کے یہاں جب کوئی مہمان آتا، تو پُوچھ لیتے کہ کھانا کھا کر آئے ہو۔ یا یہاں کھاؤ گے۔ اگر اُس نے کہا: یہاں کھاؤں گا، تو پُوچھتے کہ

تازہ پکوالیا جائے۔ یا رکھا ہوا کھاؤ گے۔ اگر ہم سے کسی نے کہا کہ تازہ کھاؤں گا، تو پوچھ لیتے۔ کہ کونسی شے مرغوب ہے، جو چیز مرغوب ہوتی، وہی پکوا دیتے۔ یہ کس قدر آرام دہ بات ہے۔ صہ ۲۷۰ حسن العزیز جلد چہارم۔

حکایات جناب مولانا شاہ فضل الرحمٰنؒ صاحب گنج مرادآبادیؒ

(۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں بیمار ہوا اور ڈرا کہ کہیں مر نہ جاؤں، مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے، پھر آرام ہونے کے بعد فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خواب میں تشریف لائیں اور اُنھوں نے مجھے سینے سے لگالیا... اچھا ہو گیا، بعدہٗ حضرت قبلہ (سیدنا مولانا و مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ پہلے آدمی کیسے سچے اور سیدھے سادے ہوتے تھے، کوئی بات بنا کر نہیں کہتے تھے، اصلی بات ظاہر کر دیتے تھے۔ نہ کسی بات کا دعوے کرتے تھے، آجکل تو لوگ کہدیتے ہیں کہ کیا پرواہ ہے مرنے کی۔ موت تو وصل ہے مرنے سے کیا ڈرنا۔ صہ ۶۶ م ۲۳۱ حسن العزیز جلد دوم۔

(۲) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب بہت بھولے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے، کہ جب ہم جنت میں جاویں اور حوریں ہمارے پاس آویں گی، تو ہم تو صاف کہدیں گے... بی، اگر قرآن پڑھو تو بیٹھ جاؤ، وَرنہ جاؤ۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو نماز میں مزہ ہے، وہ نہ کوثر میں ہے، نہ اور کسی چیز میں ہے، جب نماز میں سجدہ کرتا ہوں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے پیار کر لیا۔ صہ ۹۴ ۳۰۱ حسن العزیز جلد دوم

(۳) فرمایا کہ جب شاہ صاحب (مولانا فضل الرحمٰن صاحب) شیرخوار تھے، تو اپنی دائی کو ایسی جگہ جہاں ڈھولک وغیرہ بجتی ہو، نہیں بیٹھنے دیتے تھے، خوب رونا پیٹنا مچاتے تھے اور اُن کو اُٹھا کر چھوڑتے تھے (صہ ۹۴ جلد مذکور)

(۴) فرمایا کہ، ایک مرتبہ حیدرآباد کے وزیر حاضر خدمت ہوئے، فرمایا: نکالو، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! وزیر ہیں، فرمایا: ارے میں کیا کروں، وزیر ہیں تو کیا میری تنخواہ مقرر ہے، ان بگے یہاں سے۔ پھر ۲ بجے رات تک ٹھیرنے کی اجازت دی، وزیر نے بُرا نہیں مانا، بلکہ لوگوں نے کہا: صاحب ٹھیر جائیے، جواب دیا کہ بزرگوں کی حکم عدولی کرنی مناسب نہیں اور چلے گئے، ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ حضرت آنے والوں کے ساتھ ذرا تو اخلاق سے پیش آیا کیجئے۔ فرمایا ایک ایک آدمی کے ساتھ سَو سَو شیطان ہوتے ہیں، میں اس وجہ سے ان کو نکالتا ہوں، پھر حضرت والا (سیدنا و مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) صاحب ملفوظ نے فرمایا کہ مولانا کا کشف بڑھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ کا ترجمہ ہندی میں بتاؤ، پھر خود ہی فرمایا کہ اللہ کا ہندی ترجمہ "من موہن" ہے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری۔ ص ۹۴ جلد مذکور۔

(۵) فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب میں تصنع بالکل نہیں تھا، جیسے معصوم بچہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت تھی۔ ص ۱۳۰ م ۲۴۷ جلد مذکور۔

(۶) فرمایا کہ میں نے (یعنی سیدنا و مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) سُنا ہے کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قطب التکوین تھے، اس لیے مولانا سے تکوینیات میں لوگوں کو زیادہ نفع ہوا ہے اور اسی قسم کے لوگ مولانا کے پاس زیادہ جایا کرتے تھے واللہ اعلم یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب قطب الارشاد تھے اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے مولانا کی زیارت کی ہے۔ ایک مرتبہ شب بھی رہا تھا اور ایک مرتبہ تین دن تک رہا تھا۔ مولانا نے خود ہی مجھے روک لیا تھا، مولانا کے یہاں دنیاداروں کی خوب گت بنتی تھی۔ بہت لتاڑیں پڑتی تھیں، حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ وہ قطب ہیں۔ ص ۳۶ م ۹۴ مزید المجید

(۷) فرمایا ایک مرتبہ مولانا کے یہاں ایک غیر مقلد مولوی صاحب آگئے کہ دیکھوں مولانا

سُنّت کے پابند ہیں، یا نہیں، جب ہی جاکر مسجد میں بیٹھتے ہیں اور مولانا نے آڑے ہاتھوں لیا کہ تم نے تحیۃ المسجد تو پڑھی نہیں، دیکھو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھو اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا بہت ہی متبع سُنّت تھے۔۔ حدیث بھی پڑھایا کرتے تھے، مگر کوئی ضابطہ نہیں تھا، کبھی فرمایا کہ بھائی بخاری شریف اٹھا لاؤ، کبھی فرمایا کہ طحاوی شریف اُٹھا لاؤ۔ صہ ۳۹ مزید المجید

(۸) فرمایا کہ میرے ایک ہموطن جو کہ اِس وقت انگلستان میں ہیں، وُہ مجھ سے نقل کرتے تھے کہ میں ایک وقت باندہ میں تھا، وُہ انگریزی میں بڑے ذی استعداد ہیں اور نوکری میں ایسے خوش اقبال کہ جب کوشش کی، فوراً ہی چار پانسو کے نوکر ہو گئے، مگر بے استقلالی کے سبب ان کو کبھی نوکری سے انتفاع نہیں ہُوا، غرض ذکی بہت ہیں، مگر علم دین سے واقف نہیں، اس لیے یہ واقعہ ہوا کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی تاریخ دیکھ رہے تھے اور رمضان کا روزہ بھی تھا، اس میں تھا کہ ایک جگہ گئے اور کسی کافر بادشاہ کے پاس پیام بھیجا کہ یا اسلام لاؤ، یا جزیہ دو۔ ورنہ قتال ہے، ان کو شبہ ہوا کہ بس اسلام کی یہ قیمت ہے، کہ بجائے اسلام کے جزیہ پر راضی ہو گئے، حالانکہ اسلام کی تو وُہ قیمت ہے کہ ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ محض شریعت کی رحمت عامہ ہے کہ اسلام پر جبر نہ کر کے جزیہ قبول کر لیا اور ان لوگوں کے حقوق برابر رکھے اور یہ شبہ ایسا بڑھا کہ اسلام کی حقانیت ہی کا انکار دل میں جم گیا پھر خیال آیا کہ جب اسلام ہی کچھ نہیں ہے تو روزہ کیا چیز ہے۔ آخر پانی پی لیا۔ اس کے بعد رنج ہوا کہ اسلام بہت مدت کا رفیق تھا، شام کو حسبِ معمول ایک دوست کے پاس پہنچے انھوں نے افطار میں شرکت کے لیے بلایا، تو انھوں نے کہا کہ میری ایسی حالت ہے کہ اگر تم کو معلوم ہو جائے تو پاس بھی نہ بٹھلاو، انھوں نے کہا: بیش بریں نیست کہ تم کافر ہوگئے ہوگے تو وُہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے، باقی اس کا اثر باہمی دوستی پر کیوں ہو جبکہ

تالیف کہا جب کھا پی چکے۔ انھوں نے حقیقت پوچھی، معلوم ہونے پر کہا کہ ہماری خاطر سے تم مولانا فضل الرحمن صاحب سے مل لو، یہ ہنسے کہ مولوی صاحب بجز قرآن و حدیث کے ان حقائق فلسفیہ کو کیا جانیں اور میرے شبہات کا کیا جواب دیں گے، مگر جس چیز کے نہ جاننے کو یہ نقص سمجھ رہے ہیں، وہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنم

یہ شعر میں نے خود (یعنی پیر و مرشد حکیم الامت جناب مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے) شاہ فضل الرحمن صاحب کی زبان سے سنا ہے، حقیقت میں علم تو وہی ہے ایک صوفی فرماتے ہیں:

علم نبود غیر علم عاشقی
ما بقی تلبیس ابلیس شقی

اور وہی کہتے ہیں:

ایہا القوم الذی فی المدرس
کلما حصلتموہ وسوسہ

بس یہ تو اپنے اس علم پر فخر کرتے ہیں۔ مگر عام لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں کہ یہ کیا جانیں سوائے قرآن و حدیث کے۔ حالانکہ تمام دنیا کے فلسفی قرآن و حدیث کے آگے گرد ہیں، آخر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بڑے بڑے فلسفی آئے، مگر سب ساکت تھے۔ غرض انھوں نے غایت تحقیر سے کہا کہ مولانا کیا جانیں، انھوں نے کہا کہ تم میری ہی خاطر سے جاؤ تو سہی، انھوں نے کہا کہ خیر تمہاری خاطر سے چلا جاؤں گا آخر گئے اور ادب کے سبب رستہ پیدل قطع کیا اور اسی حالت ہجوم اعتراضات میں پہنچے اور خوب منصوبے سوچ رکھے تھے کہ یہ کہوں گا، وہ کہوں گا، جا کر کہا: السلام علیکم مولانا نے سلام لے کر فرمایا: بولو کیا شبہ ہے بیان کرتے تھے کہ اب جو اعتراض سوچتا ہوں، اس کا جواب ذہن میں موجود۔ اب مولانا تقاضا فرما رہے ہیں اور یہ گم سم حیران خلاصہ یہ کہ کچھ بھی نہ رہا۔ قلب صاف ہو گیا، آخر میں انھوں نے عرض کیا کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے عمل میں تو بڑی بڑی کوتاہیاں

ہوتی ہیں، لیکن عقائد کے متعلق کبھی کوئی وسوسہ تک اُس روز سے نہیں آیا۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال   مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

یہ برکت ہے اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی۔ نفی الحرج ص ۱۶

(۹) مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ایک مرید نے کہا کہ حضرت اب تو ذکر میں لذت نہیں آتی فرمایا کہ پرانی بیوی اماں ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ اول اول تو اس میں لذت ہوتی ہے، مگر فوائد اخیر میں بڑھتے ہیں کہ مونس ہوتی ہے۔ خدمت گزار ہوتی ہے۔ عضل الجاہلیہ۔ دعوات عبدیت حصہ ششم ص ۳

(۱۰) مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ ذکر میلاد نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں، پھر کلمہ شریف پڑھ دیا اور فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کون پڑھتا، یہ لوگ حقیقت شناس ہیں مگر لوگ بے سوچے سمجھے اعتراض کر بیٹھتے ہیں، اُس نے پھر کہا کہ بلا واسطہ بھی تو ذکر رسول ہونا چاہیئے، فرمایا: وہ بھی ابھی کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھ دیا۔

تہوئی باراں سے سوکھی نہیں   یعنی آئے رحمۃ اللعلمین

مطلب یہ کہ مولانا نے بلا قید رسوم ذکر کر کے دکھلا دیا، غرض ذکر رسول کی جو حقیقت ہے ہم الحمد للہ اس سے کسی وقت بھی خالی نہیں، اور کبھی کبھی بلا واسطہ رسوم و منکرات سے احتراز کر کے ہم حضور کا ذکر کر لیتے ہیں، کیونکہ یہ بھی اعظم مستحبات سے ہے۔ یہ گفتگو تو ان لوگوں سے تھی، جو ذکر رسول میں غلو سے کام لیتے ہیں اور اگر کوئی شخص مطلقاً اس ذکر کا انکار کرے گو منکرات سے خالی بھی ہو تو اس کا مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی طرح معالجہ کیا جاوے گا۔ اس کا بھی واقعہ ہے، کسی نے آپ سے کہا کہ ہم نے مانا کہ ذکر رسول اچھا ہے، مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جی ہاں نہ معلوم اللہ تعالیٰ کو مریم و ابن مریم علیہم السلام کے ذکر کیا ضرورت تھی اور موسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کے ذکر کی کیا ضرورت تھی، کہ قرآن مجید

میں جا بجا نہایت تاکید و تکرار سے آیا ہے۔ ارشاد ہے: **واذکر فی الکتب مریم۔ واذکر فی الکتب موسی۔ واذکر فی الکتب ابراھیم۔** کہ خود بھی ذکر فرماتے ہیں اور حضورؐ کو بھی ذکر کا امر فرماتے ہیں۔ بتلاؤ اس کی کیا ضرورت تھی۔ بزرگوں کے کلام میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جس طرح مصلحت کی وجہ سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام و ابراہیمؑ موسیٰ علیہم السلام کا ذکر قرآن شریف میں ہے، اسی طرح بعض مصالح کی وجہ سے ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کی بھی ضرورت ہے اور اس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب حضورؐ کا پیدا ہونا، بچہ ہونا، بڑھنا وغیرہ معلوم ہوگا تو اس کے بعد حضورؐ پر الوہیت کا احتمال و وسوسہ پیدا نہ ہوگا۔ یہی مصلحت قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کے ذکر میں بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ سے اس طرح پیدا ہوئے، تو ان کی الوہیت کا دعوےٰ جو نصاریٰ کرتے ہیں، وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر حضورؐ کی ولادت کا بھی ذکر کرو تو ان حکمتوں کی وجہ سے کرو کہ حضورؐ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، دودھ پیا، پھر بڑے ہوئے کھاتے پیتے بھی تھے اور وفات بھی پائی۔ یہ سب حالات بتلا رہے ہیں کہ آپ الٰہ نہیں، بلکہ بشر ہیں۔ بس ان حالات وغیرہ کے ذکر کے ساتھ اس سے نتائج نکالے جاویں۔ انتہیٰ ملخصاً، سلسلہ التبلیغ وعظ ۱۳۹ الرحمۃ علی الامۃ صہ ۹

حکایات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ

از حسن العزیز جلد اوّل

(۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر وساوس دفع نہ ہوں تو ان کو بھی مراۃ جمال خداوندی بنالیوے اور سوچے کہ اللہ اکبر حق تعالےٰ نے قلب کو بھی کیسا بنایا ہے کہ کتنا ہی روکا جائے۔ مگر وساوس سے رُکتا ہی نہیں۔ کیا شان ہے، غرض ہر چیز

کو مظہر ذات و صفات حق تعالےٰ تصور کرے۔

ہر کہ بینم در جہاں غیرے تو نیست   یا توی یا خوئے تو یا بوئے تو

ملفوظ ۸۱ ص ۵۵

(۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے اگر کوئی شخص ذکر و شغل کا نفع ظاہر کرتا، تو فرماتے کہ بھائی استعداد تو تمہارے اندر خود موجود تھی، میرے ذریعے سے صرف ظاہر ہو گئی ہے لیکن تم ایسا مت سمجھنا تم یہی سمجھنا کہ مجھ ہی سے تم کو یہ نفع پہنچا ہے۔ ورنہ تمہارے لیے مضر ہوگا۔ اس سے اعلیٰ درجہ کی شان ارشاد حضرت کی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ شان اہل مقام ہی کی ہوتی ہے کہ ہر پہلو پر نظر رہے۔ ورنہ اہل حال ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں دوسرے پہلو پر ان کی نظر ہی نہیں جاتی۔ ص ۵۸ ملفوظ ۸۲

(۳) حضرت حاجی صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پینا چاہیئے کہ ہر بُن مو سے الحمد للہ نکلے ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہے گی، لیکن دل شریک نہ ہوگا، پھر حضرت نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی بھی عجیب شان تھی، فرماتے تھے۔ کہ جاہ عند الخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے، لیکن جو لوگ عارف ہیں ان کے نزدیک جاہ عند الخالق کا بھی قصد کرنا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ یہ شخص حق تعالےٰ کے نزدیک کبیر بننا چاہتا ہے تو گویا یہ اپنے نزدیک ایسی شان رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نظروں میں بھی باوقعت ہو سکے۔ پھر ہمارے حضرت مولانا مدظلہم العالی نے فرمایا کہ یہ تو حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے اور اس کی ایک مثال میرے ذہن میں آئی ہے، جس سے اس مضمون کی بابت پورا شرح صدر ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک معشوق فرض کیجئے کہ جو دنیا بھر کے حسینوں سے بڑھ کر حسین و جمیل ہو اور اس کے مقابلے میں اس کا ایک عاشق تصور کیجئے جس سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی بدشکل اور بھونڈی صورت کا نہ ہو۔ یعنی جو اندھا، لُنجہ، گنجہ، کھدرہ، ہر طرح بھنڈی بھانت کا، ناک بھی پچکی ہوئی، ہونٹ بھی موٹے موٹے دانت باہر کو نکلے ہوئے کالا

بھجنگ چیچک کے گہرے گہرے داغ چہرے پر۔ غرض کوئی عیب نہیں، جو اس میں موجود نہ ہو۔ اب ایسا شخص اگر عمل حُب کراتا پھرے کہ کسی طرح اس کا حسین معشوق خود اس کے اُوپر عاشق ہو جائے تو کیا لوگ اس کو پاگل نہ سمجھیں گے؟ اور کیا اس کی اِس آرزو کو خلل دماغ ہی نہ بتلائیں گے؟ اس سے بھی کہیں بڑھ کر تفاوت حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی شان اور ایک بندے کی شان میں ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب میں عبدیت بے حد غالب تھی۔ اپنے آپ کو فاسق و فاجر سے بھی زیادہ بُرا سمجھتے تھے۔ نزول کامل حاصل تھا۔ ایسے شخص سے فیض ارشاد بہت زیادہ جاری ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ قول تو بطور کلیہ کے تھا۔ ایک واقعہ جزیہ بھی یاد پڑا جو حضرت کی شان عبدیت کو ظاہر کرتا ہے اور جس سے حاضرین پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی تھی، ایک مرتبہ کسی نے ایسے عمل کی درخواست کی جس سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہو جاوے حضرت نے فرمایا کہ بھائی، تم بڑے درجہ کے لوگ ہو۔ تمہارے بڑے حوصلے ہیں کہ حضرت کی زیارت کی تمنا ہے۔ ہم کو تو اگر حضرت کے گنبد خضرا ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اسی کو ہزار غنیمت سمجھتے ہیں، کیونکہ ہم تو ایسے بھی نہیں کہ حضرت کے روضۂ مبارک کی زیارت کے قابل ہوں، تمہارے حوصلے بڑے ہیں کہ خود حضرت کی زیارت کی تمنا ہے، ہمارا تو خیال بھی اتنی دُور نہیں جاتا۔ ص۳

(۴) فرمایا کہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری جو حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ و حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اُنکے قطع علائق دنیا کے بابت ایک دیہاتی نے حضرت حکیم صاحب کے والد سے جو کہ خود بھی حکیم تھے، کہا کہ حکیم جی تمہارے …… بیٹے کا بھی بڑا افسوس ہے۔ ایک دُوسرا دیہاتی بولا کہ ہاں جی ہاں یہ بُری صحبت ایسی ہی ہو ہے (ہوتی ہے) اسی واسطے بزرگوں نے روکا ہے۔ پھر فرمایا کہ نعوذ باللہ گویا حضرت حافظ صاحب و حضرت حاجی صاحب

کی صحبت بُری تھی، لاحول ولاقوۃ۔ یہ وہی ہوا جیسا کہ میرے ماموں شوکت علی صاحب تھانہ بھون کی ایک حکایت سناتے تھے کہ ایک مرتبہ سب لوگ عید کا چاند دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت ایک عورت اپنے بچے کو پاخانہ کرا رہی تھی، کپڑے سے پونچھ پانچھ کر وہ بھی چاند دیکھنے لگی۔ انگلی میں پونچھتے وقت کچھ نجاست لگی ہوئی رہ گئی تھی، جیسا کا اکثر عورتوں کا دستور ہے۔ وہ اپنی پاخانہ میں بھری ہوئی انگلی ناک پر رکھ کر چاند دیکھ رہی تھی پاخانے کی جو بو محسوس ہوئی تو کیا کہتی ہے کہ اوئی اب کے یہ سڑا ہوا چاند کیسا نکلا ہے۔ بو تو تھی اس کی انگلی میں اور تہمت لگائی چاند کو۔ حالانکہ چاند تو چاند ہی تھا، اس میں بو کہاں؟ اسی طرح اس کمبخت گنوار نے ایسی پاکیزہ صحبت کو بھی برا سمجھا، حالانکہ برائی خود اسی کے اندر موجود تھی، جس سے اچھی صحبت میں بھی اس کو برائی ہی نظر آئی۔ ص۹۴/ ملفوظ ۱۳۱

(۵) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ آپ کی خدمت میں مولوی معین الدین صاحب نے تھانہ بھون میں ایک ہرن شکار کر کے اس کی کھال بھیجی۔ جن کے ہاتھ بھیجی تھی۔ ان سے مولوی صاحب نقل کرتے تھے کہ جب وہ کھال آپ کے روبرو رکھی گئی۔ تو یوں فرمایا کہ اس میں تو بوئے وطن آتی ہے۔ سو واقعی وہ تھانہ بھون کا ہرن تھا، حاجی اللہ رکھا خود بیان کرتے تھے اور وہ کسی بزرگ کے معتقد نہ تھے۔ اس لیے ان کی روایت بہت معتبر ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب میں مکہ معظمہ گیا، تو حاضرِ خدمت ہوا، مجمع میں پاس جا کر ملنا خلاف ادب تھا، اس لیے چپکے سے جا کر الگ ایک کنارے پر بیٹھ گیا کہ مجمع متفرق ہونے کے بعد مل لوں گا فوراً فرمایا کہ اس وقت بوئے وطن آتی ہے، کوئی تھانہ بھون کا، تو اس مجلس میں نہیں ہے، اس وقت میں نے عرض کیا کہ میں ہوں، حضرت نے ان کو کہیں بچپن میں دیکھا ہو تو دیکھا ہو ابی اس عمر میں تو بالکل نہیں پہچان سکتے تھے، حضرت نے ان کو سینے سے لگا لیا اور پوچھا کہ کس کے لڑکے ہو، میاں کہیں اس طرح بے ملے بھی بیٹھ جایا کرتے ہیں، اطلاع تو کر دیتے۔ یہ قصہ وہ خود مجھ سے بیان فرماتے تھے۔ ص۱۳۳م ۱۸۹

(۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب ہی کی بدولت حق واضح ہوا، حضرت حاجی صاحب ہی کی بدولت یہ علم ہوا کہ شریعت ہی کی حقیقت کا نام درویشی ہے، جیسے کوئی حسین محبوبہ گھونگٹ نکالے بیٹھی ہو، اگر کوئی اس کے گھونگٹ کو اٹھا دے، تب اس کے حسن و جمال کی کیفیت یہ ہو کہ جو دیکھ لے، وہی اس پر نثار ہونے لگے۔ ص ۱۵۳ ملفوظ ۲۳۹

(۷) فرمایا کہ ایک شیخ بہت ہی کم گو تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں، لوگوں کو فیض سے محروم کرتے ہیں، خبر بھی ہے، شیخ زبان ہوتا ہے اور مرید کان۔ اس پر ان کو تنبہ ہوا، پھر کلام فرمانے لگے، ان کے مرید حضرت حاجی صاحب کو بہت دعائیں دیتے تھے۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عارف سے زیادہ گوئی کہاں ہو سکتی ہے، کیونکہ اسرار لاانتہا ہیں، ان کو جتنا بھی بیان کیا جاوے۔ زیادہ گوئی ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ ہمیشہ کمی ہی رہے گی، پس زیادہ گوئی کے عذر سے شیخ کو چپ نہیں رہنا چاہیے۔ ص ۹۴ ملفوظ ۲۴۳

(۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے ایک خادم تھے، جو شیعی سے سنی ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنا خواب حضرت حاجی صاحب سے بیان کیا کہ گویا میں مسجد میں قضائے حاجت کر رہا ہوں، فرمایا کہ تم کوئی عمل دنیا کے لیے مسجد میں بیٹھ کر کرتے ہو، اس سے مسجد ملوث ہوتی ہے۔ ص ۱۶۷ م ۲۶۳

(۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب امیر تمہارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ برا امیر نہیں رہا، وہ نعم الامیر ہو گیا، دنیا دار سمجھ کر اس سے ہرگز بے التفاتی نہیں کرنی چاہیے۔ ص ۱۷۰ م ۲۶۹

(۱۰) فرمایا کہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے، تم چلتے ہو۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں حضرت میں نہیں جا سکتا، کیونکہ میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں...

لوگ پسند بڑیں گے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی شان دیکھیے فرمایا: جزاک اللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا، جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ اگر اور کوئی پیر ہوتا تو سمجھتا کہ مریدی سے خارج ہو گئے۔ اس سے حضرت حاجی صاحب کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے، کہ مولوی میں نہ جانے کو پسند فرمایا، گو وہ خود تشریف لے گئے۔ اس قول اور فعل سے دونوں فریق اپنا اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں۔ حضرت کا عجب رنگ تھا، تصرف غالب تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھ کو اپنے رنگ کا سمجھتا ہے، حالانکہ میرا کوئی رنگ نہیں میری مثال پانی کی سی ہے کہ جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا جاوے، اس کا وہی رنگ معلوم ہوتا ہے، سرخ بوتل میں بھر دیا جاوے تو اس کا رنگ سرخ نظر آتا ہے اور سبز بوتل میں سبز دکھلائی دیتا ہے۔ اور خود اس کا دیکھو تو کوئی بھی رنگ نہیں۔ اس میں ایک اطلاق کی شان ہے، احقر عرض کرتا ہے کہ اس مضمون پر کہ ہر شخص اپنے رنگ پر سمجھتا ہے۔ ایک واقعہ یاد آگیا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے جا بے حضرت سے کسی نکاح وغیرہ کا مشورہ لیا تھا، یا کچھ شکایت کی تھی کہ آپ نے دخل دے کر معاملہ خراب کر دیا، اس پر فرمایا کہ لوگ اپنے اپنے مذاق کے مطابق مجھ کو سمجھتے ہیں اور میرے اصلی مذاق کا کسی کو پتہ نہیں، پھر فرمایا، میں تو اکثر اپنی حالت پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من   وز درون من نجست اسرار من

ح ۱۷ م ۲۹۱

(۱۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے معتقد تھے اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی پر ترجیح دیتے تھے۔ مگر احتمال کے عنوان اور ادب کے پیرایہ میں فرماتے تھے کہ ممکن ہے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نزول حضرت شیخ اکبر سے اکمل ہوا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عروج افضل ہے نزول سے۔ ح ۱۷ م ۲۹۳

(۱۲) فرمایا کہ روح انسانی اہل کشف کے نزدیک مجرد ہے اور دوزخ جنت اجسام ہیں اور یہ دوزخ جنت بھی حق تعالیٰ کے دو بندے ہیں اور مومن ان سے افضل ہے بوجہ

فرمایا حضرت حاجی صاحب نے اسی اصل پر ایک مدعی عمل بالحدیث عالم سے تقریر کی تھی۔ ان عالم نے یہ کہا تھا کہ مدینہ طیبہ بقصد زیارت روضہ مقدس جانا بدعت ہے۔ ہاں مسجد کے قصد سے جائز ہے۔ حضرت نے فرمایا، سُبحان اللہ! مسجد کس کی بدولت مسجد ہوئی، حضورؐ ہی کی بدولت تو اس مسجد کی یہ فضیلت ہوئی۔ عجیب بات ہے کہ جس کی فضیلت بالعرض ہو اس کی نیت تو جائز ہو اور جس کی فضیلت بالذات ہو، اس کی نیت ناجائز ہو، پھر حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں، خدا ہدایت کرے، انھوں نے کہا کہ خدا اس باب میں ہدایت نہ کرے، حضرت نے فرمایا کہ نہیں یوں نہ کہنا چاہیئے ہم باوجود اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں، لیکن ہم تو ہمیشہ یہ دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ حق کی ہدایت کرے، صبح یہ گفتگو ہوئی، بعد ظہر کے حرم شریف میں ان کی جماعت کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی، وہ مولوی صاحب بھی پکڑے گئے، تلاشی لی گئی، کتابیں نکلیں، توبہ کرائی گئی اور توبہ کے سچے ہونے کی یہ علامت قرار دی گئی کہ مدینہ طیبہ کیلئے اُونٹ کرایہ کریں۔ ص۲۰۲ م ۲۴۶

(۱۳) حضرت بارہا فرما چکے ہیں کہ میں نے بہت سفر کیے ہیں، بہت جگہ گیا ہوں، لیکن جو سکون اور جمعیت اس مقام پر دیکھی، کہیں نہیں پائی، اس مسجد (یعنی مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) میں بہت عرصہ سے بزرگ رہتے چلے آئے ہیں، اس زمانے میں یہ دکانِ معرفت مشہور تھی۔ اخیر زمانے میں سب سے زیادہ برکت ہمارے حاجی صاحب کے قیام کی وجہ سے ہوگئی۔ رات دن ذکر اللہ ہوتا تھا، یہاں کی اینٹ اینٹ ذکر سے آشنا ہوگئی ہے۔ حضرت حاجی صاحب رات رات بھر روتے ہوئے اور اس شعر کو پڑھتے ہوئے گزار دیتے تھے۔

اے خدا، این بندہ را رسوا مکن گرم بدن ہم سترِ من پیدا مکن

احقر (خواجہ عزیز الحسن صاحب) عرض کرتا ہے کہ غالباً پیشتر سے بھی زیادہ آج کل اس مقام پر باغ و بہار کا عالم ہے، بے اختیار یہ شعر زبان پر آتا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین ست ہمیں ست و ہمیں ست، ہمیں ست

کیونکہ ۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را با کسے کارے نباشد

ص۲۱۱ م ج۲ ۳۶۲

(۱۴) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی جب یہاں (یعنی خانقاہ امدادیہ میں) تھے، تو حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مجھے رونا نہیں آتا اور ذاکرین پر بہت گریہ طاری ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہاں جی اختیاری بات نہیں، کبھی کبھی آنے بھی لگتا ہے، پھر تو یہ حالت ہوئی کہ جب مولانا ذکر کرنے بیٹھتے تو تاب نہیں ہوتی تھی، اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ پسلیاں ٹوٹنے لگتیں، عرض کیا کہ حضرت اب تو ہڈیاں پسلیاں ٹوٹی جاتی ہیں، فرمایا کہ ہاں یہ بھی عارضی حالت ہوتی ہے، جاتی بھی رہتی ہے، بس پھر گریہ وغیرہ سب جاتا رہا۔ مولانا نے پھر شکایت کی کہ حضرت اب رونا نہیں آتا، فرمایا پسلیاں ٹوٹ جاویں گی، کیا کروگے روکر۔ ص۲۱۳ م ۳۶۴

(۱۵) فرمایا کہ ایک قصاب تھے، نیک آدمی تھے، کیرانہ میں ایک مسجد میں رہتے تھے، خود مجھ سے بیان کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں مجھے بیٹھے بیٹھے یہی خیال آیا کہ خدا جانے حضرت حافظ صاحب کا رتبہ بڑا ہے یا حضرت حاجی صاحب کا۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے، کون چھوٹا، بے ادبی ہے.. خدا کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے، سب سے حسن عقیدت رکھنا چاہیے، اس کی تحقیق کی کیا ضرورت ۔

پیش اہل دل نگہدارید دل   تا نباشید از گمان بد خجل

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب خود بخود فرمانے لگے، بعضے آتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ اگر یہ بزرگ ہیں تو ہمارے دل کا حال بتلادیں کہ کیا ہے۔ فرمانے لگے: اول تو بزرگی کا دعوٰے کس نے کیا ہے۔ پھر بزرگی کے لیے کشف ضروری نہیں، پھر اگر بزرگ بھی ہو اور

کشف بھی ہو جاوے، تو یہ کیا ضروری ہے کہ تم کو بتلا بھی دیا کریں، بہت بڑی بات ہے۔ بزرگوں کے پاس خالی دل لے کر آنا چاہیئے تاکہ کچھ لے کر جاوے، پھر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ معلوم ہوتا تھا، اس مجلس میں کوئی ایسا ہوگا۔ ص ۲۲۶ م ۳۸۱

(۱۶) فرمایا کہ نقشبندیہ نے علوم بہت ظاہر کیے۔ چشتیہ کے یہاں علوم ولوم نہیں سوائے رونے چیخنے، مرنے کھپنے، جلنے گھلنے کے۔ بس یہاں تو سوز و گداز، شورش و مستی اور عشق ہی سے کام ہے، میں کہتا ہوں یہی جڑ ہے، تمام علوم کی۔ ان کا تو یہ مشرب ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

حضرت حاجی صاحب کو جامع پایا، عارف بھی تھے، عاشق بھی اور معروف بھی، ورنہ اکثر چشتیہ عارف تو ہوتے ہیں مگر معروف کم ہوتے ہیں، یہاں تدوین علوم کی کم ہوتی ہے، چشتیہ میں حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں تو کچھ علوم پائے جاتے ہیں۔ باقی اور بہت بڑے بڑے حضرات گزرے ہیں، حضرت بختیار کاکی رح حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے ملفوظات تو مدون ہیں، علوم بہت کم مدون ہیں، ہاں اس زمانے میں حضرت حاجی صاحبؒ نے علوم کو خوب کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے۔

ص ۲۱۷ م ۳۸۲

(۱۷) فرمایا کہ حضرت مولانا فخر نظامی ملاتی تھے، ایک بار جامع مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے۔ بڑھیا نے شربت پیش کہ بیٹا تیرے لیے بنا کر لائی ہوں۔ اسے پی لے، مولانا کا روزہ تھا، لیکن بلا تامل پی لیا، بعضوں نے کہا ہے کہ فرض روزہ تھا۔ واللہ اعلم! لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا کیا، فرمایا کہ بھائی روزہ توڑنا آسان تھا، دل توڑنے سے روزہ کی تو قضا بھی ہے۔ دل توڑنے کی قضا کہاں، مجھے ساٹھ روزہ کفارہ کے رکھنا آسان ہیں، اس سے کہ اس کا دل توڑتا۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے اس کی تحقیق سنی ہے۔ سبحان اللہ مجتہد تھے۔ فرمایا کہ فرض روزہ توڑنا تو کسی کی دل شکنی کے خیال سے جائز

نہیں، مگر مولانا مغلوب الحال تھے، اس وقت ان پر قلب کی حقیقت منکشف ہو گئی اور صوم کی حقیقت منکشف نہیں تھی۔ اگر حقیقت صوم بھی منکشف ہوتی تو ہرگز روزہ توڑنا گوارہ نہ کرتے کیونکہ حقیقت صوم، حقیقت قلب سے اکمل ہے، اس وقت ان سے حقیقت صوم مخفی ہو گئی، صرف قلب کی حقیقت مکشوف تھی، اس سے مغلوب ہو کر روزہ توڑ دیا، پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس وقت کوئی مولوی بلکہ سچ کہتا ہوں، ہندوستان بھر میں کوئی درویش بھی سوائے حضرت حاجی صاحب کے، اس فعل کی حقیقت نہیں بتلا سکتا تھا، عجیب شان تھی، کیسی ہی الجھی ہوئی بات ہوتی، فوراً سلجھا دیتے تھے۔ تب ہی تو حضرت مولانا قاسم رح جیسے زبردست عالم فرماتے تھے کہ کوئی تو حضرت حاجی صاحب کی کشف و کرامت دیکھ کر معتقد ہوتا ہے کوئی کچھ دیکھکر کوئی کچھ دیکھکر اور میں حضرۃ حاجی صاحب کا ان کے علم کی وجہ سے معتقد ہوا ہوں۔ حالانکہ حضرت حاجی صاحب کی ظاہری تحصیل صرف کافیہ تک تھی اور اس کے بعد کچھ مشکوٰۃ و بس۔ ص ۲۵۰ م ۴۲۹

(۱۸) فرمایا کہ دوپہر کو حضرت حاجی صاحبؒ اسی سہ دری میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک صاحب دوپہر کو تشریف لا کر بیٹھ گئے۔ اور باتیں کرتے رہے۔ حضرت بڑے خلیق تھے، دل شکنی کے خیال سے کچھ نہ بولے، برابر باتیں کرتے رہے، آنکھیں مارے نیند کے بند ہو ہو جاتی تھیں، دوسرے دن پھر اسی وقت تشریف لائے اور باتیں شروع کر دیں حضرت پھر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ یہ صاحب یہ سمجھ کر آتے تھے کہ تخلیے کا وقت ہے، تنہائی میں خوب توجہ ہو گی۔۔ حضرت حافظ ضامن صاحب بڑے تیز تھے۔ ان کی اور ہی شان تھی، انھوں نے جو یہ قصہ دیکھا تو للکارا کہ: تم خود تو رات بھر بیوی کو بغل میں دبا کر سوتے رہتے ہو، تمہیں کیا خبر کہ یہ بے چارے اللہ والے رات بھر اللہ، اللہ کر کے آنکھیں پھوڑتے ہیں، دوپہر کو کچھ دیر کے لیے سو رہتے ہیں، سو اس وقت تم آکر ستاتے ہو۔ خبردار، جو پھر کبھی اس وقت آئے ورنہ ٹانگیں توڑ ڈالوں گا۔ پھر فرمایا کہ حضرت حافظ بڑے

تیز تھے، کبھی حضرت حاجی صاحب کو بھی، مولانا شیخ محمد صاحب کو بھی سُنا دیتے تھے۔ سختی اگر نفس کے لیے نہ ہو، دنیا کی طمع اور حرص نہ ہو، دل شکنی کا قصد نہ ہو، وُہ بھی کمال ہے اور یوُں کوئی کم فہم نہ سمجھے، اس کا کیا علاج، پھر فرمایا:

ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر ست

مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے، مولانا رشید احمدؒ صاحب کی اور شان تھی، کوئی بیٹھا ہو، جب وقت اشراق یا چاشت کا آیا، وُضو کر کے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ کہہ کر اُٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوُں، یا اُٹھنے کی اجازت لیں، جہاں کھانے کا وقت آیا۔ لکڑی لی اور چل دیئے۔ چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو۔ وہاں یہ شان تھی، جیسے بادشاہوں کی شان۔ ایک تو بات ہی کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصر سی بات کہی تو جلدی سے ختم کر کے تسبیح لے کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ کسی نے کوئی بات پوُچھی تو جواب مختصر دے دیا اور اگر نہ پوُچھی تو کوئی گھنٹوں بیٹھا رہے، انھیں کچھ مطلب نہیں۔

مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس جب تک کوئی بیٹھا رہتا، برابر بولتے رہتے۔ طبیعت بھی پیدائشی ہے، کوئی بدل نہیں سکتا، مولوی محمد علی صاحب نے بہت اچھی بات فرمائی تھی کہ طبائع تو خلقۃً ہی متفاوت ہوتے ہیں۔ انھیں میں بعض بزرگ بن جاتے ہیں۔ احقر (خواجہ عزیز الحسن صاحب بلند) کے استفسار پر فرمایا کہ بزرگی خود مختلف چیز نہیں، البتہ امورِ طبعیہ جو پیدائشی ہیں، جیسے تیزی، نزاکت، تحمل، عدمِ تحمل، صفائی، انتظام، بے انتظامی، غرض جو پیدائشی اخلاق ہیں، ان سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہو جاتی ہیں، پھر یہ حکایت بیان فرمائی، کہ مولانا محمد قاسمؒ صاحب اور مولانا رشید احمدؒ صاحب جب حج کو چلے، تو بمبئی میں مولانا محمد قاسمؒ تو لوگوں سے ملتے پھرتے اور مولانا گنگوہی انتظام میں مشغول رہتے، جب مولانا محمد قاسم صاحب واپس آتے تو مولانا گنگوہی فرماتے کہ کچھ فکر بھی ہے کہ کیا انتظام کرنا ہے۔ آپ ملتے

ٹہلتے پھرتے ہیں، مولانا فرماتے کہ مجھے فکر کی کیا بات ہے، جب آپ بڑے سر پر موجود ہیں پھر فرمایا کہ ایک بار مولانا محمد قاسمؒ صاحب مولانا گنگوہیؒ سے فرمانے لگے کہ ایک بات پر رشک آتا ہے، آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے، ہماری نظر ایسی نہیں، بولے کہ: جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہوگئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں، ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا، ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں، وہ انھیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انھیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ ایک مرتبہ نانوتہ سے گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں پیادہ تشریف لائے، حالانکہ معاصر تھے، لیکن اتنا ادب کرتے تھے کہ پیادہ تشریف لے گئے کہ سواری پر بیٹھ کر جانا بے ادبی ہے۔ عصر کی نماز کے وقت مولانا پہنچے، جماعت تیار تھی، مولانا گنگوہیؒ امامت کے لیے مصلے پر جا کھڑے ہوئے اتنے میں لوگوں نے کہا کہ، مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لائے ہیں، اس زمانے میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی آنکھیں تھیں، انھوں نے دیکھا، پوچھا وضو ہے؟ مولانا کا وضو تھا، فرمایا:- آیئے نماز پڑھایئے اور خود مصلے پر سے ہٹ گئے، دونوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ گنگوہ آتے تو وہ نماز پڑھاتے اور جب یہ دیوبند جاتے تو یہ پڑھاتے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی اس وقت یہ ہیئت تھی کہ پائنچے چڑھے ہوئے اور چونکہ پیدل چل کر آئے تھے، تمام پیروں پر گرد بھری ہوئی۔ اسی طرح مصلے کی طرف جانے لگے اور ایک بار بھی تو انکار نہیں کیا۔ نہ پائنچے اتارے، نہ گرد جھاڑی، جب مولانا گنگوہیؒ کے سامنے پہنچے، تو مولانا نے صف سے آگے بڑھ کر رومال لے کر پیروں کی گرد جھاڑنا شروع کی، مولانا کی عجیب ادا تھی کہ خاموش کھڑے ہوگئے۔ حالانکہ مولانا گنگوہیؒ کا نہایت ادب کرتے تھے، نہ معلوم اس وقت کیا حالت تھی مولانا گنگوہیؒ نے پائنچے بھی اپنے ہاتھ سے اتارے۔ مولانا فرماتے تھے کہ اس پر بہت بھی خوش ہوا کہ انھوں نے کچھ تکلف نہ کیا۔

ایک دفعہ مولانا گنگوہیؒ کھانا کھا رہے تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے

آئے۔ مولانا کے ہاتھ میں ایک ذرا سا ٹکڑا تھا، اسی وقت ہاتھ دھلائے۔ وہ ٹکڑا دیا کہ کھائیے میں کھانا لاتا ہوں، مولوی فخر الحسن صاحب نے کہا کہ میں لیے آتا ہوں، فرمایا: نہیں بھائی، میں خود لاؤں گا، پھر کھانا لاکر بہت ادب سے سامنے رکھا، بیشتر دیکھنے والوں نے یوں سمجھا ہوگا کہ کچھ ادب بھی نہ کیا، بچا ہوا ٹکڑا دے کر کہہ گئے کہ آپ شروع کیجیے، سبحان اللہ صحابہ کی سی شان تھی۔

مولانا مظفر حسین صاحب بہت بڑے شخص تھے، گنگوہ میں مولانا سے ملے، چلنے کے وقت انھوں نے عرض کیا کہ گھر کھانا تناول فرما لیجیے، فرمایا کہ بھائی دور کا سفر ہے۔ میری منزل کھوٹی ہوگی۔ مولانا نے عرض کیا کہ جو کچھ رکھا ہوا ہے، وہی سہی، مولانا راضی ہوگئے اور فرمایا: کہ بس وہی لے آنا، جو گھر میں موجود ہو، گھر میں باسی روٹی اور دال رکھی تھی، مولانا وہی ہاتھ پر رکھ کر لے آئے، دال بھی روٹی ہی پر تھی، پھر نہیں معلوم مولانا مظفر حسین صاحب نے کھائی یا باندھ لی۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے رامپور میں مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ مولوی رشید احمد بڑے اچھے آدمی ہیں، انھوں نے کہا کہ ہاں حضرت بہت اچھے آدمی ہیں، اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں، فرمایا: اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ ہاں بہت ہی اچھے آدمی ہیں، پھر فرمایا: کہ اجی تم سمجھتے تو ہو نہیں۔ ایسے اچھے ہیں کہ بہت ہی اچھے، پھر حکیم صاحب نے پوچھا کہ حضرت ایسی کیا خاص بات ہوئی۔ فرمایا کہ کیا کہوں، انھوں نے تھوڑا سا ناشتہ کرلے کے لیے راستے میں مجھ سے کہا: میں نے کہا کہ جو گھر میں موجود ہو، وہ لے آؤ، انھوں نے باسی روٹی اور دال لاکر دے دی، سبحان اللہ! کیسے اچھے آدمی ہیں، پھر مولانا مظفر حسین صاحب کی یہ بھی حکایت بیان فرماتی کہ ایک بار نانوتہ میں تشریف لائے، وہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب موجود تھے، فرمایا: بھائی ایک مسئلہ میں تردد ہے، میں نے سنا تھا کہ سب صاحبزادے جمع ہیں۔ اس لیے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ چلتی ریل میں

نماز پڑھنے میں علماً اختلاف کرتے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں، بس تم لوگ آپس میں گفتگو کر کے ایک منقح بات بتلادو کہ جائز ہے یا نہیں؟ میں دلائل نہیں سنوں گا، چنانچہ سب حضرات نے آپس میں گفتگو کی، مولانا نے ادھر التفات بھی نہیں فرمایا، گفتگو کر کے ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت طے ہو گیا، جائز ہے۔ فرمایا، اچھا تو پھر میں جاتا ہوں۔ عجب شان کے لوگ تھے۔

مولانا مملوک علی صاحب جو کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب کے استاذ ہیں، دہلی میں دار البقار سرکاری مدرسہ تھا، اس میں ملازم تھے، دہلی سے نانوتہ جاتے ہوئے راستے میں کاندھلہ پڑتا تھا، مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل جایا کرو۔ مولانا مملوک علی صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تکلف نہ کرنا، صرف ملنے کے لیے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا، چنانچہ گاڑی راستے ہی میں چھوڑ کر ملنے آتے، مولانا اول یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے، یا کھاؤ گے، اگر کہا کہ کھا چکا، تو پھر کچھ نہیں اگر نہ کھائے ہوتے، تو کہدیتے کہ میں کھاؤں گا تو پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں، یا تازہ پکوادوں چنانچہ ایک بار یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لادو، اس وقت صرف کھچڑی کی کھرچن تھی، انھوں نے کہا کہ بس یہی رکھدو۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک چھوڑنے جاتے، یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔ صـ۳۰۳ م ۴۹۲

(۱۹) حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک شخص آئے، عرض کیا کہ بہت روز سے میں بیمار ہوں، سخت قلق ہے کہ حرم میں نماز نصیب نہیں ہوتی، صحت کی دعا فرمائیے حضرۃ نے دعا کر دی۔ ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ عارف کو اس کا بھی رنج نہیں ہوتا کہ بیماری کی وجہ سے حرم میں نماز نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ مقصود تو رضا ہے، اس کے مختلف طریق ہیں، جیسا کہ یہ طریق ہے کہ حرم میں جماعت سے نماز پڑھیں۔ یہ بھی ایک طریق ہے، کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری پر صبر کریں، صبر سے بھی وہی بات حاصل ہو جائے گی، جو جماعت سے حاصل ہوتی ہے یعنی رضا۔ یہ بھی رضا کا طریق ہے، سو طریق تو حاصل ہے۔ اگر ایک نہیں

ہے، نہ ہو، پھر عارف کو رنج کیوں ہو مقصود تو محفوظ ہے ۳۶۶

(۲۰) فرمایا کہ اکابر کو اس کا قصد نہیں ہوتا تھا کہ اپنے اُوپر سے طعن کو ہٹادیں، اگر پڑے تو پڑنے دیتے تھے۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے میکند با خلق عالم کار نیست

بات یہ ہے کہ وہ اپنی نظر میں سب سے ذلیل ہوتے ہیں، یہ ایک بالکل وجدانی امر ہوتا ہے کسی مدح کا اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتے، بلکہ بخدا یہ تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے معتقد کیوں ہیں، باوجود اتنے عیوب کے، اور بعضے تو اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اپنے عیوب کھولنے لگتے ہیں تاکہ لوگ معتقد نہ رہیں، لیکن مقتدا کو ایسا نہیں چاہیئے اِس میں عوام کا ضرر ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ پر بہت غلبہ تھا، حالِ تواضع کا، عیب تو نہیں کھولتے تھے لیکن فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالےٰ نے ستاری فرما رکھی ہے کہ لوگوں کو میرے عیوب کی خبر نہیں اس لیے معتقد ہیں، ایک مشہور بزرگ حضرت کی خدمت میں آئے اور اظہارِ عقیدت مندی کرتے رہے، جب چلے گئے تو ہمیں خیال ہوا کہ جب ایسے ایسے بزرگ حضرت کے معتقد ہیں تو حضرت کے کامل ہونے میں کیا شک ہے، مگر ان کے جانے کے بعد حضرت کیا فرماتے ہیں کہ دیکھو حق تعالیٰ کی ستاری! کیا ٹھکانا ہے اُن کی ستاری کا کہ اہلِ نظر سے بھی ہمارے عیوب کو چھپا رکھا ہے۔ میرے عیوب کی انھیں بھی خبر نہیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب پر اخلاق کا اس قدر غلبہ تھا کہ بعض اوقات عوام کی مصلحت کا بھی خیال نہ رہتا تھا، ایک صاحب نے میرٹھ میں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب تو مولود شریف کرتے ہیں، آپ کیوں نہیں کرتے، فرمایا، بھائی انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے، اس لیے مجھے بھی اللہ تعالیٰ محبت نصیب کرے، مولوی عبدالسمیع صاحب خود مجھ سے کہتے تھے کہ ایسے سے بھلا کیا لڑے۔ پھر فرمایا کہ چونکہ میں (یعنی حضرت پیر و مرشد

مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) ایسے بزرگوں کو دیکھے ہوئے ہوں، اس لیے کوئی کچھ بھی کہہ لے تو بُرا معلوم نہیں ہوتا۔ اسی دورانِ گفتگو میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا تھا کہ کسی نے آکر آپ سے حضرت خواجہ میر درد کی شکایت کی کہ وُہ سماع سُنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! اُنہیں کانوں کا مرض ہے مجھے آنکھوں کا مرض ہے، جو خود مریض ہو وُہ دُوسرے مریض کی کیا شکایت سُنے۔ ص ۲۷۵ م ۵۸۳

(۲۱) حضرت حاجی صاحب یُوں فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس تبریزی کو مولانا رُومی لسان عطا ہوئے تھے، جنھوں نے حضرت شمس تبریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا۔ اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں، مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں جب اپنی تصنیف حضرت حاجی صاحب کو سُنا دیتا ہُوں، تب مجھے اس کے مضامین پر اطمینان ہوتا ہے کہ ٹھیک ہیں، بدُون سُنائے اطمینان نہیں ہوتا اور ایک بڑی لطیف بات فرماتے تھے کہ ہمارے ذہن میں مبادی پہلے آتے ہیں، یعنی مقدمات اوّل آتے ہیں، ان کے تابع ہوتا ہے نتیجہ اور ان حضرات کے ذہن میں نتائج پہلے آجاتے ہیں، اس لیے جب سُنا لیتا ہُوں تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ مقاصد تو ٹھیک ہیں مقدمات چاہے غلط ہوں، ان کی کیا ہے، انھیں تو خود ٹھیک ٹھاک کرلیں گے۔ مقاصد تو صحیح ہیں جتنے وہبی علوم بزرگوں کے ہیں وُہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ بس ایک سچی بات قلب میں پڑ گئی۔ ان کے منتسبین میں جو اہلِ علم ہوتے ہیں، وُہ یہ کرتے ہیں کہ اُس کی تقویت اور تائید دلائل سے بھی کر دیتے ہیں، تو ان کے دلائل تابع مقاصد کے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل مقاصد ہی ہیں۔ اگر وُہ صحیح ہیں اور کوئی دلیل اس کے خلاف کو مقتضی ہو تو وُہ دلیل ہی غلط ہے، خواہ موقع غلط کی تعیین نہ ہو سکے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کسی کو سُورج نظر آرہا ہے۔ اگر ہزار گھڑیاں متفق ہیں کہ اس وقت سُورج چھپ گیا ہے، لیکن جو دیکھ رہا ہے کہ ابھی سُورج موجود ہے، وُہ کہہ دیگا

کہ سب گھڑیاں غلط ہیں۔ اگر اس سے دلیل پوچھی جاوے گی تو کہدے گا کہ ہمیں خبر نہیں کہ کہاں اور کیا غلط ہے۔ مگر غلط ضرور ہے۔ کیونکہ ہم تو سورج کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات گو اس پر قادر نہ ہوں کہ مقدمات میں تعیین کر دیں کہ کون سے مقدمہ میں غلطی ہے۔ مگر اتنا ضرور کہدیں گے کہ تمہاری دلیل میں ضرور غلطی ہے اور یہ سب علوم غیر منصوصہ میں ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی وضع ایسی تھی کہ بالکل ایک ملکی شیخ زادے معلوم ہوتے تھے۔ گفتگو بھی سیدھی سادی تھی۔ فارسی بہت اچھی لکھتے تھے۔ ضیاء القلوب کی فارسی بہت فصیح ہے پھر حاجی صاحب کا یہ مقولہ بیان فرمایا کہ دو ثلث ضیاء القلوب کے میں نے ضائع کر دیئے اس میں اشغال کے ثمرات درج تھے۔ الہام ہوا کہ ان کا ظاہر کرنا مناسب نہیں ایک وجہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ثمرات ہر ایک کو مختلف طور سے پیش آتے ہیں۔ ان کے ظاہر کرنے میں ضرر زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو حالات ایک کو پیش آویں، وہی دوسرے کو بھی پیش آویں۔ اگر کسی کو وہ خاص احوال پیش نہ آئے تو اس کو مایوسی ہوگی اور وہ یہ سمجھے گا کہ میں نے ابھی راستہ ہی قطع نہیں کیا۔ اس لیے ایسے امور کا علم سینہ بہ سینہ ہی ٹھیک ہے۔ جیسے احوالِ قبر کہ ہر ایک کے جدا ہوتے ہیں صـ۳۸۳ م ۵۸۸

(۲۲) حضرت حاجی صاحب کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ محقق کی طبیعت میں تنگی نہیں ہوتی، وہ ہر شے کو اپنے مرتبے پر سمجھتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کو بعضے نادان نعوذ باللہ بدعت کی طرف نسبت کرتے ہیں، جہاں مولود ہوتا تھا تشریف لے جاتے تھے، لیکن وہ تشریف لے جانا بھی ایسا تھا کہ ایک مرتبہ مولود شریف میں بلاوا آیا۔ حضرت گنگوہی بھی حاضرِ خدمت تھے حضرت نے پوچھا: چلو گے۔ مولانا نے عرض کیا، نا صاحب میں نہ جاؤں گا۔ میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب واللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا۔ جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ جزاک اللہ۔ بارک اللہ، دیکھئے کس قدر وسعت تھی۔ کہیں بدعتی ایسا کہہ سکتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی کی بابت لوگ کہتے

تھے کہ یہ پیر کے خلاف کرتے ہیں ان کے معتقد نہیں ہیں، مولانا نے فرمایا کہ دیوانے ہوئے ہیں ہم نے جس مقصود کے لیے حضرت حاجی صاحب کا دامن پکڑا ہے، اس کی تو ان کو ہوا بھی نہیں لگی، حضرت جس فن کے امام ہیں، اس میں ہم ان کے معتقد ہیں، باقی ان فرعیات میں ہم امام ہیں حضرت حاجی صاحب کو چاہیئے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں، حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ حضرت حاجی صاحب اور حضرت حافظ ضامن صاحب ہم سے مسئلے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے، اب ہم حضرت حاجی صاحب کا فقہی مسائل میں کیسے اتباع کریں، یہاں تو حضرت ہمارا اتباع کریں پھر ہمارے حضرت (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا کو حضرت حاجی صاحبؒ سے محبت نہیں تھی، عقیدت نہیں تھی، اللہ اکبر، وہ کیا جانیں؟ حاجی محمد اعلیٰ انبٹھوی جب حج سے واپس آئے تو انھوں نے مشہور کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھے سماع کی اجازت دے دی ہے۔ کسی نے مولانا کی خدمت میں یہ حکایت بیان کی، بڑا مجمع تھا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ حاجی محمد اعلیٰ غلط کہتے ہیں اور اگر وہ صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب غلط کہتے ہیں۔ بڑی بدنامی ہوئی کہ پیر کے لیے ایسا کہا، مگر محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب حضرت حاجی صاحب کا انتقال ہوا تو ہم نے تو ایک وقت کا کھانا بھی نہیں چھوڑا، مگر مولانا کو دست لگ گئے کئی روز تک کھانا نہیں کھایا گیا۔ اس زمانے میں لوگوں نے اکثر یہی کہتے سنا کہ ہائے رحمۃ للعالمین۔ واقعی حضرت کی شان رحمت ہی رحمت تھی، ایسا نفع عام اور تام تھا کہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، بگڑنا، خفا ہونا تو جانتے ہی نہ تھے۔ ایک دفعہ میری (یعنی پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہٗ) کی کتاب کرامات امدادیہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت حاجی صاحب کی کرامتیں سن رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب جو مولانا کے خادم بھی ہیں، بولے کہ حضرت کیا یہ سب صحیح ہیں؟ حضرت کو غصہ آگیا، فرمایا کہ نہیں سب غلط ہیں، پھر فرمایا کہ تعجب کی بات ہے، ایک شخص ثقہ، ثقہ لوگوں سے روایت کرے اور وہ روایت بھی شریعت کے قواعد اور عقل کے موافق ہو خلاف نہ ہو، پھر بھی ایک

لکھا پڑھا شخص اس میں شبہ کرے، تم نے مجھے بڑی تکلیف دی۔ اس میں تو کچھ بھی نہیں لکھا ہم تو حضرت حاجی صاحب کو ایسا سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت حاجی صاحب کی پیدائش سے پہلے اور آسمان زمین تھے، خدا تعالےٰ نے حاجی صاحب کی خاطر سے نیا آسمان اور نئی زمین پیدا فرمادی تو ہم تو اس کا بھی یقین کرلیں ہم تو حاجی صاحب کو ایسا سمجھتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ بڑی دُور کی بات کہی۔ دُوسرا وقت ہوا تو ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ بھائی تمہارا دل دکھا ہوگا، معاف کردو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میری ہی حماقت تھی۔ فرمایا مجھے واقعی رنج ہوا۔ تم ایسے فہیم آدمی سے ایسی بات بعید تھی۔ ایک دفعہ میں (یعنی پیرومرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے مولانا سے پُوچھا کہ توسّل میں کچھ برکت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ پُوچھنے والا کون ہے میں نے اپنا نام لیا، فرمایا تم پوچھتے ہو یہ بات۔ تعجب ہے۔ بس اتنا ہی جواب دیا اور کچھ نہیں فرمایا، بس اسی سے سب کچھ سمجھ میں آگیا، اس موقعہ پر احقر (خواجہ عزیز الحسن صاحب) نے عرض کیا کہ حضور کیا سمجھ میں آیا، فرمایا کہ یہ جلسہ اس کے جواب کا نہیں ہے کبھی آپ مجھ سے پوچھیں گے تب بتلاؤں گا۔ اس وقت تو مولانا کے اقوال نقل ہو رہے ہیں ریشم میں کمبل کا پیوند کیوں لگاؤں پھر (ہمارے حضرت مولانا مرشدنا سیدنا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) فرمایا کہ میں نے مولانا سے عمر بھر میں دو تین باتیں پُوچھیں، ارادہ تو تھا کہ پُوچھا کروں گا مگر انھیں دو تین باتوں سے سب کچھ سمجھ میں آگیا، کچھ اور پُوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ بڑا فیض تھا، بہت برکت تھی، خلیفہ ارشد، خلیفہ رشید جس کو کہتے ہیں بس وہ تھے، حضرت حاجی صاحب کا کمال تو دیکھئے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ مستفیض ہوتے تھے، اس میں، حضرت حاجی صاحب کا ایک خواب ہے، حضرت نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حضرت کی ایک بھاوج تھیں، وہ کھانے پکانے کا انتظام کیا کرتی تھیں، حضور نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم ہٹو، ان کے مہمان علماء ہیں اور ان کی مہمانی ہمارے ذمہ ہے، ہم انتظام کریں گے حضرت حاجی صاحب اس کے قبل علماء کو بیعت نہ کرتے تھے، انکار فرما دیتے تھے خواب کے بعد پھر انکار نہیں کیا، سمجھ گئے کہ حکم ہے، پھر کیسے کیسے علماء بیعت ہوئے

جو کہ اپنے وقت کے امام ہیں، حضرت پر توحید اور فنا کا غلبہ تھا، عارف اور پھر عاشق، ایسے بہت کم ہوئے ہیں حضرت حاجی صاحب میں دونوں شانیں جمع تھیں اہل عشق میں تربیت کی شان کم ہوتی ہے، کیونکہ اُن پر سکر غالب رہتا ہے اور عارفین پر صحو غالب ہوتا ہے اور افاقہ کی حالت رہتی ہے، اس لیے ارشاد کرتے ہیں اور دونوں جمع کم ہوتے ہیں، حضرت کی شان عشق یہ ہے کہ بڑھاپے میں کمر باندھ کر رمضان شریف میں تمام رات کلام مجید سنا کرتے تھے، محبت کے بغیر یہ ہو نہیں سکتا، ہم لوگ باتیں تو بہت بنا لیتے ہیں لیکن چونکہ کچھ لکھ پڑھ لیا ہے، اس لیے رات کو دس نفلیں بھی نہ پڑھی جاویں، ایک بار فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب مجھے اپنا کتب خانہ دینے لگے، میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ ابھی حضرت کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے، کتابیں اپنے ہی پاس رکھئے اور میں (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے عرض کیا کہ حضرت !! کتابوں میں کیا رکھا ہے، کچھ سینے سے عطا فرمائیے، یہ سن کر حضرت خوشی کے مارے کھل گئے اور فرمایا، ہاں بھائی ہاں! سچ تو یہی ہے، کتابوں میں کیا رکھا ہے، پھر ہمارے حضرت مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ میں تو حضرت حاجی صاحب کو باتوں ہی میں خوش رکھا کرتا تھا، میں نے خدمت کبھی نہیں کی، ایک موقع پر اس مضمون پر کہ کتابوں میں کیا رکھا ہے، یہ شعر پڑھا۔

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کن
سینہ را از نورِ حق گلزار کن ص۳۸۹ م ص۵۱۳

(۲۳) فرمایا کہ انبہٹہ کے ایک صاحب منشی تجمل حسین صاحب حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے، اُن کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے، ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے تھے، ان کی بی بی نے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہی سے شکایت کی، مولانا نے فرمایا کہ کیوں ادھر اُدھر پھرتے ہو، عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے حضرات کے برابر کوئی کامل نہیں، اللہ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے، لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میرا قلب جاری ہو جاوے اس کی فکر میں ادھر اُدھر پھرتا ہوں، مولانا نے فرمایا کہ میاں اس میں کیا رکھا ہے

عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس میں واقعی کچھ بھی نہیں رکھا، لیکن میں اس کو کیا کروں کہ جی چاہتا ہے، مولانا نے فرمایا کہ اچھا جاؤ، مسجد میں بیٹھو۔ وہ مسجد میں جا بیٹھے ادھر مولانا وضو کرکے کھڑاؤں پہن کر مسجد کی طرف چلے، کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سُنی تھی کہ ادھر ان کا قلب جاری ہوگیا، وہ دوڑ کر مولانا کے قدم پکڑ لیے کہ الحمد للہ جو میں چاہتا تھا، وہ حاصل ہو گیا، اب میں کسی سے نہ ملوں گا، چنانچہ اس کے بعد انھوں نے ادھر اُدھر پھرنا چھوڑ دیا، انہی تجمل حسین کے ایک بھائی منشی باسط علی نقشبندی طریق کے شیخ تھے۔ مولوی صدیق صاحب جو گڑھی میں تھے، وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے تھے کہ وہی نقشبندی شیخ اپنے بھائی تجمل حسین صاحب سے کہا کرتے تھے کہ تم مجھ سے کچھ حاصل کرلو۔ وہ کہہ دیتے کہ ہمیں اپنے حضرت حاجی صاحب ہی کی نسبت کافی ہے، وہ کہتے کہ میں نے تمھیں بھائی ہونے کی وجہ سے مشورہ دیا ہے، آگے تمھیں اختیار ہے مرنے سے پہلے کچھ حاصل کرلو ورنہ پچھتاؤ گے، جب تجمل حسین صاحب کا وقت اخیر ہوا تو ان سے کلمہ پڑھنے کو کہا جاتا تھا، لیکن ان کے مُنہ سے نہیں نکلتا تھا، ان کے بھائی نے آکر جب یہ حالت دیکھی تو کہا کہ دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ کچھ مجھ سے حاصل کرلو، ورنہ پچھتاؤ گے، اب کہاں گئی، وہ حضرت حاجی صاحب کی نسبت۔ کلمہ بھی مُنہ سے نہیں نکلتا، نزع کا وقت تھا، یہ سُنتے ہی انھوں نے فوراً آنکھ کھول دی اور گو عربی پڑھے ہوئے نہ تھے، مگر یہ آیت بڑے جوش سے پڑھی، یا لیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین ذکر کرتے کرتے روح نکل گئی، وہ بیچارے بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین کے معنی بھی نہ جانتے تھے مولوی صدیق احمد صاحب اس وقت موجود تھے، ان کی بن پڑی، انھوں نے ان نقشبندی شیخ سے کہا، دیکھا تم نے حضرت حاجی صاحب کی نسبت کو، پیری مریدی کا دم بھرتے ہو اور اتنا بھی نہیں معلوم کہ یہ کس حالت میں ہے۔ پھر ہمارے حضرت مولانا مرشدنا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ وہ اس وقت حق تعالے کے ساتھ مشغول تھے، اس وجہ سے کلمہ کی طرف توجہ نہ تھی، لیکن جب اپنے بھائی کا طعن سُنا، تو جوش میں آنکھیں کھول دیں، اللہ تعالے نے

حضرت حاجی صاحبؒ کی نسبت کا اثر دکھلا دیا۔ ص۳۹۱ م ۵۹۶

(۲۴) ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، علی الاعلان فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے پاس تھا، وہ میں نے حاضر کر دیا۔ میری طرف سے اب عام اجازت ہے کہ جس کو جہاں سے مقصود حاصل ہو، وہ وہیں سے جا کر حاصل کر لے، میں اپنا مقید نہیں بناتا۔ مطلب تو مقصود حاصل ہونے سے ہے، جس جگہ سے بھی حاصل ہو، میرے ہی اُوپر منحصر نہیں، میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا۔ خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت نے یوں فرمایا کہ میں لوگوں کے معتقد ہونے سے تنگ ہو گیا خدا کی قسم! دل سے چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے ملحد اور زندیق سمجھ کر چھوڑ دیں تاکہ میں فارغ ہو کر محبوب میں مشغول ہوں اور تمہارے اعتقاد نے میرے اوقات کو خراب کر رکھا ہے۔ جناب یہ ہیں خدا کے بندے، اس شان کے ہوتے ہیں خدا کے بندے۔ ص۴۱۸ م ۶۱۹

(۲۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک خط آیا، جس میں حضرت کو لکھا تھا، رب المشرقین و رب المغربین، کسی شخص سے وہ خط پڑھا نہیں گیا، مارے ہنسی کے بُرا حال ہو ہو جاتا تھا، لیکن حضرت ایسے متین تھے کہ ذرا ہنسی نہیں آئی دو تین دفعہ یہ تو فرمایا کہ توبہ جہل بھی کیا بُری چیز ہے۔ ص۴۲۱ م ۶۲۹ از حسن العزیز جلد دوم)

(۲۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحب کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب بھی (جو کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے پیر بھائی تھے۔ تشریف لے آئے اور کہا کہ آج تو بڑی ان کے (یعنی مولانا گنگوہیؒ کے حال پر عنایت ہو رہی ہے کہ ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے، حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں ہے تو میری عنایت ہی کہ جو ساتھ کھلا رہا ہوں، ورنہ یہ کافی تھا کہ روٹی پر دال رکھ کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہہ دیتا کہ جاؤ، وہاں بیٹھ کر کھا لو، یہ واقعی میری عنایت ہے کہ جو ان کو ساتھ کھلا

رہا ہوں۔

پھر حضرت والا (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی اس واقعہ کو نہایت فخر کے ساتھ سناتے تھے، الفاظ تو واقعی حضرت حاجی صاحبؒ نے ایسے ہی فرمائے تھے کہ دُوسرا جل بھُن کر کوئلہ ہی ہو جائے، پھر فرمایا کہ ہر شخص کے مجاہدے کا طریق جُدا ہے، بعض لوگوں پر صرف ایک بات کہدینے کا اتنا اثر پڑتا ہے کہ دُوسرے پر وُہ اثر بے حد ذلّت کا بھی نہیں ہوتا، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے قلب میں کبر کا دخل نہ ہونے کے لیے حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ فرما دینا ہی بہت کچھ کافی تھا، اور یہ حضرت حاجی صاحبؒ کی بصیرت و فقاہت کی کافی دلیل ہے، جیسا کہ فقہاؔ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کو تعذیر دینے کا جُدا طریق ہے، شرفاؔ کو شرافت کے طرز سے اور ارذل کو ان کی حیثیت کا اندازہ کر کے تعذیر دی جائے۔
ح۱۲م ۵۵

(۲۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک غیر مقلد شخص بیعت ہوئے اور انھوں نے یہ شرط کی کہ مَیں مقلد نہ ہوؤں گا، بلکہ غیر مقلد ہی رہوں گا، حضرت نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے؟ بیعت ہونے کے بعد جو نماز کا وقت آیا تو انھوں نے نہ آمین زور سے کہی اور نہ رفع یدین کیا، کسی نے حضرت حاجی صاحبؒ سے ذکر کیا کہ حضرت آپ کا تصرف ظاہر ہُوا، فلاں شخص جو غیر مقلد تھے، وُہ مقلد ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ان غیر مقلد صاحب کو بُلا کر فرمایا کہ بھائی کیوں کیا تُمہاری تحقیق بدل گئی، یا صرف میری وَجہ سے ایسا کیا۔ اگر تم نے میری وجہ سے ایسا کیا ہو، تو مَیں ترکِ سنت کا وبال اپنی گردن پر لینا نہیں چاہتا، ہاں اگر تمہاری تحقیق ہی بدل گئی، تو مضائقہ نہیں، یہ بیان فرما کر حضرت والا یعنی صاحبِ ملفوظ (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ کیا کسی فقیر کا یہ مُنہ ہو سکتا ہے کہ جو ایسی بات کہے، کم و بیش ہر اہلِ سلسلہ کے اندر تعصب پایا جاتا ہے، مگر ہمارے حضرت حاجی صاحب کی ذات اس سے بالکل پاک صاف تھی جیسا کہ قصہ سے ظاہر ہے (جامع عفی عنہ) نیز یہ بھی فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کا علم ایک سمندر

تھا کہ جو موجیں مار رہا تھا، حالانکہ آپ ظاہری عالم نہ تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی آپ کو علیحدہ رکھا تھا۔ ص۲۱ م ۲۱

(۲۰) فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی کچھ کرامتیں لکھنے کو میرا دل چاہتا ہے۔ اگر کچھ واقعات بتلا دیجئے تو بہتر ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی ہم نے تو حضرت حاجی صاحبؒ کو کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں، اگر تمہارا دل چاہتا ہے، تو خیر! اگر کوئی بات یاد آجاوے گی تو کہہ دوں گا، پھر ایک مرتبہ مجھے آواز دی اور فرمایا کہ بھائی اس وقت ایک یاد آئی ہے لکھ لو، چنانچہ میں نے اس کو لکھ لیا، پھر فرمایا ایک اور یاد آئی۔ اس کو بھی لکھ لیا گیا، چند روز کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ بھائی اب کتنی ہوگئی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت تیئیس ۲۳ ہوگئی ہیں۔ فرمایا کہ اگر ۳۰ ہوجاویں تو اچھا ہے، جب تیس ہوگئیں تو فرمایا کہ بس بھائی بہت کافی ہیں، پھر حضرت والا صاحب ملفوظ (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ مجھ سے وہ پرچے جس پر کرامتیں تحریر تھیں، مولوی محمد یحییٰ نے لے لیے تھے، انھوں نے وہ کاغذ ضائع کر دیئے، مجھے افسوس ہوا کہ ایسے ثقہ راوی کہاں ملیں گے۔ ص۲۹ م ۵

(۲۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا شاہ صاحبؒ کی نسبت فرمایا کہ میری موجودگی میں ہندوستان کے زمانہ میں تو ان کی چنداں شہرت نہ تھی، پھر حضرت والا صاحب ملفوظ نے فرمایا کہ انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت حاجی صاحب ان کو بڑے لوگوں میں نہیں سمجھتے تھے، البتہ حضرت حاجی صاحب کو ان سے محبت تھی، پھر فرمایا کہ شاہ صاحبؒ کی طرف علما کا بالکل رجوع نہ تھا، بلکہ دنیا دار اور امرا کا کثرت سے رجوع تھا، ان پر استغراق کی حالت رہتی تھی تعلیم و تلقین بھی کم فرماتے تھے اور حضرت حاجی صاحب کی جانب علماء، صلحاء، طلباء اور غرباء کا رجوع تھا، حضرت حاجی صاحبؒ اپنے زمانے میں مثل حضرت شاہ سید احمد صاحبؒ کے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ سے فیوض و برکات بہت پھیلے۔ بڑے بڑے علما آپ کے خادم تھے

معتقد اور کمال کے دل سے قائل تھے ص۲۹ م ۵۱

(۳۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایسے بڑے بڑے علمأ مستفید ہوئے کہ اگر وہ علمأ اپنے وقت میں اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو چل جاتا اور وہ اس کو نباہ بھی دیتے۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب بالکل سادہ رہتے تھے، نہ عمامہ نہ چوغا، نہ عبا نہ قبا نہ موٹے موٹے دانوں کی تسبیح، کچھ نہ تھا۔ ص۳۰ م ۵۷

(۳۱) فرمایا کہ ایک صوفی صاحب کہتے تھے کہ ہمارے پاس تو حضرت حاجی صاحب کے کامل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کی طرف علمأ کثرت سے رجوع ہیں اور زیادہ تر علمأ کا فرقہ ہی صوفیہ کا مخالف ہوتا ہے۔ جب علمأ معتقد ہیں تو پھر کون مخالف ہوگا۔ پھر حضرت والا (پیرو مرشد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی عام مقبولیت تھی، بدعتی لوگ تو حضرت کو وہابی نہ سمجھتے تھے اور غیر مقلد بدعتی نہ سمجھتے تھے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھے اپنے رنگ میں سمجھتا ہے اور میں کسی کے رنگ میں نہیں ہوں، میری مثال پانی کی سی ہے کہ جس رنگ کی بوتل میں بھردو، اسی رنگ کا معلوم ہونے لگتا ہے۔ ص۳۰ م ۵۸

(۳۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فنِ تصوف کی حقیقت صاف صاف ظاہر فرمادی عرصہ سے اس فن کی بہت خراب حالت ہورہی تھی، لوگ گڑبڑ میں پڑے ہوئے تھے۔ ص۳۰

(۳۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ سے سلسلہ طریقت کے اعتبار سے کچھ قرابت بھی تھی بعض مرتبہ شاہ صاحب یہ فرماتے کہ بھائی یہاں کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کا مرید ہے پھر فرماتے ہم سے تو انکی روز ملاقات ہوتی ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ محمد ہاشم مرحوم نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا شاہ فضل الرحمٰن صاحب جو یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ہمارے بھتیجے حاجی امداد اللہ اکثر آتے ہیں تو کبھی چچا بھی بھتیجے کے پاس آتے ہیں یا روز بھتیجے ہی چچا کے پاس جاتے ہیں۔ اس پر حاجی صاحب نے فرمایا کہ تم بھائی یوں ہی سمجھو پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی عمر جب کہ ۲۵ یا ۳۰ سال کی تھی تب ہی دہلی کے شہزادے و بیگمات وغیرہ آپ کے

NEW DELHI-11
185

معتقد تھے۔ گویا کہ مثل شاہ سید احمد صاحبؒ کے ابتدا ہی سے آپ کی ایسی حالت تھی ص۳ م ۳۰۔

(۳۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کے حق میں کسی کی شکایتی روایت قبول ہی نہ ہوتی تھی خواہ راوی کیسا ہی ثقہ کیوں نہ ہو۔ اس لیے تمام متعلقین بے فکر رہتے تھے کہ ہماری طرف سے حضرت کا دل کوئی پھیر ہی نہیں سکتا، حضرت حاجی صاحب سُن سُنا کر یہ فرمادیا کرتے تھے کہ نہیں وہ شخص ایسے آدمی نہیں ہیں۔ یہ وجہ ہوگی، وہ وجہ ہوگی، ہمیشہ تاویلیں کیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا (پیرومرشد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) کہ اب تو مشائخ و علماء کے یہاں ایک دوسرے کی باتیں خوب لگائی جاتی ہیں ص۶۹ م ۲۰۸

(۳۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مثنوی شریف کے سبق کے بعد روز دُعا ہوا کرتی تھی، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا دُعا مانگا کریں فرمایا کہ یہ دُعا کیا کرو کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے۔ وہ ہمیں بھی حاصل ہو جاوے (ص۲۲ م ۲۳۲)

(۳۶) دورانِ درسِ مثنوی شریف میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو مثنوی شریف میں اس قدر مہارت تھی کہ جونسا مقام چاہو نکال کر بیٹھ جاؤ، حضرت اس کے متعلق تقریر شروع کر دیتے تھے ہم لوگ حالانکہ اہل علم کہلاتے ہیں، مگر یہ بات حاصل نہیں اور حضرت کی علمی تحصیل صرف کافیہ تک تھی۔ البتہ حضرت کی تقریر مجمل ہوتی تھی زیادہ مفصل نہ ہوتی تھی، سُننے والوں میں سمجھدار کم ہوتے تھے، پھر فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ میں شانِ نبوت کا انتظام غالب تھا۔ فرماتے تھے، کہ حضرت کے یہاں جب سے مثنوی ہونے لگی ہے، تب سے لوگ اپنا ایمان مکہ ہی میں چھوڑ آتے ہیں پھر حضرت والا (پیرومرشد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ چونکہ حضرت حاجی صاحب کی تقریر مجمل ہوتی تھی، لوگوں کو شبہات ہوتے تھے، حضرت سے جب دریافت کرتے تھے، تو حضرت فرمادیتے تھے کہ بھائی فلاں شخص سے سمجھ لینا، مگر وہ لوگ بوجہ کبر کے دوسروں سے سمجھتے نہ تھے، اس لیے وہ شبہات دل کے دل ہی میں رہتے تھے، پھر وہ غلط

باتیں یہاں آکر بیان کہتے تھے کہ حضرت یوں فرماتے تھے اور یوں فرماتے تھے، بس اس وجہ سے مولانا گنگوہیؒ نے یہ فرمایا کہ ایسے لوگ ایمان مکہ ہی میں چھوڑ آتے ہیں ص۹۲ م ۲۴۷

(۳۷) فرمایا کہ والد صاحبؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت کا خیال ظاہر کیا ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کچھ لوگوں کو بیعت فرما رہے تھے، اسی وقت والد صاحب سے بھی فرمایا کہ آؤ عبد الحق (اسم گرامی والد صاحب پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہٗ) تم بھی بیعت ہو جاؤ۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ حضرت میں ابھی نہیں ہوتا ہیں لیسے کس طرح ہو جاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی اور کس طرح ہو گے۔ عرض کیا کہ حضرت مٹھائی تو منگالوں، بس پھر ایک سینی میں مٹھائی منگائی اور ایک سفید عمامہ رکھا ہوا منگایا اور پچیس روپے نقد۔ یہ سب چیزیں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیں اور بیعت ہو گئے۔ پھر حضرت والا (پیر و مرشد حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ پہلے کچھ رسم کی پابندی نہ تھی، بلکہ سادگی سے ایسا کرتے تھے، مگر اب چونکہ یہ رسم ہو گئی ہے کہ بغیر نذرانہ پیش کئے بیعت نہ ہوں، اس لیے اس رسم کے توڑنے کی ضرورت ہوئی۔
ص۸۵ م ۲۵۹

(۳۸) فرمایا کہ حافظ عبدالرحیم کہتے تھے کہ میں مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کے پاس حرم میں بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ایک شخص سے کسی خطا پر اٹھک بیٹھک کروا رہے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ یہ پیر مرید ہیں، اس کے بعد فرمایا، بھلا ہم نے بھی کبھی تم کو ایسی سزا دی ہے۔ ص۱۱ م ۳۴۶

(۳۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کا لطیفہ ہے کہ انسان ہی کے اندر سب کچھ ہے۔ بس جب سردی لگی، کرۂ نار کا تصور کر لیا اور گرمی لگی تو طبقۂ زمہریر کا تصور کر لیا ص۱۰۲ م ۳۱۸

(۴۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ خطرات جو لوگوں کو ستاتے ہیں تو وہ خطرات اگر دفع نہ ہوں تو دفع کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے بلکہ ان ہی میں قدرت الٰہی

کا مشاہدہ کرنا چاہیئے کہ اللہ اکبر وساوس کا بھی کیسا سلسلہ ہے کہ دفع ہی نہیں ہوتا، یہ سالک کے مناسب ہے کہ بس قدرتِ الٰہی کے مشاہدے میں مستغرق ہو جاوے۔ ص۱۱۸ م ۳۷۲

(۴۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نہایت نرم تھے، پھر فرمایا کہ اس زمانے میں اس سلسلے کی جو حالت دیکھی وہ اور سلسلوں کی نہیں ص۱۲۹ م ۴۱۲

(۴۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کا معمول تھا کہ جب کوئی کسی کی چغلی کھاتا تو نرمی سے راوی کی تکذیب فرماتے تھے اور مولانا رشید احمد صاحب کا یہ قول تھا کہ جب کوئی مجھ سے کسی کی روایت بیان کرتا ہے تو میں سمجھتا ہوں، ان میں آپس میں رنج ہے اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ راوی کو ڈانٹتے اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ خود اس قدر افادات فرماتے کہ کسی کو روایت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی پھر فرمایا (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) کہ ایک مرتبہ ندوہ والوں نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں میری شکایت کی، اس پر حضرت نے فرمایا کہ نہیں، اس کی طبیعت ایسی نہیں ہے اور مجھے خط میں یہ شعر تحریر فرمایا۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن

پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک مرتبہ شریف مکہ کو کسی نے بدگمان کر دیا اور وہ شخص اتفاق سے ایک بار حضرت کی مجلس میں آگیا، حضرت نے خوب لتاڑا، حضرت کسی بڑے سے بڑے نواب کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے اور شریف مکہ کی نسبت فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ وہ یہاں سے مجھے علیحدہ کر دیں گے، سو کر دیں، میں جہاں بیٹھوں گا، وہیں مکہ ہے، کچھ اسی شہر کا نام مکہ نہیں ہے، پھر اس کا راز فرمایا کہ حقیقت کعبہ تجلی الوہیت ہے اور حقیقت مدینہ عبدیت ہے، تو اہل معنی ان حقائق پر نظر رکھتے ہیں، گو جامعیت یہ ہے کہ حقیقت اور صورت دونوں کو لے۔ ص۱۳۵ م ۴۲۳

(۴۳) فرمایا کہ آفتاب تو وہ ہے جو بغیر دکھلائے نظر آوے، البتہ اگر کوئی مثل خفاش کے ہو

تو وہ اور بات ہے۔ اسے آفتاب نظر نہیں آسکتا۔ مولوی محب الدین صاحبؒ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، ولائتی ہیں۔ جو شخص ان سے مشورہ بیعت لیتا کہ میں حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہو جاؤں تو اس سے یہ کہہ دیتے کہ نہیں، فلاں فلاں صاحبوں سے ہو جاؤ۔ جب ان سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ جو شخص مشورہ پوچھتا ہے، اس کو اعتقاد نہیں ہے۔ اس لیے ایسے شخص کو حضرت سے بیعت کرا کر اپنے شیخ کے یہاں خوگیر کی بھرتی کیوں بھروں۔ پھر ہمارے حضرت (مولانا مرشدنا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ میں تو یہ کرتا ہوں کہ چند بزرگوں کے نام لے دیتے اور یہ کہدیا کہ سب کے پاس ایک ایک ہفتہ رہ آؤ۔ پھر جہاں دل لگے وہیں بیعت ہو جانا۔ ص۱۴۴ ام ۴۷۰

(۴۴) فرمایا حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے جہاں میں بیٹھتا ہوں یہ مکان شیخ بکر کا ہے ص۱۵۳ ام ۴۹۴

(۴۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شمس تبریزؒ کی لسان مولانا رومؒ تھے اور میری لسان مولانا محمد قاسم صاحب ہیں پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب مولوی ہیں یا نہیں، مولانا نے جواب دیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولوی گر ہیں پھر فرمایا کہ طالب علمی کے زمانے میں حضرت حاجی صاحب کو طالب علم علم حدیث کے مطلب میں دبا لیتے تھے، مگر جب وہ مطلب مولانا قلندر بخش صاحب جلال آبادی کی خدمت میں پیش ہوتا تھا تو حضرت حاجی صاحب ہی کا مطلب صحیح نکلتا ص۱۸۲ ام ۵۷۸

(۴۶) فرمایا کہ بعض اوقات غیر واجب امور کا التزام کر کے جب نباہ نہیں ہوتا تو دین سے وحشت ہونے لگتی ہے اور جن کا وہ امر طبعی بن جاوے ان کی دوسری حالت ہے چنانچہ حضرت حاجی صاحب کے سامنے بزرگوں کے سخت مجاہدات کا ذکر آیا کہ یہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے خلاف کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ وہ لوگ تھے کہ اگر نہ کرتے تو ان کی ہلاکت تھی۔ پس وہ بھی اس آیت پر عمل کرتے تھے۔ ص۱۰ ام ۵۰۰

(۴۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب بہت دعائیں دیا کرتے تھے۔ یہاں یعنی خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون) کے حالات سُن کر کہ مسجد کی رونق بڑھی ہے۔ ص۱۸۱ م۵۰۴

(۴۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا کلام دیکھ کر آگ لگتی ہے۔ جلے پُھکے تھے، مگر سوزش کے ساتھ اتباع احتیاط بھی بہت تھا۔ ص۱۸۱ م۵۰۵

(۴۹) فرمایا کہ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا، کہ حضرت کی ضیاء القلوب کی بہت بڑی شرح ہو سکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ متن ہم نے لکھ دیا ہے، شرح تم لکھ دو۔ ص۱۸۱ م۵۰۶

(۵۰) فرمایا کہ مرشدی حضرت حاجی صاحبؒ میں حُسنِ ظن ایسا تھا کہ کسی کی بُرائی سُن کر بُرائی کا اثر ہی نہ ہوتا تھا، سُن سُنا کر بس یہ فرما دیتے تھے کہ نہیں وہ شخص ایسا نہیں ہے یا تاویل کر دیتے تھے ہم لوگ جن بعض لوگوں کی ہندوستان میں تکفیر کیا کرتے تھے، ان کے لیے بعض اوقات فرمایا کہ نہیں اچھے لوگ ہیں کوئی غلطی ہو گئی ہوگی۔ حضرت میں تواضع بڑھی ہوئی تھی، اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے سب اچھے ہی نظر آتے تھے۔ ص۱۹۲ م۶۲۱

(۵۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ کبھی لطف بصورت قہر ہوتا تھا کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے، سب مضمون کو بس دو لفظوں میں بیان کر دیا۔ ص۲۰۹ م۶۵۸

(۵۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے الغیبۃ اشد من الزنا کی وجہ میں فرمایا کہ زنا گناہ باہی ہے اور غیبت گناہ جاہی ہے اور کبر شہوت سے اشد ہے، کیونکہ منشا غیبت کا تکبر ہے، جو بعد غیبت بھی باقی رہتا ہے۔ پس یہ شخص گناہ کر کے بھی اپنے کو ذلیل نہیں سمجھتا اور زانی بعد الزنا تمام عالم سے اپنے نفس کو بدتر سمجھتا ہے، اس وقت اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی ذلیل و خوار نہیں ہوتا پھر فرمایا کہ میں (یعنی پیر و مرشد مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ) نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ تو فنافیہ بھی ہو گیا۔ فرمایا کہ ہمارے تو ایسے ہی چٹکلے ہوا کرتے ہیں ص۲۱۶ م۶۹۳ ملفوظات ہفت اختر ص۴۱ م۱

(۵۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک مولوی صاحب کی

شکایت کی کہ وہ حضرت کے نام سے کماتے پھرتے ہیں کہ میں حضرت کا خلیفہ ہوں، انھیں منع لکھ دیجئے ورنہ لوگ آپ سے بد اعتقاد ہو جاویں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم اوروں کا کیوں نام لیتے ہو۔ تمہارا دل چاہتا ہے تو تم بد اعتقاد ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ اگر ساری دُنیا مجھ سے بد اعتقاد ہو جائے تو میرا کیا ضرر ہے، اس اعتقاد کی بدولت تو مجھے کوئی وقت حق تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کا بھی نہیں ملتا، تم خوش ہوتے ہو گے کہ ہم حضرت کے معتقد ہیں، میں تمنا کرتا ہوں کہ لوگ مجھ سے بد اعتقاد ہو کر چھوڑ دیں اور میں اپنے محبوب میں مشغول ہوں، پھر فرمایا کہ مجھے اس کا اہتمام کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میرے نام سے کوئی دُنیا بھی نہ کمانے پاوے، مجھ سے دین کا تو نفع نہ ہوا تو کیا دُنیا کا بھی نہ ہووے، پھر حضرت والا پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ واقعی انتظام کے پہلو کی نظر سے دُنیا کی طرف توجہ کرنا یہ بھی دُنیا ہے، دُنیا کو ہیچ سمجھنا تو یہی ہے کہ اس کے انتظام کی فکر بھی نہ کرے، الا بوجوب شرعی، چنانچہ اگر کوئی ہمارے نام سے ٹھیکرے جمع کرے تو ہم اس کا کچھ بھی انتظام نہ کریں گے، حضرت کی نظر میں دُنیا کے مال کی حقیقت یہ تھی۔ ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں چھ ہزار روپے بھیجے، حضرت کو پہلے سے اطلاع تھی کہ فلاں شریف شخص کو کچھ پریشانی ہے۔ حضرت نے فوراً ان کو بلا کر یکمشت سب روپے دیدیے۔ حضرت کا جب وصال ہوا ہے تو کچھ بھی نہ تھا، پھر فرمایا کہ حضرت اس کا بھی اہتمام رکھتے تھے کہ قرض نہ ہونے پاوے۔ صـ۲۳۴ م ۶۲،

(۵۵) اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اذکار میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار (جو شام میں ہے) کے متعلق کچھ اوقاف ہیں جن کی آمدنی کثیر ہے۔ اس کے متولی کا انتقال ہو گیا تھا اور بعض مشائخ نے اس کو حضرت صاحب کے لیے اس لیے تجویز کیا کہ خود متولی بھی اپنے مصارف اس سے بطریق مباح لے سکتا ہے اور حضرت صاحب کے پاس کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے تو اس سے اطمینان کی صورت ہو جاوے گی اور حضرت صاحب میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ حضرت صاحب ان کی اولاد میں ہیں اور حضرت صاحب

کو وہاں رہنے کی ضرورت بھی نہ تھی، کوئی نائب کام کرتا اور احکام یہاں سے پہنچتے رہتے۔ غرض یہ تجویز کر کے حضرت صاحب سے عرض کیا گیا، آپ نے فی البدیہہ یہ ارشاد فرمایا کہ اولاد میں ہونے کی خصوصیت سے جو میرے لیے تولیت تجویز کی گئی ہے، تو حضرت سلطان نے تو سلطنت بلخ پر لات ماردی تھی، اگر میں اس دُنیا کو اختیار کروں تو ان کی اولاد خلف کب رہا اور اس خدمت کے لیے خلف ہونا ضروری ہے اور اگر خلف بننا چاہتا ہوں تو اُن کا اقتدا کرنا لازم ہے۔

ف : اس سے حضرت صاحب کا بغض للدنیا وحسنِ تفہیم جو کہ ایک شعبہ ہے ارشاد کا بخوبی واضح ہے (اربعین مصطفائی ص۱۱۲)

(۵۶) ایک ذکر یہ تھا کہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب مہاجر بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کو حضرت سلطان المعظم عبدالحمید خاں نے بلایا تو اس درجہ اکرام کیا کہ کسی بادشاہ کا بھی اتنا اعزاز نہ ہوتا جس کی نسبت ایک سلطنت کے سفیر نے لکھا تھا کہ ایک عالم یہاں آئے جن کا اس قدر اعزاز ہوا کہ کبھی کسی کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کا بھی نہیں ہوا، سلطان نے عہدہ اور مال دینا چاہا، مگر مولوی صاحب کا دماغ کتب بینی اور کثرتِ مطالعہ سے خشک ہو گیا تھا، اس لیے قبول نہ کیا، حتیٰ کہ سلطان نے مدرسہ کی خدمت کرنا چاہی وہ بھی منظور نہ کی۔

ہاں سلطان نے مولوی صاحب کو قضا کی سند عطا فرمادی تھی، وہ محض تبرک کے طور پر لے لی تھی جس کی رُو سے مولوی صاحب جب چاہتے قاضی بن سکتے تھے، مولوی صاحب کو شوق اس کا بھی نہ تھا، صرف تبرکاً لے لی تھی، کیونکہ اس پر دستخط سلطان کے اپنے قلم کے تھے جب مولوی صاحب سلطان کے یہاں سے لوٹ کر مکہ معظمہ تشریف لائے تو ملاقات کے وقت حضرت صاحب سے ظل اللہ سلطان المعظم کے مدائح و مناقب بیان کر کے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو ان کے حضور میں آپ کا بھی ذکر کروں، حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا کہ کیا نتیجہ ہو گا۔ غایت مافی الباب وہ معتقد ہو جائیں پھر آپ دیکھ لیجیے کہ آپ کے جو معتقد

ہوئے کیا نتیجہ ملا، وُہی مجھ کو ملے گا یعنی بیت السلطان سے قرب اور بیت اللہ سے بعد۔ البتہ آپ اُن کی تعریف کرتے ہیں کہ بڑے عادل ہیں اور وارد ہوا ہے کہ سُلطان عادل کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ سو اگر آپ سے ہو سکے، آپ اُن سے میرے لیے دُعا کرا دیجئے مگر ایک بادشاہ سے یہ کہنا کہ ایک درویش کے لیے دُعا کرو یہ (عُرفاً) آدابِ سلطنت کے خلاف ہے، اس لیے مَیں آپ کو اس کا ایک طریقہ بتلاؤں، وُہ یہ کہ آپ میرا اُن سے سلام کہدیں، وُہ جواب میں وعلیکم السلام ضرُور ہی کہیں گے، بس میرے لیے اس طرح دُعا ہو جائے گی۔

ف : اِس حکایت سے حضرت صاحب کے چند کمالات ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل استغنا عن غیر اللہ سے کہ جاہ عند الملوک طبعاً محبوب و مرغوب ہوتا ہے، مگر حضرت صاحب کو اس سے انقباض ہوا۔ دوم بیت اللہ سے خاص اُنس و دلچسپی کہ اس کے تلبسِ ظاہری کو بھی اتنے بڑے منصبِ جلیل پر ترجیح دی۔ وللہ درّ من قال :

ومن دیدنی حبّ الدیار لاھلھا
وللناس فیما یعشقون مذاھب

میری عادات میں سے مکان کی بھی محبت ہے۔ صاحبِ مکان کی وجہ سے لوگوں کے عشق و محبت میں مختلف طریقے ہوتے ہیں اور یہ کمالِ عشقِ الٰہی سے ناشی ہے۔ سوم تواضع کہ باوجود اتنے بڑے شیخ الوقت اور مرجع الفضلاء والکملاء ہونے کے ایک بادشاہ کی طرف اپنی دینی احتیاج ظاہر فرمائی اور اپنے سے زائد ان کو مقبول القول درگاہِ الٰہی میں سمجھا ورنہ مشائخ ایسے اُمور کو اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں اور اس میں ایک ابہام کا رفع بھی ہے کہ اظہارِ استغنا سے رائحہ ترفع کا تھا، اس کا کیسی خوبی سے تدارک کیا۔ استغنا کا تواضع کے ساتھ مجتمع ہونا کمالِ عظیم ہے اور اس میں اپنے مرتبے کے موافق مجاہدۂ نفس بھی ہے اور سالکین کی تربیت بھی، کہ اس طرح اپنی اصلاح کا اہتمام چاہیے۔ چہارم رعایت

ادب و اعتدال، افعال و حفظ مراتب کہ امتثال امر انزلوا الناس منازلہم ہے، کیونکہ حفظ شرع کے ساتھ حفظ عرف اخلاق جمیلہ سے ہے۔ حدیث میں ہے خالق الناس باخلاقہم البتہ تزاحم کے وقت عرف محض لاشے ہے اور موسوم برسم جاہلیت ہے۔ فرمایا: حضرت والا (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) کہ حضرت حاجی صاحب رح کے یہاں ایسا اعتدال تھا کہ کسی پہلو کی رعایت متروک نہ ہوتی تھی، ایک دفعہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے جملے غضب کے ہوتے ہیں، فرمایا ہمارے تو چٹکلے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اربعین ص۱۱۳۔

(۵۷) اور ایک حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے اذکار میں سے یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک بوڑھا شخص آیا اور آکر رونے لگا، کہ حضرت میری بیوی مرتی ہے۔ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ اچھا ہے، جیل خانے سے چھوٹتی ہے۔ اب تم بھی چھوٹ جاؤ گے، ہم لوگوں کو اس لطیفے پر دل میں ہنسی آئی، کہ آیا تھا اس کی زندگی کی فکر میں، خود اپنی موت کی بشارت لے چلا، پھر حاضرین سے خطاب فرمانے لگے کہ دیکھو عجب بات ہے ایک مسلمان قید خانے سے چھوٹتا ہے، اس کو ناگوار ہے کہ کیوں چھوٹتا ہے۔ بعد اس کے وہ کہنے لگا کہ حضرت وہ مجھ کو روٹی پکا کر دیتی تھی، حضرت نے فرمایا کیا وہ تمہارے ساتھ روٹی پکاتی ہوئی پیدا ہوئی تھی، پھر وہ کہنے لگا کہ حضرت فلاں شخص نے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو مدینہ طیبہ لے چلوں گا، وہ اب کچھ بے پروائی کرنے لگا ہے، آپ کی جبین مبارک پر بل پڑ گیا اور نفرت آمیز لہجہ میں فرمایا، بس ایسی شرک کی باتیں مت کرو۔

ف: اس حکایت سے حضرت صاحب کے چند کمالات ثابت ہوئے۔ ایک دنیا کی حقیقت کا حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المومنین کا پورا انکشاف۔ دوسرے موت کو مایۂ مسرت سمجھنا کہ علامت ولایت سے ہے، تیسرے

کمال توکل کہ اس شخص کی نظر سے بیوی کی خدمت کا سبب راحت ہونا کس سہل عنوان سے نکالا۔ چوتھے کمال توحید کہ اس وعدے کرنے والے پر بالاستقلال نظر کرنے سے کیسی نفرت دلائی اور آپ کے قلب پر اس کا کس قدر بار ہوا کہ اس کو شرک سے تعبیر فرمایا (اربعین مصطفائی) ص۱۱۴

(۵۸) عبداللہ خان (تھانے دار تھانہ بھون) کے ماموں صاحب (یہ ذی فہم و صحبت یافتہ آدمی ہیں) نے کہا کہ میں نے حاجی محمد اسحٰق صاحب سوداگر دہلی سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میرے پاس حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قطبیت کا ثبوت ہے یہ کہہ کر انھوں نے ایک کتاب نکالی جس میں حاجی محمد اسحٰق صاحب نے ایک شخص کی زبانی بطور یادداشت لکھ رکھا تھا کہ اس شخص نے (یہاں کچھ محمد مصطفےٰ بھول گیا، ایک ابدال سے نقل کیا کہ تمام ابدال ایک جگہ جمع ہوئے اور کہا: قطبِ وقت کے وصال کا وقت آگیا۔ کسی نے پوچھا کیا وقت ہے، تو انھوں نے بتایا کہ فلاں وقت مقرر ہے۔ یہ وقت حاجی محمد اسحٰق صاحب کو بھی ان ابدال نے بتا دیا، انھوں نے پوچھا کہ ان قطب صاحب کا نام کیا ہے۔ کہا: حاجی امداد اللہ صاحب۔ حضرت حاجی صاحبؒ اس زمانے میں زندہ تھے، حاجی محمد اسحٰق صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں وہ وقت لکھ لیا اور منتظر تھا کہ سچ ہوتا ہے یا نہیں، چنانچہ ویسا ہی ہوا، جیسا بیان کیا تھا، اسی وقت پر آپ کا وصال ہوا۔ فرمایا حضرت والا (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے قطبیت تو کوتوالی کا سا ایک عہدہ ہے، حضرت قدس سرہٗ کے کمالات تو اس سے بہت زیادہ ہیں اور ان سب کا خلاصہ حق تعالیٰ کی محبت ہے۔

ف: قولہ قطبیت تو کوتوال کا سا عہدہ ہے اس کی تحقیق حضرت مجدد صاحب سرہندی قدس سرہٗ نے مکتوب ۲۵۶ میں فرمائی ہے۔ اس کی نقل رسالہ القاسم سے کی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل پیرو جب کمال اتباع کی وجہ سے مقام نبوت کے کمالات

کو تمام کر لیتے ہیں (یعنی عروج و نزول پورا ہونے کے بعد نائب پیغمبر ہو جاتے ہیں) تو ان میں سے بعض کو منصب امامت پر سرفراز فرماتے ہیں اور بعض کے لیے محض ان کمالات کے حصول پر اکتفا فرماتے ہیں یعنی کوئی منصب ان کو نہیں دیا جاتا، یہ دونوں بزرگ اصل کمال میں برابر ہیں، فرق منصب ملنے اور نہ ملنے کا ہے اور جو امور متعلق اس منصب کے ہیں، ان کے حاصل ہونے نہ ہونے کا فرق ہے اور جب متبعین کاملین کمالات ولایت کو تمامہا حاصل کر لیتے ہیں، ان میں بعض کو منصب خلافت کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور بعض کے لیے صرف ان کمالات کے حصول پر اکتفا فرماتے ہیں، جیسا کہ اوپر گزرا۔ یہ دونوں منصب امامت و منصب خلافت اصلیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلّیہ میں منصب امامت کے مناسب منصب قطب ارشاد ہے اور منصب خلافت کے مناسب منصب قطب مدار ہے گویا یہ دونوں مقام کہ تحت میں ہیں ظل اور عکس ان دو مقام کے ہیں جو اوپر ہیں اور قطب کو باعتبار اس کے اعوان و انصار کے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیوں کہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار قطب حکمی ہیں، اسی وجہ سے صاحب فتوحات مکیہ لکھتے ہیں مَا مِنْ قَرْیَۃٍ مُؤْمِنَۃٍ کَانَتْ اَوْ کَافِرَۃٍ اِلَّا وَفِیْھَا قُطْبٌ۔ یعنی ہر آبادی خواہ مسلمانوں کی ہو یا کفار کی... اس میں ایک قطب ضرور ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ صاحب منصب بے شک صاحب علم ہے کہ اس کو اپنے منصب کی خبر ہے اور جو شخص منصب کے کمالات تو رکھتا ہے، مگر منصب نہیں رکھتا، ضروری نہیں کہ وہ اس کا علم بھی رکھتا ہو اور اپنے مراتب پر مطلع ہو اور جو بشارت عالم غیب سے پہنچتی ہے وہ اس مقام کے کمالات کے حاصل ہونے کی ہے، نہ اس مقام کے منصب کی بشارت کہ وہ متعلق علم سے ہے۔ انتہی المکتوب۔ اس مضمون کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ ایک مدرسہ میں بطریق جماعت بندی تعلیم ہوتی ہے، جب تمام مراتب تعلیم کو طے کر کے طالب علم فراغت حاصل کر لیتے ہیں۔ تو بعض کو اسی مدرسہ میں مدرس بنا دیا جاتا ہے یا اور کوئی خدمت مدرسہ کی مثلاً اہتمام یا امتحان وغیرہ سپرد کر دی جاتی

ہے۔ اس خدمت کا نام منصب ہے۔ ظاہر ہے کہ لیاقت منصب دار اور غیر منصب دار کی برابر ہے۔ ہاں بعض باتیں جو منصب سے تعلق رکھتی ہیں وہ اس کو زیادہ حاصل ہیں، مثلاً عملہ کا عزل و نصب طلبہ کی جماعت بندی، مدرسہ کا در و بست وغیرہ۔ سو یہ دُوسری چیز ہے اور اصل جوہر انسانی یعنی علم و عمل شے دیگر نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ منصب سے لیاقت کا بھی اندازہ کرنا صحیح نہیں، ممکن ہے کہ کسی ضرورت سے ایک بہت بڑے علامہ نے میزان کا سبق پڑھانا اختیار کر لیا ہو تو میزان کا سبق پڑھاتے دیکھ کر یہ سمجھ لینا صحیح نہ ہوگا کہ اس کی لیاقت اتنی ہی ہوگی یہی مراد حضرت والا (پیر و مرشد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) کے اس لفظ سے کہ قطبیت تو ایک عہدہ ہے یعنی نظام عالم قائم رکھنے کے لیے یہ سلسلہ ہے، کمالات تو دوسری چیز ہیں، جیسے کہ پولیس میں عہدے ہیں کہ فیما بین ان عہدوں میں بڑائی چھوٹائی اور افسری و ماتحتی کا تفاوت ہے لیکن بادشاہ کے نزدیک قرب و بعد کے ذرائع اس سے بہت زیادہ ہیں، پولیس کا سلسلہ صرف انتظام کے لیے ہے، جو وقعت رؤسا اور نوابوں کی ہے، وہ پولیس کے عہدہ داروں کی نہیں ہو سکتی، یہ گویا ان کے خادم اور محافظ ہیں، ہاں کسی فرد میں نوابی اور پولیس کی افسری دونوں جمع ہو جاویں تو جملہ اسباب قرب کا اجتماع ہے، جیسا کہ قطب العالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز میں کہ آپ کے کمالات دنیا پر اظہر من الشمس ہیں، اور وجوہات متعددہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ قطب بھی تھے۔ سَقَی اللّٰہُ ثَرَاہُ وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ۔ (اربعین مصطفائی ص ۱۱۷)

(۵۹) عبد اللہ خاں صاحب مذکور کے ماموں صاحب نے کہا کہ سُنا گیا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورۃ مبارک میں برسوں رہے ہیں، کیا یہ سچ ہے۔ فرمایا ہاں، میں نے یہ روایت ایک ثقہ سے سُنی ہے اور ان کی نسبت غلط بیانی اور مبالغہ کا بھی خیال نہیں، وہ خوش عقیدہ بلکہ متصلب شخص ہیں، ہمارے ہم عقیدہ ہیں اور علماء کی صحبت بہت پائی ہے ان کی طرف مجھے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ بدعتیں

کی طرح انھوں نے بلاتحقیق ایسی بات صرف شیخ کے ساتھ عقیدت ہونے کی وجہ سے مان لی ہو اور بات فی نفسہ محالات میں سے ہے نہیں ۔ اسی کے قریب ایک بات ہے خود مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سُنی ہے ۔ فرماتے تھے کہ جب میں نے حدیث شروع کی تو مجھے بداہۃً معلوم ہوا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ متحد ہوں اور وہ علوم القا ہوتے تھے کہ اب نہیں ہوتے ۔ ان میں سے بعض علوم بیان بھی کیے تو عجیب عجیب علوم تھے جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتے

ف : اس واقعہ میں حل طلب دو باتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے صورۃ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے یا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متحد ہونے کے کیا معنی ۔ دوسرے یہ کہ اس حالت کے چند روز رہنے کے کیا معنی ۔ حل اس کا یہ ہے کہ جس سے جس شخص کو تعلق ہوتا ہے ، اس سے اس کو روحانی اتصال ہوتا ہے اور اس اتصال کی وجہ سے تاثیر و تاثر بھی ہوتا ہے ۔ اگر دونوں قوت میں مساوی ہیں تو کچھ اثر اس کا اس پر اور کچھ اس کا اس پر ہوتا ہے اور اگر ایک غالب اور ایک مغلوب ہے تو مغلوب پر غالب کا اثر ہوتا ہے ، جس درجہ غلبہ ہو اسی قدر آثار اس کے ظاہر ہوتے ہیں ۔ یہ تعلق اگر عشق کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے ، تو اس اتصال روحانی کا اثر کبھی جسم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور عاشق کے حرکات و سکنات بول چال ، بلکہ صورت شکل اور نقشہ بھی محبوب کا سا یا اس کے مشابہ ہو جاتا ہے ، جیسا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک نان بائی آپ کی توجہ سے ایک دم میں بالکل آپ کے ہمشکل ہو گیا اور راقم نے ایک جوگی کے چیلے کو دیکھا کہ دو مہینے گرو کے پاس رہنے سے اس کے ہمشکل ہو گیا ۔ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے اسی حالت کا یہ قصہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کو عشق سلطان جہاں جانِ جاناں حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہوا تو اس درجہ اتصال حاصل ہوا کہ اس کو اسی لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ

کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارک میں رہے یعنی اتصالِ رُوحانی اس درجہ بڑھا کہ جسے اتحادِ جسمانی کہا جا سکتا ہے۔

ے مَن تُو شُدم تُو مَن شدی مَن تَن شُدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، مَن دیگرم، تو دیگری

اسی طرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث رسُول علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے فیضان ہونے کے وُہ اتصال حاصل ہو گیا کہ اتصالِ جسمانی محسُوس ہونے لگا اور علوم عجیبہ کا القا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ بیان سے تقریب الی الفہم ہُوئی۔ اب اس کے چند نظائر دکھائے جاتے ہیں جس سے اور زیادہ طمانیت قلب ہو اور اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے کہ اتصالِ روحانی بھی واقعی ایک چیز ہے اور تاثیر اور تاثر کا ذریعہ ہے قصہ مشہُور ہے کہ لیلیٰ نے فصد کھلوائی اور مجنوں کے خوں نکلا، کھُلائی فصد لیلےٰ نے ہوا مجنوں کے خون جاری، یہ اسی اتصالِ رُوحانی کے بڑھنے کا اثر ہے کہ ایک جسم تک دُوسرے جسم کا اثر پہنچ گیا۔ اگر اس واقعہ میں کسی کو کلام ہو تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کا واقعہ سُن لے جو صحیح روایت سے ثابت ہے کہ یہ حضرت یمن میں تھے ایک دم دل گھبرایا اور ایسی پریشانی لاحق ہُوئی کہ خواہ مخواہ دل میں آیا کہ ہو نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ایک صحابی جیسے عاشق زار پر جو کچھ اس وقت گزر گیا ہو کم ہے۔ بیساختہ قرآن شریف اٹھا کر کھولا، تو یہ آیت نکلی: وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الآیۃ۔ جس کا صریح مضمُون وفات شریف ہے، پس حضرت معاذ پچھاڑ کھا کر گرے اور بے ہوش ہو گئے یہ خبر ہو جانا اور وحشت ہونا کاہے کا اثر ہے۔ اسی اتصال روحانی کی شدت وقوت کا کہ بدن تک اس کا اثر پہنچا اور قلب میں اختلاج اور دماغ میں اختلال پیدا ہو گیا اور دُور کیوں جائیے، صدہا واقعات دیکھ لیجئے کہ جس بچہ کا باپ مر جاتا ہے۔ اس کی ہمت و جرأت بلکہ تمام قوائے جسمانی ضعیف ہو جاتے ہیں، خواہ وُہ اتنا چھوٹا کیوں نہ ہو کہ باپ کو

پہچانتا بھی نہ ہو اور اس کو اب باپ کے سامنے سے بھی زیادہ عیش و آرام میں رکھا جائے اس کی وجہ وہی اتصال روحانی ہے کہ بچہ طبیعت میں باپ کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ اب ایک طبی نظیر بھی اتصال روحانی اور دوسرے جسم پر روح کی تاثیر کے متعلق عرض کی جاتی ہے۔ وہ نظیر احتلام ہے۔ جس کا بیان بھی کیا جاتا ہے کہ مرد کو اتصال روحانی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اور چونکہ جماع فعل طبعی ہے۔ گویا طبیعت رجل کے واسطے مثل جزء کے ہے اور الشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ عورت کے ساتھ اتصال ہوتے ہی فعل طبعی کا وجود ہو جاتا ہے اور عورت کے دیکھنے کو تو خواب و خیال بتلایا جاتا ہے لیکن جسم پر یہ اثر پڑ جاتا ہے کہ لذت محسوس ہو کر فعل طبعی کا آخری نتیجہ یعنی انزال متفرع ہو جاتا ہے۔ یہ اتصال روحانی پر جسمانی اثر پیدا ہونے کی نظیر ہے۔ گو نظیر بہت بیہودہ ہے، مگر توضیح مطلب کے لیے بہترین نظیر ہے

رہی دوسری بات کہ حضرت شیخ ؒ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں محض رکن رہنے یعنی دوام نہ ہونے اور ایسے ہی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صرف شروع حدیث کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معیت محسوس ہونے کے کیا معنی کیا بعد میں یہ حالت سلب ہو گئی، سو اس کا بیان یہ ہے کہ یہ حالت بعد میں سلب نہیں ہوتی، بلکہ احساس اس کا جاتا رہا، کیونکہ احساس امر جدید کا ہوا کرتا ہے اور جو چیز داخل طبیعت ہو جاتی ہے، اس کا احساس نہیں رہتا۔ حضرت والا (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) سے بعض خدام نے پوچھا کہ جو لذت اور آثار و انوار ذکر سے شروع میں محسوس ہوتے تھے۔ وہ اب نہیں رہے، معلوم ہوتا ہے رجعت ہو گئی، فرمایا کہ حاشا وکلا انوار و برکات و آثار ویسے ہی ہیں بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ ہاں احساس جاتا رہا، پہلے شوق تھا، اب انس ہو گیا، اس کا تجربہ یوں ہو سکتا ہے کہ دو چار دن چھوڑ کر دیکھو اس سے زیادہ ظلمت اور رنج محسوس ہوگا جتنا ذکر شروع کرنے سے پہلے تھا اور فرمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک

شخص نئی شادی کرے تو اس کو شوق اور میلان اور اس کے متعلق جملہ آثار بہت زیادہ محسوس ہوں گے مثلاً دس بیس برس کے بعد ان آثار میں کمی ہوجائے گی (ہندی مثل ہے پرانی جورو ماں کے برابر) حتیٰ کہ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا بھی ہوتا ہوگا، مگر حقیقت اس کی یہ نہیں ہے کہ محبت کم ہوگئی، بلکہ محبت داخل عادت ہوگئی، احساس نہیں رہا، اس کا امتحان یوں ہوتا ہے کہ نئی بہو مرجاوے تو اتنا صدمہ نہ ہوگا اور پرانی مرجاوے تو گویا خاوند کو بھی مار ہی جاتی ہے، اس تقریر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں حالتیں کبھی زائل نہ ہوئیں، بلکہ امر طبعی بن گئیں، یہاں سے ان لوگوں کی فضیلت نکلتی ہے، جنھوں نے حضرت شیخ کو دیکھا، گویا انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور جنھوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی، انھوں نے گویا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی۔ اللّٰھم اجعلنا من خدامھم وارزقنا من برکاتھم۔ اربعین مصطفائی۔ ص ۱۳۵

از جلد چہارم حسن العزیز

۵۷، فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحؒ کا عجیب مذاق تھا، کوئی بات پوچھی جاتی، تو بعض وقت تو جواب دیتے اور بعض وقت فرماتے اس وقت طبیعت حاضر نہیں اور بعض وقت فرماتے اچھا منتظر رہو۔ کسی وقت بیان ہوجاوے گا، حضرت میں تصنع و تکلف ذرا نہ تھا، اہل ظاہر میں یہ بات نہیں ہوتی، ان کو یہ خیال مارتا ہے کہ سوال کا جواب فوراً نہ دیا جاوے گا، تو لوگ کہیں گے، ان سے یہ سوال حل نہ ہوا، لوگوں کا خوف ہے اور وہاں ان باتوں کا گذر بھی نہیں ص ۴۸ ج ۴۔

(۵۸) فرمایا کہ بی صفیہ صاحبزادی حضرت گنگوہی کی بالکل بچی تھیں، حضرت حاجی صاحبؒ گنگوہ میں مہمان ہوئے اور حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کو دو روپے دیئے۔ انھوں نے وہ روپے حضرت کے پیروں میں رکھ دیئے۔ حضرت نے اٹھا کر پھر ان کے ہاتھ میں دیئے انھوں نے پھر پیروں میں رکھ دیئے، حضرت نے فرمایا یہ زاہدہ ہوں گی، چنانچہ ایسی ہی ہیں۔ مال اور مٹی ان کے نزدیک برابر ہے۔ ص۴۸ ج ۴

۵۹ فرمایا حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کسی عمل کی ہمیشہ توفیق ہونا اس کی قبولیت کی علامت ہے اس کی مثال ہے کہ آنے والے کو دوبارہ اجازت جب دیتے ہیں جب کہ اس سے ناخوش نہ ہوں بعض وقت اعمال صالحہ میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ نہیں سکتا (فرمایا حضرت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحبؒ اب وحی تو نازل ہونے سے رہی اب اگر کسی عمل کا مقبول ہونا معلوم ہو سکتا ہے تو صرف علامات سے ہو سکتا ہے اب ان نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کرنے والا مردود نہیں ہے ص۱۴۱ جلد ۲

(۶۰) بزرگوں کے یہاں ہر قسم کے آدمی آتے ہیں، چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں رب المشرقین والا خط آیا اور اس کے مقابل ایک صاحب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی شانِ جلال وجمال دیکھ کر فرماتے ہیں، سبحان اللہ کیا بزرگ ہیں۔ بس فرعون بے سامان ہیں — (استغفر اللہ) سیدھا آدمی تھا، کہیں یہ لفظ کتاب میں لکھا دیکھا ہوگا اور یہ دیکھا نہیں کہ اس کے معنے کیا ہیں اور کس موقع اور محل کا یہ لفظ ہے۔ بس یہ سمجھے کہ تعظیم کا کلمہ ہے اور کیا اچھے موقع پر اس کو استعمال کیا۔ بزرگوں کے یہاں فہم کی بڑی قدر ہے۔ سرائے میر میں جس جلسہ میں حضرت یہ باتیں کر رہے تھے۔ اس جلسے میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب (خلیفہ حضرتؒ) کے والد بھی موجود تھے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کی بابت فرمایا کہ ان کی نسبت اچھی ہے۔

فرمایا: حضرت والا (پیر و مرشد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں خدام کی بڑی قدر تھی۔ حضرت میں انکسار اور تواضع اس قدر تھا کہ چھوٹا کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی نے ایک عمامہ بھیجا، تو حضرت نے اس کو سر پر رکھ لیا۔ اور وطن سے تو اس قدر تعلق تھا کہ مولوی معین الدین صاحب نے ایک ہرن تھانہ بھون سے شکار کیا تھا۔ اس کی کھال حضرت کے یہاں بھیجی تو فرمایا: اس میں بوئے وطن آتی ہے، کہا گیا: یہ کھال تھانہ بھون کے ہرن کی ہے۔ فرمایا ہاں یہی وجہ ہے۔ ایک شخص نہایت مسخرہ اور بیباک تھانہ بھون کے رہنے والے جن کو حضرت نے دیکھا بھی نہ تھا،... حضرت کے یہاں گئے اور زیادہ مجمع کی وجہ سے ایک طرف چھپ کے بیٹھ گئے۔ حالانکہ وہ کچھ دیندار اور حضرت کے مذاق کے نہ تھے۔ مگر بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا: اس مجلس میں کوئی شخص وطن کا ہے، وہ پیچھے کو بیٹھے ہوئے تھے، عرض کیا، حضرت میں ہوں تھانہ بھون کا۔ حضرت کو وطن سے اس قدر محبت تھی کہ تھانہ بھون کے حالات مفصل پوچھا کرتے تھے۔ در و دیوار کو الگ الگ پوچھتے۔ پوچھا کرتے کہ اگر میں اب تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھیروں۔

ایک دفعہ مولانا فتح محمد صاحب خلوت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ان سے باتیں کرتے رہے، وقت زیادہ صرف ہو گیا۔ مولانا نے بطور معذرت عرض کیا۔ حضرت کے اوراد اور عبادات میں آج حرج ہوا۔ فرمایا: احباب کی اور اہل دل کی دلجوئی کرنا کیا عبادت نہیں؟ غرض حضرت میں شفقت بہت زیادہ تھی، اس کی وجہ سے حضرت سے نفع زیادہ ہوا۔ اسی واسطے کہا ہے

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است
زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ایسی شفقت کسی شیخ میں دیکھی ہی نہیں۔ ناراضی میں کبھی کسی کو نہیں نکالا۔ ایک شخص شاعرانہ مذاق کے تھے، مدحیہ قصائد لکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قصیدہ مدحیہ لے گئے اور حضرت سے

اجازت تک نہ لی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ سُنت حضرت کی طبیعت میں داخل تھی، مدح سے طبعاً نفرت تھی اور یہی مقتضائے سنت ہے اور وُہ حضرت ایک طرف دھیان کئے ہُوئے سُناتے ہی رہے اور بعد ختم کے داد کے منتظر رہے۔ داد سُنیئے: کیا ملی! حضرت فرماتے ہیں: بھائی کیوں جُوتیاں مارا کرتے ہو۔ نکالنا اور چلانا تو جانتے ہی نہ تھے، داد دی مگر کیسی سخت داد۔ جس میں تواضع بھی باقی رہی اور وہ شرمندہ ہو گیا۔ صـ۱۴۳

(۶۱) غالباً ذکر ہُوا کہ اہلِ دُنیا دینداروں کو دیکھ کر کہتے ہیں، جانے کس چیز پر مست ہیں، ان کو کیا حاصل ہوتا ہے۔ کسی نے کہا: کسی کی لگی کو کوئی کیا جانے۔ فرمایا حضرت والا (پیرومُرشد مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ) نے کسی کی لگی پر یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب پانی پت کو جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص دردنامہ غمناک پڑھ رہا ہے اور اس پر بڑا اثر ہے۔ فرمایا کیا پڑھ رہا ہے۔ اُس نے کہا: جا کام کر تو کیا جانے۔ حضرت گزرتے چلے گئے۔ پھر وُہ شخص بھی پانی پت پہنچا اور خبر ملی کہ دردنامہ غمناک کے مُصنف یہی ہیں۔ بہت خفیف ہوا اور حضرت سے معافی مانگنے لگا کہ حضرت بڑی گستاخی ہوئی۔ فرمایا نہیں: بھائی تُو نے سچ کہا تھا۔ تیری لگی کو میں کیا جانوں۔ فرمایا حضرت والا نے حق تعالےٰ سے تعلق پیدا ہونے کے بعد جو تغیر ہو جاتا ہے۔ اس سے لوگ تعجب کرتے ہیں، اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ایک مخلوق کی محبت میں پڑ جانے سے کیا تغیر ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ لوگ معذور ہیں۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانیکہ شمشیر بلا برسر خورند

(۶۲) حضرت حاجی صاحب سے بڑے بڑے کاملین کو فیض ہوا ہے۔ مگر اللہ رے تواضع کہ اس پر بھی اپنی طرف کبھی نظر بھلائی کے ساتھ نہیں پڑتی تھی، بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اہل کشف اور اہل نظر سے بھی ہمارے عیوب

صـ۱۴۸

(۶۳) فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ کے مُرید بہت اچھے ہیں۔ مرد تو اچھے ہیں ہی، مگر عورتیں جتنی ہیں، سب صالحہ ہیں، مرد تو بعض بعض غیر صالح بھی ہیں ص۱۸۸

(۶۴) ایک دفعہ مولانا گنگوہیؒ حج کو گئے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ کا پوتا یعنے بھتیجے کا بیٹا مقصود نامی مولانا کے پاس آیا کہ میں بھی دادا جی کے پاس جاؤں گا۔ مجھ کو لے چلیے۔ مولانا نے حضرت کی تکالیف کا خیال کر کے انکار فرمادیا وہ اور کسی قافلہ میں مولانا سے پہلے پہونچا مگر وہ حضرت حج کے ہنگامے میں کھوئے گئے، حضرت حاجی صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو حضرت بہت محزون ہوئے۔ عرفات میں حضرت نے فرمایا کہ مسجد میں فلاں سمت پر کنویں کے پاس ایک بچہ رو رہا ہے۔ اس کو لے آؤ، وہ یہی حضرت تھے، حضرت نے ان کو مزدلفہ تک اپنے اونٹ پر سوار کیا، انھوں نے مولانا کی بھی شکایتیں کیں۔ پیچھے مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب کا اونٹ تھا، حکیم صاحب بڑے پریشان ہوئے کہ آج خدا خیر کرے اور مولانا ذکر میں مشغول تھے۔ حضرت نے سب کچھ سنا اور کچھ نہیں کہا؛ مزدلفہ میں اُترتے وقت فرمایا، یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر مولانا نے میری محبت میں کیا ہے۔ غرض حضرت کے یہاں شکوہ شکایت کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا، حتیٰ کہ ایک شخص نے اتنی بڑی شکایت پہنچائی کہ فلاں مولوی صاحب نے آپ کی طرف سے ایک رقعہ بنالیا ہے اور حضرت کی مہر بھی اس پر لگالی ہے اور اب وہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو دھوکا دیتے اور کماتے پھرتے ہیں، فرمایا پھرنے دو۔ لوگوں نے عرض کیا، اس کا انسداد ہونا چاہیے فرمایا، مجھے شرم آتی ہے کہ مجھ سے دین کا نفع تو کچھ ہوا نہیں۔ کسی کو دنیا ہی کا نفع ہوتا ہو تو اسے بھی روک دوں تو میری ذات بالکل ہی بے سود ہوئی اور پھر دنیا کے لیے کیا اتنا اہتمام کیا جاوے۔

فرمایا حضرت والا (پیر و مرشد مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے۔ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں پر شانِ ولایت غالب ہوتی ہے اور بعضوں پر شانِ نبوت

ہمارے حضرات علماء پر شانِ نبوت غالب ہے۔ انتظام کی جگہ انتظام۔ سیاست کی جگہ سیاست۔ ص ۲۰۱

(۶۵) حضرت حاجی صاحب کے پاس تھانہ بھون میں ایک شخص ذکر کے لیے آئے ایک روز انھوں نے شاہ ولایت میں مور مارا۔ وہاں بڑا غل مچا، کیونکہ لوگ شاہ ولایت کی تعظیم حرم شریف کی سی کرتے ہیں، حضرت کو خبر ہوئی تو ان سے کہا: تم شکار کرنے کو آئے ہو یا ذکر کرنے کو، جاؤ یہاں سے۔ انھوں نے بہت معذرت کی۔ تب معافی دی۔ ص ۲۱۵

(۶۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب سے میں نے جو کچھ تقریراً یا تحریراً کہا، انھوں نے ہمیشہ خوشی سے قبول کیا، مگر ایک دفعہ ایسا کورا جواب دیا کہ میں دیکھتا رہ گیا، وہ یہ کہ نواب محمد علی صاحب رئیس ٹونک نے بعد معزولی مکہ معظمہ میں حرم شریف میں بخاری کا ختم کرانا چاہا اور حضرت حاجی صاحب سے سفارش کرائی، حضرت نے مولانا سے فرمایا کہ میں وعدہ کر چکا ہوں، آپ ختم میں شریک ہو جاویں، مولانا نے جواب دیا کہ حضرت میں نے بخاری اس لیے نہیں پڑھی تھی۔ فرماتے ہیں حضرت حاجی صاحب کہ میرے اوپر اس کا بڑا اثر ہوا۔ فرمایا حضرت والا نے کہ مجھ سے حضرۃ حاجی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ خلیل پاشا بزرگ آدمی ہیں۔ ان سے مل لو۔ میں ان سے ملا تو انھوں نے علماء ہند کی بے حد تعریف کی کہ ایسے متقی علماء کہیں اور نہیں ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ وہ امراء سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔ خلیل پاشا مولانا محمد قاسم صاحب وغیرہ سے ملے تھے اور خاص لوگوں میں سے تھے۔

(۶۷) حضرت حاجی صاحب ایک شیخ تھے، عالم ظاہری پورے نہ تھے۔ مگر تحقیق کی شان یہ تھی کہ ایک دفعہ بھوپال کے ایک غیر مقلد حضرت سے بیعت ہوئے۔ جس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ اول ایک صاحب جو بھوپال سے حج کرنے آئے تھے۔ حضرت سے بیعت ہوئے۔ انکے ساتھ ایک دوسرے شخص بھوپال کے تھے، جو سخت غیر مقلد تھے اور ان پہلے صاحب کو بھی غیر

مقلد سمجھتے تھے، ان بھوپالی غیر مقلد صاحب نے اس سے سمجھا کہ حضرت غیر مقلد کو بھی بیعت کر لیتے ہیں، انھوں نے ان صاحب کی معرفت حضرت حاجی صاحب سے دریافت کرایا کہ میں بھی بیعت ہونا چاہتا ہوں، مگر غیر مقلد ہی رہوں گا۔ حضرت نے اس شرط کو منظور فرمالیا۔ پھر وہ خود حاضر ہوئے اور تصریحاً پوچھا: فرمایا ہاں کچھ حرج نہیں، بس بیعت کرلیا، لیکن بیعت ہونا تھا خدا جانے کیا اثر ہوا کہ اس نے اول ہی وقت نہ نماز میں آمین کہی نہ رفع یدین کیا۔۔ حضرت کو خبر ہوئی تو حضرت چونک اٹھے اور بلا کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ کی تحقیق اور رائے بدل گئی، تب تو خیر اور اگر میری خاطر سے ایسا کیا، تو میں ترک سنت کا وبال اپنے اوپر نہیں لیتا، دیکھئے تحقیق کی شان یہ ہے .... ہمارے حضرات کو، خصوصاً حضرت حاجی صاحب کو سنت کے ساتھ غایت درجے کا تعشق تھا، پھر ایسے لوگوں کو متعصب کہا جائے تو کس قدر ظلم ہے، ہاں متصلب ہیں متعصب نہیں، تصلب اور چیز ہے اور تعصب اور چیز متصلب فی الدین اس شخص کو کہتے ہیں، جو دین میں پختہ ہو اور متعصب ناحق ہٹ کرنے والے کو کہتے ہیں صـ ۲۵۲

(٦٩) شیخ اسعد آفندی جو ایک رومی بڑے شیخ تھے، ہمارے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، گو حضرت کی تقریر اردو میں ہو رہی تھی اور وہ شیخ اردو بالکل نہ سمجھتے تھے مگر حظ انھیں بھی حاصل ہو رہا تھا، ایک مولوی نیاز احمد حضرت کے خادم تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ اردو سمجھتے ہوتے تو ان کو بھی بہت لطف آتا، حضرت نے فرمایا نہیں، جی یہاں اس ظاہری زبان کی ضرورت نہیں ہے دوسری زبان کی ضرورت ہے، فوراً برجستہ یہ دو شعر مثنوی شریف کے پڑھے۔

پارسی گو گرچہ تازی خوشترست عشق را خود صد زبان دیگرست
بوئے آں دلبر چو پراں می شود ایں زبان ہا جملہ حیراں می شود

آثار المرابع ۱۳۴ صـ ۲۵

(٦٩) فرمایا دو مولوی حضرت حاجی صاحب کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے۔ تنازع اس میں تھا کہ حضورِ قلب نماز میں شرط ہے یا نہیں، جو کہتا شرط نہیں، وہ حضرت عمرؓ کا قول پیش کرتا کہ اِنِّیْ لَاُجَهِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ۔ اور دوسرا بھی اپنے دلائل پیش کرتا، حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تجہیزِ جیش منافی حضور نہ تھا، کیونکہ حضرت عمرؓ خلیفہ تھے، ان کا حضورِ قلب یہی تھا، ہر ایک کا حضور علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسا جواب دیا اور ایسا ہی حضرت حاجی صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ میں اختلاف ہے کہ حبِ عقلی افضل ہے، یا حبِ عشقی، مولانا شہیدؒ حبِ عقلی کو ترجیح دیتے تھے اور حضرت حاجی صاحب حبِ عشقی کو، اس پر مولانا رشید احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک عمل کر سکے، تو حبِ عقلی کا غلبہ بہتر ہے اور جب عمل سے قاصر ہو تو حبِ عشقی کا، یہ نہایت عمدہ تطبیق ہے۔

(لمعان الدین جلد ١ ص١٠ م ٥١

(٧٠) فرمایا مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہماری معلومات زائد ہیں اور حضرت حاجی صاحبؒ کا علم زائد ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کے مبصرات زائد ہوں اور بہت چیزوں کو دیکھا ہو مگر چوندھا ہے اور کسی کا ابصار زائد ہو گو اُس نے تھوڑی چیزوں کو دیکھا ہو لیکن خوب حقیقت کو پہنچا ہو۔ لمعان ص١٧ م ٥٢

(٧١) فرمایا کہ ایک مرید نے شیخ سے استدعا کی کہ خواب میں مجھ کو دیدارِ حق ہو جاوے شیخ نے مرید سے کہا کہ تم عشاء کی نماز نہ پڑھو اور سو رہو، وہ حیران ہوا کہ اب کیا کروں، اگر شیخ کے حکم پر چلوں تو نماز جاتی ہے اور اگر نماز پڑھوں تو شیخ کا حکم جاتا ہے۔ آخر اس نے یہ ترکیب نکالی کہ فرض تو پڑھ لیے اور سُنت چھوڑ دی۔ پس رات کو خواب میں دیکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرماتے ہیں: کیوں صاحب: میرے ہی حکم کو تختۂ مشق بنانا تھا۔ اس نے یہ خواب بوقتِ صبح شیخ سے ذکر کی تو شیخ نے کہا اگر تم فرض نہ پڑھتے، تو ای

طرح اللہ تعالےٰ شکایت فرماتے اور دیدار ہو جاتا۔ حضرت حاجی صاحب رہ نے اس حکمت کی توجیہ فرمائی اور واقعی حضرت حاجی صاحب کے علوم نہایت دقیق تھے، فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا معاملہ اپنے بندوں سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں، جن میں مرادیت اور محبوبیت کی شان ہے، ایک وہ ہیں جن میں مریدیت و محبت کی شان ہے، سو پہلی قسم کے لوگ اگر گناہ کرنا چاہیں تو ان کی دستگیری کی جاتی ہے اور ان سے گناہ نہیں ہونے دیتے اور دوسری قسم سے معاملہ استغنا کا کیا جاتا ہے، تو واقعہ مذکور میں شیخ نے کشف سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ شخص مراد اور محبوب ہے، لہٰذا اس سے نماز کبھی ترک نہ ہوگی۔ اگر یہ سو بھی جائے گا، تو اس کو جگا کر نماز پڑھوائی جائے گی۔ سبحان اللہ! کیسی بات فرمائی۔ لمعان الدین حصہ اول صـ۲۳ م ۹۴

(۷۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ جہاں میں بیٹھتا ہوں۔ یہ مکان شیخ اکبرؒ ہے صـ۱۵۳ م ۲۹۴ حسن العزیز جلد دوم

(۷۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے ہوا جو کچھ باطنی نفع ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ جو کچھ ہے تمہارے ہی اندر ہے، جیسے نائی لاتا ہے، خوان سر پر رکھ کر، پھر اس میں سے ایک رکابی اٹھا کر اس کو دے دیتے ہیں، تو جو کچھ اس کو ملا وہ اسی کے پاس تھا، پھر فرمایا کہ مگر تم یہی سمجھے جاؤ کہ شیخ سے ہی ملا ہے، ورنہ تمہارے لیے مضر ہوگا، پھر حضرت والا سیدنا مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب (مدظلہ) نے فرمایا کہ یہ سمجھنا بھی اسی کے اندر ہے، کیونکہ فہم تو اسی کے اندر ہے صـ۲۳۰ م ۵۶۰، حسن العزیز۔ دوم

(۴،) فرمایا ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے پاس اُمراء آویں تو ان سے دنیادار سمجھ کر بدخلقی نہ کرو، کیونکہ اب وہ دُنیادار نہیں ہیں، تمہارے پاس جو آتے ہیں تو دیندار ہو کر آئے ہیں، اب ان کی تعظیم کرنا دُنیادار کی تعظیم کرنا نہیں ہے نعم الامیر علیٰ باب الفقیر اب جب کہ وہ فقیر کے دروازے پر آگیا تو اچھا امیر ہے۔ صرف امیر نہیں ہے۔ اس کی تعظیم امیر کی تعظیم نہیں ہے۔ نِعْمَ کی تعظیم ہے۔ اب وہ اللہ والا ہوگیا۔ یہ برکت صحبت کی ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ اس کے قصہ ہی سے یہ برکت ہوگئی کہ نعم کا مصداق ہوگیا گو پہلے کچھ بھی نہ تھا، شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ہمنشیں کی صحبت نے مجھ میں اثر کردیا ورنہ میں مٹی ہی ہوں۔

(ص ۳۲۔ روح الجوارح)

(۵،) فرمایا، حضرت حاجی صاحبؒ نے مثنوی کے اس شعر کی۔

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا
واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

عجیب تفسیر فرمائی ہے کہ پلیدی سے مراد اخلاقِ رذیلہ لیے گئے اور نور سے مراد اخلاقِ حمیدہ ہے ورنہ یہ ایک شاعری کلام معلوم ہوتا تھا، کیونکہ نجاست تو اولیاء کے کھانے کے بعد بھی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح شعر "آنکہ ناپیداست ہرگز گم مباد" میں اشکال تھا کہ باری تعالےٰ کو دُعا دینے کے کیا معنے اور دُعا بھی جو احتمالِ نقص پر مبنی ہو، سو اس کی شرح کیا اچھی فرمائی۔ اے از دلِ ما۔ ص ۲۲

(۶،) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے بزرگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر شخص کی لیاقت کے موافق تعلیم کیا کرتے تھے۔ کسی کو گھر کا کام بتا دیا، کسی کو کوئی خدمت سپرد کردی۔ اس میں ان کی تکمیل ہوجاتی تھی۔ اب تو یہ ہو رہا ہے کہ ہر شخص کو ۲۴ ہزار اسم ذات بتادیا جاتا ہے، چاہے بے چارہ مرے یا زندہ رہے۔ بلکہ اب تو اکثر یہی نہیں

کہ ہم ذات ہی بتا دیں بلکہ خود تصنیف کر کے جو دل میں آتا ہے الٹے سیدھے بتا دیتے ہیں ص۱۳
م ۴۰ مزید المجید

(۷۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے سامنے کوئی کشف بیان کرتا تو حضرت اس طرح سُنا کرتے تھے کہ جیسے بچوں کی باتوں کو سُنتے جاتے ہیں اور ہنستے جاتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب بڑے محقق تھے، تصوف کے اصول تو حضرت کے سامنے پانی تھے ص۴۱
م ۹۵ مذکور۔

(۷۸) حضرت حاجی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ حضرت میں اللہ کا نام لیتا ہوں، مگر کچھ نفع نہیں ہوتا حضرت نے فرمایا کہ یہ تھوڑا نفع ہے کہ نام لیتے ہو یہ تمہارا نام لینا بھی نفع ہے اور کیا چاہتے ہو۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست
ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

پس دُنیا میں تو یہ رحمت کہ نام لینے کی اجازت دی اور آخرت میں اس پر قبول رضا مرحمت فرمائیں گے ص۲۱ امثال عبرت حصہ اول

(۷۹) حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو چونکہ محبت حق اور توحید میں کمال تھا اور توحید بحق غالب تھی، آپ ہر بات کو توحید کی طرف منعطف فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بعض حکام مکہ کے تشددات کا تذکرہ کیا کہ یوں ظلم کرتے ہیں، یوں پریشان کر رہے ہیں مگر وہاں تو دل میں ایک ہی بسا ہوا تھا اور یہ حالت تھی کہ:

خلیل آسا در ملک یقیں زن
نوائے لا احب الآفلین زن

اور یہ حالت تھی کہ:

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بیں نکند بکس نگاہے

پس معاً ہی فرماتے ہیں کہ آجکل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے ص۲۹ امثال عبرت حصہ اوّل

(۸۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سے کوئی مناظرہ

کرے تو تم کبھی مناظرہ نہ کرو، اس سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ ص۲۹ امثال عبرت حصہ دوم

(۹۱) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ، اللہ اکبر رحمۃ مجسمہ تھے۔ کیسا ہی کوئی بدحال ہو جس پر ہم کفر کا فتوے لگادیں وہ اس کے فعل کی تاویل فرماتے تھے۔ حضرت کا مذاق طبیعت ہی اس قسم کا تھا اور سبب اس کا غلبہ تواضع تھا کہ کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھتے تھے تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک شخص نے حضرت کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ لکھا تھا، پڑھنا شروع کیا اور حضرت کے چہرے سے برابر آثار کراہت کے ظاہر ہو رہے تھے، جب قصیدہ پورا پڑھ لیا، تو حضرت نے فرمایا کہ میاں کیوں جوتیاں مارا کرتے ہو (ص۴۳ جلد مذکور)

(۹۲) فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب ساتھ میں کھانے کے لیے بیٹھتے تھے، تو اخیر تک کھاتے رہتے تھے اور کھاتے تھے اوروں سے کم۔ حضرات بزرگان دین کیا کیا کرتے ہیں، کیا نہیں کرتے اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کے پاس اللہ کے واسطے کوئی شے لاوے تو ضرور کھانا چاہیے۔ اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔ ص۵۰ حصہ مذکور

(۹۳) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب سے اگر کوئی خادم اس قسم کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ خود ذکر کی توفیق ہونا کیا تھوڑی نعمت ہے جو دوسرے ثمرات کی خواہش کرتے ہو اور اکثر ایسے موقعوں پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

ع بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے الخ ۹۴ کسی خادم نے حضرت سے بیان کیا تھا کہ میں نے آپ کے چلہ کھینچا ہے اور روزانہ سوا لاکھ اسم ذات پڑھا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں کہ ثمرہ نہیں ملا۔ فرمایا کہ اگر میں ناراض ہوتا تو تمہیں سوا لاکھ پڑھنے کی توفیق ہی کہاں سے ہوتی۔ ص۱۰۱ حصہ مذکور

(۹۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے کسی خادم نے اس بات کا افسوس ظاہر کیا کہ اب کے بیماری کی وجہ سے مدت تک حرم میں حاضر ہونا نصیب نہ ہوا۔ آپ نے خواص

سے فرمایا کہ اگر یہ شخص عارف ہوتا تو اس پر کبھی افسوس نہ کرتا، کیونکہ مقصود قرب حق ہے اس کے لیے جس طرح نماز حرم ایک طریق ہے، اسی طرح اس کے لیے مرض بھی ایک طریق ہے تو بندہ کا کیا منصب ہے کہ اپنے لیے خود ایک طریق معین کرلے، یہ مربی کے اختیار میں ہے۔ طبیب کی تجویز مریض کی تجویز سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش　　　کہ ساقی انچہ می ریخت عین الطاف ست

ص۵۹ حصہ مذکور

(۸۵) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے، کسی خادم نے کہا کہ حضرت آپ پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے۔ فرمایا کہ کوئی اپنے بادشاہ کے سامنے پاؤں بھی پھیلایا کرتا ہے۔ ص۹۳ حصہ مذکور

(۸۶) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب کی کسی نے تکفیر کی، حضرت نے سن کر برا نہیں مانا اور یہ فرمایا کہ میں عند اللہ اگر مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر مضر نہیں اور اگر خدانخواستہ کافر ہوں، تو برا ماننے کی کیا بات ہے ص۱۱۹ حصہ مذکور

(۸۷) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک شخص آئے، انھوں نے مشورہ کیا کہ مجھے مدینہ جانا ہے۔ کس طرف کو جاؤں۔ فرمایا کہ ینبوع کو جاؤ۔ دوسرا ایک اور آیا، اس نے بھی مشورہ لیا، اس کو کہا کہ سلطانی راستہ کو جاؤ۔ سو جس کو ینبوع کے راستے جانے کے لیے فرمایا تھا، وہ بھی کسی مصلحت سے سلطانی ہی راستہ کو گیا اور حضرت کے مشورے پر عمل نہ کیا، اس کو ویسے بھی بہت تکلیف ہوئی اور بدوؤں سے بھی سابقہ پڑا اور ان سے الگ تکلیف پہنچی اور جس کو سلطانی راستے کا مشورہ دیا تھا، وہ راحت سے چلا گیا، حضرت سے اس کی وجہ دریافت کی گئی کہ آپ نے اس کو اس راستے کا مشورہ دیا اور اس کو دوسرے راستے کا اس میں کیا حکمت تھی۔ فرمایا کہ جب پہلا آیا، میرے دل میں وہی آیا، جو اس کو بتایا اور جب دوسرا آیا، میرے دل میں اس وقت وہی آیا، جو اس کو مشورہ دیا، سو

ایسے شخص سے واقعی غلطی کم ہوتی ہے۔ ص۱۳۰ حصہ مذکور

(۸۸) حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک حکایت مولانا گنگوہیؒ سے سُنی ہے کہ سہارنپور میں ایک مکان تھا، اُس میں جن کا سخت اثر تھا جس وجہ سے وہ مکان متروک کر دیا تھا۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحب پیران کلیر سے واپس ہوتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے، تو مالک مکان نے حضرت کو اسی مکان میں ٹھہرایا کہ حضرت کی برکت سے جن دفع ہو جائیں گے رات کو تہجد کے واسطے حضرت اُٹھے اور معمولات سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سامنے آکر بیٹھ گیا۔ حضرت کو حیرت ہوئی کہ سوائے میرے اندر کوئی نہ تھا اور کنڈی لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ کیسے آیا۔ حضرت نے پُوچھا کہ تم کون ہو اُس نے کہا کہ حضرت! میں وہ شخص ہوں جس کی وجہ سے یہ مکان متروک ہو گیا ہے۔ یعنی جن ہوں۔ میں مدت دراز سے حضرت کی زیارت کا مشتاق ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے آج میری تمنا پوری کی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ محبت کا دعوےٰ کرتے ہو اور پھر مخلوق کو ستاتے ہو، توبہ کرو۔ حضرت نے اس کو توبہ کرائی، پھر فرمایا کہ دیکھو سامنے حافظ صاحب (محمد ضامن صاحب) تشریف رکھتے ہیں، ان سے بھی ملے ہو۔ اس نے کہا نہ حضور! اُن سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی، وہ بڑے صاحب جلال ہیں، ان سے ڈر لگتا ہے، صاحبو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری وہ شے ہے کہ جن وانس سب مطیع ہو جاتے ہیں ص۱۳۸ حصہ مذکور

(۸۹) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب جب تھانہ بھون میں رہتے تھے، ایک پٹھان حضرت کی خدمت میں دُعا کرانے آیا کرتے تھے کہ مجھ پر ایک شخص نے جائیداد کے معاملے میں بڑا ظلم کر رکھا ہے، حضرت دُعا فرما دیتے، ایک بار آکر کہنے لگے کہ اب تو اس نے حد ہی کر دی اور جائیداد غصب ہی کر لے گا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی صبر کر۔ اس نے کہا بہت اچھا، دفعتاً حافظ محمد ضامن صاحبؒ حجرے میں سے نکل آئے اور اس پٹھان سے فرمایا: ہرگز صبر مت کرو، جاؤ نالش کرو اور ہم دُعا کریں گے اور حضرت سے فرمایا: آپ تو

صابر و شاکر رہتے۔ سب چھوڑ کر بیٹھ رہتے۔ اس میں تو اتنی قوت نہیں۔ یہ اگر اسباب معاش چھوڑ دے گا تو جب حاجت ستائے گی۔ یہ جھوٹی گواہی دے گا، چوری کرے گا، تو ایسوں کو صبر نہیں کرایا کرتے۔ ص۲۵ نفی الحرج

(۹۰) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب جیسے عالم اور بزرگ نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی مدح میں ایک جملہ ارشاد فرمایا جو نہایت جامع ہے۔ فرمایا کہ حضرت قبلہ (حاجی صاحبؒ) اولیائے سلف کے مشابہ ہیں، اب ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں اور مولانا مرحوم کے نزدیک بوجہ محقق ہونے کے حالانکہ کشف کی کچھ معتد بہ وقعت نہ تھی۔۔ لیکن حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ کے کشف پر بڑا اعتماد تھا چنانچہ حضرت مولانا (مظفر حسین صاحب) مرحوم مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے اور اشتیاق تھا کہ مدینہ منورہ میں وفات ہو، حضرت حاجی صاحب سے استفسار کیا کہ میری وفات مدینہ میں ہوگی یا نہیں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں؟ عرض کیا کہ حضرت یہ عذر تو رہنے دیجئے، جواب مرحمت فرمائیے حضرت (حاجی صاحبؒ) نے مراقب ہو کر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے، مجھ کو تو ایسا ہی علم ہوا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے۔ بس مولانا صاحب کو بڑا اعتماد ہو گیا حتیٰ کہ لوگوں سے کہنا بھی شروع کر دیا۔

ف: یہاں سے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا کس درجہ کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے اکابر علماء اتقیاء کو آپ کی جناب میں کس قدر عقیدت تھی اور یہ حضرات انتم شہداء اللہ فی الارض کا مصداق ہیں اور کشف کسی درجہ کا ہو۔ اس سے علم ظنی ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ مولانا (مظفر حسین صاحب مرحوم) کو علم یقینی حاصل ہوا تھا، نیز عادۃ اللہ تعالیٰ اس طرح جاری ہے کہ اکثر اوقات اولیاء اللہ کا کشف صحیح ہوتا ہے اور احقر کے نزدیک منجملہ دیگر حکم کے ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ ان حضرات کی طرف کذب صوری بھی منسوب نہ کیا جاوے۔ قالہ جامع عفی عنہ۔ ص۲۳ م ۱۱۳ خیرت حصہ سوم

(۹۱) فرمایا حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ بزرگان دین جب کسی پر ناراض

ہوتے ہیں اور اس کو نکالتے ہیں، تو بظاہر خفا ہوتے ہیں، اس کی اصلاح کے لیے اور حقیقۃً اس کو کشش فرماتے ہیں اور جب کبھی دل سے خفا ہوتے ہیں تو پھر اس شخص کی طرف میلان ہی نہیں ہوتا اور محروم رہتا ہے، بزرگوں کی طرف تمہارا متوجہ ہونا اسی وجہ سے ہے کہ وہ تم سے محبت فرماتے ہیں، اصل یہی ہے گو بظاہر تمہاری کشش معلوم ہوتی ہے ج۱ ص۹۱ م

۲۰۳ خبرت حصہ سوم

(۹۲) فرمایا کہ نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری مرحوم نے ہجرت کا قصہ فرمایا :-
حضرت حاجی صاحب قبلہ نے ان کو تحریر فرمایا کہ آپ سخاوت مالیہ کا کام کسی اور شخص کے سپرد کر کے آویں خود اس کا بکھیڑا اپنے ساتھ نہ لاویں کہ یہ شغلی حجاب ہے، عاشق کی سخاوت جان خرچ کرنا ہے نہ کہ مال کا صرف کرنا اور مناسب تو یہ تھا کہ کریم (حق تعالیٰ) کے دولت خانے پر حاضر ہو کر اپنے خور و نوش کا بندوبست بھی ہندوستان سے نہ کیا جاتا کہ کریم کا مہمان ہو کر توشہ ہمراہ لے جانا بے ادبی اور بدظنی ہے، لیکن چونکہ آپ ابتداءً اسباب ظاہرہ کے خوگر ہیں، اس لیے خیر بقدر ضرورت اپنے خرچ کا انتظام کرنا مذموم نہیں کہ بغیر اس کے یکسوئی میں خلل کا اندیشہ ہے، پھر مولانا صاحب قبلہ نے فرمایا کہ نواب صاحب بہت سخی تھے، حضرت حاجی صاحب کو خیال ہوا کہ مکہ معظمہ میں رہ کر سخاوت کا دروازہ کھلا رکھیں گے اور یہ ان کے مقصود میں خلل انداز ہوگا، اس لیے ممانعت فرمائی، ظاہری خشک لوگوں کے نزدیک تو یہ انوکھی اور نامناسب بات ہے، لیکن محققین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا سبق اور دقیقہ ہے۔

ف : حدیث شریف میں ذکر اللہ (خدمت بدنی) کا افضل ہونا صدقہ (خدمت مالی) سے وارد ہے اور یکسوئی مطلوب طریق ہے

شعر

در جمعیت کوش تا ہمہ ذات شوے ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

(از انجامع ص۹۱ و ص۲۰۳ خبرت حصہ سوم)

(۹۲) فرمایا کہ حضرت جب یہاں وطن میں تھے تو مولانا گنگوہی نیز اور بھی بعض ذاکرین اپنے اپنے حالات حضرت (حاجی صاحب) سے بیان کرتے لیکن مولانا محمد قاسم صاحب کچھ بھی نہ بیان فرماتے، حضرت حاجی صاحب نے ایک دن پوچھا کہ آپ کچھ نہیں کہتے، مولانا محمد قاسم صاحب یہ سُن کر رونے لگے اور عرض کیا کہ حضرت حالات و ثمرات تو بڑے لوگوں کو ہوتے ہیں، مجھ سے تو جتنا کام حضرت نے فرمایا ہے، وہ بھی نہیں ہوتا، جہاں تسبیح لے کر بیٹھا، بس ایک مصیبت ہوتی ہے، اس قدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر کسی نے رکھ دیئے ہوں۔ زبان و قلب سب بستہ ہو جاتے ہیں، حضرت کے کامل یا شفیق ہونے میں شُبہ نہیں لیکن۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل　　کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ترجمہ: بدقسمت لوگوں کو رہبرِ کامل سے کیا فائدہ ہو، خضر علیہ السلام سا رہبرِ کامل سکندر کو آبِ حیات کے چشمے سے واپس لاتا ہے کیونکہ سکندر قسمت کا تہی دست تھا"

میں ہی بدقسمت ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو تو یہ حال سُن کر بے ساختہ حضرت فرماتے ہیں کہ مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا، اس زمانے میں مولانا محض نو آموز طالب علم تھے، اس وقت یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ اس قدر بڑے عالم ہونے والے ہیں، اب تو اس پیشین گوئی کا انطباق آسان ہے، لیکن اس وقت یہ فرما دینا عجیب و غریب بصیرت کا پتہ دیتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ تم سے حق تعالےٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے، جاؤ دین کی خدمت کرو، ذکر و شغل کا اہتمام چھوڑ دو۔

احمد جام فرماتے ہیں:

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ترجمہ: احمد تو عاشق ہے، مشیخت سے تجھ کو کیا کام؟ محبوب کا دیوانہ ہو، سلسلہ ہو یا نہ ہو نہ ہو: سبحان اللہ! حالت کو کیسا پہچانا، بصیرت کیسی زبردست تھی، پہچان غضب کی تھی۔

ص۳۹. روح الارواح

(۹۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب آغاز شباب میں ایک مرتبہ جنگل تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حافظ غلام مرتضےٰ صاحب مجذوب بیٹھے ہوئے ہیں اور چاروں طرف سے لوگ ان کو گھیرے کھڑے ہیں، حضرت حاجی صاحب نے مجمع میں سے جھانکا، حافظ صاحب نے دیکھ لیا۔ اشارے سے بلایا اور پاس بٹھا لیا، لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ تو کسی کو بھی منہ نہیں لگاتے ان پر اس قدر عنایت کیوں ہوئی، پھر حافظ صاحب نے فرمایا کہ تم پر مسئلہ وحدۃ الوجود خوب منکشف ہوگا، حاجی صاحب اس وقت اس قسم کے مسائل سے چونکہ بالکل خالی الذہن تھے اس پیشین گوئی سے کچھ ایسی دلچسپی نہیں ہوئی، لیکن ایک مدت کے بعد جب حاجی صاحب مثنوی پڑھتے ہوئے اس شعر پر پہنچے۔

جملہ معشوق ست عاشق پردۂ زندہ معشوق ست عاشق مردہ

تو مسئلہ وحدت الوجود منکشف ہوا اور حافظ صاحب کی پیشین گوئی پوری ہوئی ۱۲

شرح الصراط ص۱۹ م ۱

(۹۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے تین نکاح ہوئے۔ اول تو جناب بی بی خدیجہ ا- سے یہ بی بی مکہ معظمہ میں رہتی تھیں حضرت و جب خانگی خدمت کی حاجت ہوئی، تو ان سے نکاح کیا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو خدام نے عرض کیا کہ حضرت دوسرا نکاح کر لیجیے تاکہ راحت ہو تو حضرت نے فرمایا کہ تھانہ بھون میں بی بی خیر النساء ہیں، اگر وہ منظور کر لیں تو مضائقہ نہیں اتفاق سے یہ بی بی مکہ معظمہ تشریف لے گئیں اور حضرت کا ان سے عقد ہو گیا، حضرت حاجی صاحب ہجرت سے پہلے جب تھانہ بھون میں تشریف رکھتے تھے، تو ان بی بی سے حضرت کا خطبہ ہوا تھا، مگر [illegible]ت نے نکاح سے انکار فرما دیا تھا، اس لیے نکاح نہ ہو سکا، پھر ان بی بی کا نکاح

ایک اور صاحب سے ہو گیا، جن کا کچھ مدت کے بعد انتقال ہو گیا اور یہ بیوہ ہو گئیں، پھر حضرت سے بطریق مذکور نکاح ہوا، یہ بی بی مثنوی کی عالمہ تھیں انھوں نے بھی حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب ہی سے مثنوی پڑھی تھی، بہت بڑی عابدہ اور صاحب اوقات تھیں، جب میں (یعنی حضرت پیرومرشدنا و مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) مکہ معظمہ میں چھ ماہ رہا تو بڑے گھر میں سے میرے ہمراہ تھیں، یہ بی بی اس وقت حیات تھیں، بڑے گھر میں سے اکثر ان کی خدمت میں جایا کرتی تھیں، وہ بھی بے حد محبت فرماتی تھیں، بڑے گھر میں سے کہتی تھیں کہ حضرت حاجی صاحب میں اور ان بی بی صاحبہ میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ مرد ہیں اور یہ عورت، ورنہ جو کمالات حضرت حاجی صاحب میں معلوم ہوتے ہیں وہ ان میں بھی نظر آتے ہیں، یہ بی بی حضرت کی اس قدر خدمت گزار تھیں کہ باوجود اس کے کہ ان کے اعضا اور بینائی نے جواب دے دیا تھا، مگر جب حضرت حاجی صاحب کی آمد کی آہٹ پاتیں تو ٹٹولتی ٹٹولتی نیچے زینے میں پہنچتیں اور حضرت کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لاتیں، حضرت بالاخانہ پر رہا کرتے تھے، ان کی حیات ہی میں ایک بی بی قصبہ رامپور کے مکان میں رہتی تھیں جو حضرت سے بیعت بھی تھیں اور خانگی کاروبار بھی کیا کرتی تھیں، حضرت مکان پر تشریف لاتے، تو یہ بی بی حضرت کا ہاتھ پکڑ کر لانا چاہتیں، تو حضرت فرماتے نہیں نہیں یہ کیا کرتی ہو، نامحرم کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے، انھوں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضرت کو خدمت کی حاجت ہے اور مجھ سے ہے اجنبیت، جس کی وجہ سے بے تکلف خدمت نہیں لے سکتے تو پھر مجھ سے نکاح کر لیجئے تاکہ ہر طرح کی خدمت بے تکلف لے سکیں۔

حضرت نے تیسرا نکاح ان بی بی سے کیا، ان کا نام امۃ اللہ ہے، حاصل یہ کہ حضرت حاجی صاحب کا نکاح تین بیبیوں سے ہوا۔ بی بی خدیجہ، بی بی خیرالنسا، بی بی امۃ اللہ، پہلی بی بی کا حضرت کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا اور یہ دونوں حضرت حاجی صاحب کے بعد زندہ رہیں رحمہن اللہ تعالیٰ ص۱۱ م ۲۰ سراج القراط

(۹۶) فرمایا حضرت حاجی صاحب قبلہ کی زوجہ مطہرہ حضرت پیرانی صاحبہ بڑی بزرگ تھیں۔

حضرت قدس سرہٗ کی وفات کے بعد تو بظاہر سلسلہ رزق کا ختم ہو چکا تھا۔ میں نے یہاں سے عریضہ لکھا کہ اگر حضرت یہاں تشریف فرما ہوں تو خدمت کرنے میں خدام کو سہولت ہو۔ جواب حضرت فرمایا کہ ابھی تو ہماری عدت ختم نہیں ہوئی۔ اس لیے اس باب میں ہم گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔ میرے قلب میں اس جواب کی بڑی عظمت ہوئی لحسن توکلہا علی اللہ تعالیٰ ورعایتہا احکام العدۃ محلیۃ بالغۃ ۱۲ جامع ۔ بعد عدت میں نے پھر عریضہ لکھا۔ اس کے جواب میں وہاں سے والا نامہ آیا کہ ہم عورتیں ناقص العقل ہیں تم (یعنی سیدی مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ اور مولانا رشید احمد صاحب جو مناسب سمجھو ہم اس پر عمل کریں میں نے حضرت مولانا قدس سرہٗ سے عرض کیا۔ فرمایا کہ وہیں رہنا مناسب ہے۔ میں نے عریضہ لکھ دیا کہ حضرت کی یہ رائے ہے اور خرچ جناب کی خدمت میں بھیجا جایا کرے گا۔ ہم کو بے تکلف اس کا اندازہ بتلا دیجیے پھر وہاں سے خط آیا کہ عبدالکریم صاحب برادر شیخ الٰہی بخش صاحب (مرحوم ساکن میرٹھ ۱۲ جامع نے ۳۰ روپیہ ماہانہ مقرر کر دیا ہے۔ اب ہم کو حاجت نہیں اور حاجی صاحب قدس سرہٗ نے مکان اپنی زندگی میں وقف کر دیا تھا اور باقی اسباب پیرانی صاحبہ نے موافق شریعت کے تقسیم کر کے اپنا حصہ فروخت کر کے اس کا کھانا کھلا کر ایصال ثواب حضرت کے لیے کر دیا۔ پھر حضرت (پیرومرشد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ اس جواب کی میرے دل میں بہت ہی زیادہ قدر ہوئی کہ سنت کا کس قدر اتباع ہے۔ سنت کے حکم کے موافق اپنے کو ناقص العقل قرار دیا اور اپنی اولاد (روحانی ۱۲ جامع) کے اتباع پر تیار ہو گئیں۔ ص۵ م ۵ خبر حصہ سوم

(۹۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ایک محبت پیدا کی تھی۔ ان کو اگر محبت اللہ فی الارض کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ جس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی۔ کئی روز تک حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ کو دست آتے رہے۔ اس قدر صدمہ اور رنج ہوا تھا۔ بظاہر معلوم نہ تھا کہ اس قدر محبت حضرت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت گنگوہیؒ حضرت قدس سرہٗ کی نسبت بار بار رحمۃ العالمین فرماتے

ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کتابوں میں بھی آپ کا نام آیا ہے (کسی عبارت میں ایسا جملہ تھا کہ با امداد اللہ ایسا ہوا) مزاحاً فرمایا کہ اگر کوئی ہم سے اعتراض کرے کمبختی نہ آجائے، حضرت کے ہاں نہ جبہ تھا۔ نہ خاص لباس تھا دیکھنے سے تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے معلوم ہوتے تھے، مگر اہل بصیرت کی نظر میں ایک شان تھی۔ الافاضات الیومیہ ص ۱۰۵ ملفوظ ۱۲۵

(۹۸) (ایک) مولوی ..... صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی جگہ بیٹھتے تھے جس جگہ حضرت (والا) بیٹھتے ہیں، فرمایا کہ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی تحقیق کی، اتنا ضرور معلوم ہے کہ بیٹھنے کی جگہ بھی سہ دری ہے، اس سہ دری کے متعلق مختلف اجزاء مختلف لوگوں سے سنے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ یہاں پر پہلے یہ سہ دری نہ تھی، بلکہ ایک میدان تھا اس میں کچھ درخت تھے، ایک درویش حسن شاہ نامی انہوں نے یہاں پر قیام کر لیا تھا، درویش تو وہ ایسے ہی تھے، سماع وغیرہ کا بہت شوق تھا، مگر جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر آنا شروع کیا تو حسن شاہ یہاں سے اٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے۔ حضرت نے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا، یہ محض ان کا ادب تھا کہ بدون حضرت کے فرمائے چلدیئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نرے کورے ہی نہ تھے، پہلے تو یہ لوگ بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے، اس کا یہ اثر ہوتا تھا اور اب تو کثرت سے فاسق و فاجر نفس پرست ہونے لگے ہیں، دین کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، نہ علم کا ادب نہ اہل علم کا ادب، نہ شریعت مقدسہ کا قلب میں احترام، بالکل آزاد، نہ خدا کے، نہ رسول کے، جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں، پہلے درویش علم اور اہل علم اور شریعت مقدسہ کا احترام کرتے تھے گو بظاہر بعض حدود سے متجاوز ہوگئے تھے، مگر ان کے باطن میں شریعت کا ادب و وقعت و عظمت و احترام ہوتا تھا۔ اب تو نہ معلوم کیا، ان لوگوں پر بلا نازل ہوگئی ہے، قطعاً حس نہیں، ان کی حرکات سن سن کر افسوس ہوتا ہے، جھوٹے جھوٹے مسائل جھوٹی جھوٹی روایتیں گھڑ رکھی ہیں، خود بھی گمراہ اور دوسروں کو

بھی گمراہ کرتے ہیں، عوام بھی ایسے ہی مکاروں کے معتقد ہو جاتے ہیں، جتنا جس کو خلافِ شریعت دیکھتے ہیں اُتنا ہی کامل سمجھتے ہیں، ان کے یہاں بزرگی کے لوازم میں سے ہے کہ خلافِ شریعت ہو نہ نماز ہو، نہ روزہ، چاروں ابرو کا صفایا ہو، لنگوٹا بندھا ہو، وہ درویش ہے، صوفی ہے، کامل ہے، ولی ہے: قطب ہے، غوث ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ مولانا ایسوں ہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

کارِ شیطاں میکند نامت ولی　　گر ولی این ست لعنت بر ولی

غرضیکہ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حسن شاہ خود ہی اس مسجد کو چھوڑ کر رشد و ولایت میں چلے گئے اس کے بعد یہ سہ دری تیار ہوئی، اس کا بھی عجیب واقعہ ہے، یہاں ایک خاندان تھا، ان کے پاس کچھ زمین تھی، وہ شاہی زمانے سے معافی میں تھی، انگریزوں نے اس پر مالگزاری لگادی اس پر ان لوگوں نے مقدمہ لڑا، اس میں بھی ناکام رہے تو الٰہ آباد اپیل کی، حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون تشریف لایا کرتے تھے، ان سے دُعا کے لیے عرض کیا کہ حضرت دُعا فرما دیں یہ مقدمہ اپیل میں ہمارے حق میں کامیاب ہو جائے۔ فرمایا کہ ہمارے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں پر ایک سہ دری بنوا دو، ہم دُعا کریں گے، عرض کیا کہ بہت اچھا، حضرت نے دُعا فرما دی اور وکیل نے اطلاع دی کہ کامیابی ہو گئی۔ ان لوگوں نے حضرت میاں جی صاحب کو بھی خبر کی، حضرت نے فرمایا، وعدہ بھی یاد ہے، اب لوگوں کو خیال ہوا کہ دُعا تو کر ہی چکے ہیں عرض کیا کہ حضرت پورے مصارف کا تو تحمل نہیں، جو کچھ اس سہ دری میں صرف ہوگا، اس کا نصف صرفہ ہم لوگوں کے ذمے ہے۔ فرمایا، بہت اچھا، نصف ہی سہی، بڑے خوش ہوئے کہ آدھے میں کام بن گیا، پھر جو باقاعدہ اطلاع آئی تو وہ یہ تھی کہ سائل کی حینِ حیات تک معاف، پھر تو بڑے گھبرائے اور پھر حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہوا، فرمایا: تم نے ہی تو کہا تھا کہ نصف، میں نے نصف منظور کر لیا، کام بھی نصف ہی ہو گیا، عرض کیا کہ حضرت ہم پوری سہ دری بنوا دیں گے، فرمایا، جاؤ اب کیا ہوتا ہے، اس

حضرت سے یہ سہ دری تیار ہوئی۔ فرمایا کہ غدر کے زمانے میں اس سہ دری میں آگ لگادی گئی تھی، اس حجرے کا در اور کواڑ پر اب تک جلے ہوئے کا اثر ہے۔ یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے ہی کے ہیں، لوگوں نے مجھ سے کہا بھی کہ ان کو نکلوادو، میں نے کہا کہ نہ بھائی، اس کو میں نہ نکلواؤں گا اور یہ اس خیال سے کہ ان کو حضرت کا ہاتھ بھی لگا ہوگا اور کبھی اس چوکھٹ کو سر بھی لگا ہوگا، کبھی کبھی حجرے میں آتے جاتے میرا خود بھی سر لگ جاتا ہے، ہاں چھت اس حجرے کی بالکل ہی جل چکی تھی، اس کو بدلوادیا گیا اور نئی کڑیاں ڈلوادیں، ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جس جگہ بزرگ رہتے ہیں، اس جگہ میں ایک خاص برکت اور نور ہوتا ہے فرمایا: میں نے خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنا ہے، فرمایا کرتے تھے۔ جائے بزرگاں بہ جائے بزرگاں۔ واقعی برکت ضرور ہوتی ہے، فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے تھے، ان کی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا ہوں تو زیادہ انوار و برکات محسوس ہوتے ہیں اور جگہ میں یہ بات نصیب نہیں ہوتی، یہ تو مشاہدہ ہے۔ الاضافات الیومیہ ص۱۰۶ ، ملفوظ ۱۳۹

(۹۸) فرمایا کہ لوگوں کے قلوب میں اعمال کی قدر نہیں، کسی خالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت! جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگ کیسے گستاخ ہوتے ہیں، حق تعالے رحم فرمائیں، کیسی جرأت کی بات ہے، ایسے لوگوں کے دل میں خشیت کا نام نہیں معلوم ہوتا، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی کہ کس درجہ کی چیز ہے، فرمایا کہ یہی سب کچھ ہے۔ اگر حق تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمادیں اور بلا حضورِ قلب ہی اٹھک بیٹھک ہوجایا کرے، بڑی دولت ہے، الاضافات الیومیہ ص۱۱۸ م ۱۵۹

(۹۹) فرمایا کہ ہمارے حضرت، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں، ہندوستانی لوگ جو حج

کو جاتے تھے، تبرک مانگتے تھے، حضرت کی یہ حالت تھی، کسی کو تہمد اور کسی کو کرتہ اور کسی کو ٹوپی دے رہے ہیں آخر کہاں تک؛ کوئی انتہا نہ تھی، بعض اوقات اِس تقسیم کی بدولت حضرت کے پاس کپڑے نہ رہتے تھے، عرب کا طریق نہایت پسندیدہ ہے کہ اپنی چیز کو تبرک بنوالیا جائے

الاضافات الیومیہ ص۱۹۰ ام ۱۹۰

(۱۰۰) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انکسار اور شانِ عبدیت کا کیا ٹھکانا، فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی ستاری یہی ہے کہ میرے عیوب کو اہلِ نظر سے چھپا رکھا ہے۔ یہ باتیں کہنے سے سمجھ میں نہیں آتیں مگر کہنا پڑتی ہیں جن پر یہ باتیں گزرتی ہیں وہی خوب جانتے ہیں، یہاں قال سے کام نہیں چلتا، یہاں ذوق کی ضرورت ہے۔ الاضافات الیومیہ ص۱۱۹ م ۱۹۱

(۱۰۱) فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں القاب کی جگہ یہ لکھا تھا کہ ربّ المشرقین والمغربین، حضرت نے وہ خط حاضرین کو پڑھنے کے لیے دیا، اب جو دیکھتا ہے، ہنسی کی وجہ سے بے تاب ہو جاتا ہے، حضرت کو پڑھ کر کوئی سُنا نہ سکتا تھا آخر وہ میرے (یعنی حضرت مولانا مرشدی حکیم الامۃ شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) پاس آیا، میں نے ہنسی کو ضبط کر کے حضرت کو سُنایا، حضرت بڑے ہی حلیم تھے، سُن کر فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، جہل بھی کیا بُری چیز ہے، یہ فرما کر اس شخص کی معذوری بیان فرمادی کہ بوجہ بے علمی کے ایسا ہوا...... ایک مولوی...... صاحب نے عرض کیا کہ دوسروں نے جو حضرت کو پڑھ کر سُنایا، کیا حضرت خود نہیں پڑھ سکتے تھے، فرمایا: پڑھ سکتے تھے، مگر تکلف کے ساتھ، اس لیے کہ حضرت کی نگاہ کمزور ہو گئی تھی۔ الاضافات الیومیہ ص۱۳۱ ام ۱۷۳

(۱۰۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس بارے میں بہترین فیصلہ ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری کوشش سے اس سے زیادہ مجھ کو نفع پہنچانے والا نہیں مل سکتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس فن کے امام تھے، مجتہد تھے، وہ شان تھی جس کو فرماتے ہیں۔

بینی اندر خود علومِ انبیاءؑ   بے کتاب و بے معید و اوستا

جلد مذکور ملفوظ ۱۷۵

(۱۰۳) فرمایا: حاجی صاحب قدس سرہٗ نے خود ایک سوال ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر شئے کو ایک خاص کام میں لگا رکھا ہے، آفتاب اپنا کام کرتا ہے چاند اپنے کام میں مشغول ہے، علیٰ ہٰذالقیاس۔ اور یہ سب عبادت ہے۔ پھر آیت میں وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون میں عبادت کے ساتھ جن و انسان کی تخصیص کیوں کی گئی کہ عبادت کو صرف ان ہی دونوں کے خلق کی غایت ارشاد فرمائی، پھر حضرت قدس سرہٗ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ گو عبادت میں سب مشغول ہیں، مگر ان کی عبادت کی ایک ممتاز شان ہے جس کو عبدیت کہنا چاہیئے، وہ یہ کہ ہر مخلوق کی ایک خاص عبادت ہے، جیسے خاص ملازموں کی خاص ملازمت ہوتی ہے اور ثقلین کی عبادت کوئی معین نہیں، جیسے غلام کی کوئی خدمت معین نہیں ہوتی، پس اس آیت میں انسان اور جن کی عبدیت کی یہ خاص شان بتلائی ہے، اس کے بعد حضرت والا نے اسی سلسلے میں فرمایا کہ انسان کا ہر کام محدود ہے، مگر صرف دو کام محدود نہیں، ایک ذکرِ قلبی، دوسرا ایمانِ قلبی۔ یہ دونوں عمل ہر وقت اور ہر حالت میں مطلوب ہیں، ملفوظ سراج القراط ۴

(۱۰۴) ایک شخص نے حاجی صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ بھائی میرے پاس نامرادی ہے، جہاں مراد ہو وہاں تم کو جانا چاہیئے۔ میں (یعنی حکیم الامۃ مولانا مرشدی شاہ محمد اشرف علی صاحب مد فیوضہم) نے دل میں خیال کیا کہ نامرادی سے حضرت کا کیا مطلب ہے آخر خود ہی خلوت میں مجھ سے بیان فرمایا کہ نامرادی سے مراد عشق ہے، عاشق کبھی اپنی مراد کو نہیں پہنچتا، کیونکہ مقصود پا کر آگے طلب میں اور ترقی ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔

لب از تشنگی خشک بر طرف جوئے   دلارام در بر دلارام جوئے
نگویم کہ بر آب قادر نیند   کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

مقالات حکمت دعوت عبدیت جلد ہشتم ص۳۰۹ م ۳۵

(۱۰۵) مولانا محمد حسین صاحبؒ الہ آبادی خلیفہ حضرتؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حاجی صاحب کے یہاں تم نے کیا دیکھا کہ جو مرید ہوئے، اس کے جواب میں کہا کہ وہاں اسی واسطے مرید ہوئے کہ کچھ نہیں دیکھا۔۔ م ۳۶

(۱۰۶) فرمایا کہ مجھ سے حکیم الامۃ مولانا مرشدی محمد اشرف علی صاحب مد فیوضہم، لوگوں نے پوچھا کہ تم لوگ عالم ہو کر حاجی صاحب کے پاس کیوں جایا کرتے ہو، میں نے اس کے جواب میں کہا کہ بھائی میرے پاس تو الفاظ ہی الفاظ ہیں، وہاں معانی ہیں اور الفاظ ہمیشہ محتاج معانی ہوتے ہیں اور معانی محتاجِ الفاظ نہیں ہوتے ہیں، جلد مذکور ۔۔ م ۳۷

(۱۰۸) حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ میں عطر لگاتا ہوں تو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اور ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو اس لیے کہ اس سے اچھی طرح سے ہر رگ و ریشہ سے حق تعالےٰ کا شکر ادا ہو جاتا ہے، مقالات حکمت، دعوات عبدیت جلد ہشتم ص۱۲۲ م ۱۰۰

(۱۰۹) حاجی صاحبؒ کی نسبت صحابہ کی سی سادہ اور لطیف ہے، ذکر اور اطاعت کے سوا کچھ وہاں نہیں رہتا۔ جلد مذکور ۔ ۳۹

(۱۱۰) مولوی منور علی صاحب حضرت حاجی صاحب کے خادم تھے، ان کو حاجی صاحب نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا مال اہل حاجت غرباء کو تقسیم کر دینا، انھوں نے مستحقین کی ایک فہرست تیار کی اور مشورے کے لیے حضرت کو دکھلائی۔ حضرت نے پوچھا، اس میں فلاں فلاں کے نام نہیں، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ چالاکی ہوشیاری سے کما لیتے ہیں، میں نے ایسوں کے نام لکھے ہیں جو محض اہل توکل ہیں۔

حضرت نے فرمایا: واہ صاحب، تم نے خوب سمجھا، دیکھو چیز دیتے ہیں قدردان کو اور

تم نے ایسوں کا نام لکھا ہے، جن کو ہفت اقلیم کی بھی قدر اور پرواہ نہیں اور جو لوگ محبِ دنیا ہیں اور اس کے قدر دان ہیں، ان کا نام ہی نہیں، دوسرے ان کی تو اللہ میاں نے ذمہ داری کر رکھی ہے کیونکہ وہ متوکل ہیں اور متوکلین کے لیے وعدہ ہے۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ جو خدا پر توکل کرتا ہے، خدا اُس کے لیے کافی ہے اور ان حریصوں کی یہ خاص قسم کی ذمہ داری نہیں گو بمعنے الاعم ان کی بھی ہے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا، ان کو تم نے محروم رکھا۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں علاوہ باطنی برکات کے ہر وقت زبان سے بھی گوہر نثار ہوتے رہتے تھے، وعظ الاشراف ص ۳۱

(۱۱۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی اگر شیخ کو ریاء لغوی سے نفع غیر مقصود ہو، مثلاً پہلے سے اقتصار نوافل و اختصارِ تطوعات کا قصد تھا، مرید کو دیکھ کر اقتصار نہ کیا، تاکہ مرید تقلیل نہ کرنے لگے۔ ریا اس کا نام ہی ہے، ورنہ در اصل یہ ریا نہیں، اگر ہے تو لغوی، جو غیر مذموم بلکہ ممدوح ہے۔ پس ریا منقسم بقسمین ہے، اول لغوی، دوم اصطلاحی، لغوی کے معنے نمائش کردن گو برائے مصلحتِ دین باشد اور اصطلاحی کے معنے نمائش کردن برائے مصلحتِ دنیا، تو وجہ خیریت نفع عام و ترغیب و تشویق غیر ہوئی اور کبھی شیخ کی نظر اس سے بالا ہوتی ہے، یعنی اس کا مطمح نظر تحدث بالنعمۃ ہوتا ہے… واما بنعمۃ ربک فحدث لیکن یہ کام اکابر کا ہے، اصاغر کو اس میں آمیزش نفس میں فرق نہیں ہوتا۔ یہ مزلۃ الاقدام ہے لہٰذا اقدام مناسب نہیں اور بعض کا محط بصر اس سے بھی بلند ہوتا ہے۔ (ملفوظ ہفت اختر ص ۹۹)

(۱۱۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، جب تک آدمی مجرد رہتا ہے انسان ہے اور جب شادی ہو جاتی ہے تو چارپایہ ہو گیا اور بال بچے ہو کر مکڑ بن جاتا ہے۔ وعظ ازالۃ الغین ص ۳۰ سلسلہ التبلیغ ص ۱۳۶

(۱۱۲) ایک واقعہ یاد آیا۔ شیخ اسعد آفندی جو ایک رومی بڑے شیخ تھے، ہمارے حضرت

حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے گو حضرت کی تقریر اُردو میں ہو رہی تھی اور وہ شیخ اُردو بالکل نہ سمجھتے تھے، مگر حظ انھیں بھی حاصل ہو رہا تھا، ایک مولوی نیاز احمد حضرت کے خادم تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ اُردو سمجھتے ہوتے تو ان کو بھی بہت لطف آتا، حضرت نے فرمایا، نہیں جی! یہاں اس ظاہری زبان کی ضرورت نہیں، فوراً برجستہ دو شعر مثنوی شریف کے پڑھ دیئے۔

پارسی گو گرچہ تازی خوشترست　　عشق را خود صد زبان دیگرست
بوئے آں دلبر چو پراں میشود　　ایں زباں ہا جملہ حیراں میشود

وعظ آثار المربع ص۲۵

(۱۱۳) ہمارے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے انتقال کے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب سے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کیا جائے، انھوں نے کہا، حضرت یہ تو نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک نئی بات ہے جس کو فقہا نے اس خیال سے کہ عوام سنت نہ سمجھ لیں، پسند نہیں کیا، فرمایا بہت اچھا، جو مرضی ہو، خیر بات آئی گئی ہوئی۔ اور کسی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی، کیونکہ خلوت میں گفتگو ہوئی تھی۔ مگر جب جنازہ اُٹھا تو ایک عرب کی زبان سے نکلا، "اذکروا اللہ"۔ بس پھر کیا تھا، سب لوگ بے ساختہ ذکر کرنے لگے اور لا الٰہ الا اللہ کی صدائیں برابر قبرستان تک بلند رہیں۔ بعد میں مولوی اسمٰعیل صاحب اس گفتگو کو نقل کر کے کہتے تھے کہ ہم نے حضرت کو تو منوا دیا مگر اللہ تعالیٰ کو کیونکر منوائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی تمنا پوری کر دی۔ سچ ہے ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　می دہد یزداں مراد متقیں

اللہ تعالیٰ متقین کی مراد پوری کرتا ہے۔ انھیں اللہ کا نام سُننے سے زندگی میں بھی لذت آتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ وعظ الامتحان ص۱۹

(۱۱۴) ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے۔ سچ تو یہ ہے عجیب و

غریب تحقیق ہے یعنی فرماتے تھے کہ شیخ کامل کو چاہیے کہ رذائل نفس کا ازالہ نہ کرے، بلکہ امالہ کردے بخل رہے، بخل ہی، مگر اس کا محل بدل دیا جاوے۔ بخل کو کھول کر سخاوت نہ پیدا کی جائے، اسی طرح سمجھو کہ غصّہ بھی بڑے کام کی چیز ہے۔ اگر غصّہ نہ ہوتا تو اسلام ہی نہ پھیلتا۔ اسلام جو پھیلا تو غصّے ہی کی بدولت کیونکہ مقابلے میں کافروں کے غصّے ہی میں جان دینا اور جان لینا آسان ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اگر بخل نہ ہوتا تو رنڈیوں، بھڑووں، بدمعاشوں میں خوب مال لٹاتا، یہاں تک کہ مستحقین کی بھی نوبت نہ آتی، اب مستحقین ہی کو دیتے ہیں۔ چھانٹ چھانٹ کر۔ یہ بخل ہی کی تو برکت ہے، غیر مستحقین کو نہ دینا یہ بخل ہی تو ہے، لیکن یہ بخل جو ہے، سخاوت کی ماں ہے، اس کا باپ ہے، سخاوت خود محتاج ہے اس بخل کی (وعظ تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال ص ۲۳)

(۱۱۵) فرمایا حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہم اول تو عاشق نہیں اور اگر ہیں تو عاشق احسانی ہیں، عاشق ذات وصفات نہیں، جب تک احسان رہے محبت والفت ہے، ذرا توقف ہوا گھبراہٹ، بے چینی کی شکایت ہوئی۔ فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن ۵ واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن ۵ اور یہی راز ہے کہ زاد راہ سفر حج میں شرط ہے تاکہ کلفت نہ ہو اور مشقت سے مشوش پریشان نہ ہو اور محبت والفت ضعیف نہ جاتی رہے اور موضع مدح میں جو وارد ہے۔ یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر۔ جس سے راجل کو اجازت اور اس کی مدح معلوم ہوتی ہے، سو یہ مطلق نہیں بلکہ عشاق کے واسطے ہے انکو یہ جائز ہے اور وہ تنگ نہیں ہوتے، چنانچہ کسی فقیر شخص کو سفر حج میں تکلیف اٹھاتے ہوئے دیکھ کر ایک رئیس نے کہا، ہمیں تکلیف نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ غرباء فقراء تو خوانده مہمان ہیں اس واسطے مصائب نوائب جھیلتے ہیں اور ان کی بے قدری ہوتی ہے اور رؤسا، امراء خوانده مہمان ہیں اس واسطے راحت وآرام سے رہتے ہیں اور ان کی خاطر ہوتی ہے، اس نے کہا یہ بات نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ تو گھر کے آدمی ہیں اور آپ لوگ غیر ہیں اور قاعدہ ہے کہ

کہ تقریبات میں اجنبی مہمان کی پوچھ ہوتی ہے اور گھر والوں کی نہیں ہوتی۔ ملفوظ ہفت اختر ص۳۵ م۵۵

(۱۱۶) فرمایا ایک شخص سماع کے شوقین حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری رغبت مبدل بہ نفرت ہو جائے گی، انھوں نے بہت تعجب کیا کہ مجھے تو اس کے بغیر چین نہیں، ہر وقت اسی کا دھیان ہے اور حاجی صاحب یہ فرماتے ہیں، غرض یہ کہ سفر میں ایک ایسے مقام پر ٹھہرے کہ وہاں سماع ہو رہا تھا، کہتے تھے: اتنی نفرت ہوئی کہ قلب چاہتا تھا اس تمام جلسے کو درہم برہم کر دوں، یہ حضرت کی صحبت کا اثر و کرامت تھی۔

حکایات جناب مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ مولوی شیخ محمد صاحبؒ اکثر جوش میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نرا بزرگ نہیں ہوں بلکہ رئیس بھی ہوں، پھر فرمایا کہ مولانا پر نقشبندیت غالب تھی اور ہمارے حضرت حاجی صاحب پر چشتیت غالب تھی ص۴۸ م۱۴۳ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحب کا قرضہ ایک ہندو پر آتا تھا، مولانا نے سب جج میں نالش کی وہاں سے ... ۵ روپیہ کی معہ سود کے ڈگری ہوئی، مولانا کو باوجودیکہ سخت حاجت تھی مگر سود سب چھوڑ دیا۔ سب جج مسلمان تھے، انھوں نے کہا کہ درمختار میں تو جواز کی روایت ہے، مولانا نے فرمایا کہ میں درمختار کس کس کو دکھاتا پھروں گا، عوام کو تو میرا فعل سند ہوگا۔

(۳) فرمایا کہ ایک شخص مولوی شیخ محمد صاحبؒ کے پاس چاند کی گواہی دینے آیا، مولوی صاحب نے پوچھا کہ نماز بھی پڑھتے ہو، کہنے لگا، مولوی جی ایک دفعہ سن کر کہ بے نمازی کے جنازے کی نماز نہیں ہوتی، پڑھ لی تھی، پھر تو ہماری توبہ ہے، (دیہات میں یہی حالت ہے، توبہ توبہ) ص۱۴۱ امثال عبرت حصہ اول

(۴) فرمایا کہ ایک شخص دہلی کے نئے مجتہدین سے آٹھ تراویح سن کر مولانا شیخ محمد صاحب کے پاس آئے تھے، انہیں تردد تھا کہ آٹھ یا بیس۔ یہ نئے مجتہد اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہیں کیوں

صاحب: حدیث میں بیس بھی تو آئی ہیں: ان پر کیوں نہ عمل کیا کہ ان کے ضمن میں آٹھ پر بھی عمل ہو جاتا بات کیا ہے کہ نفس کو سہولت تو آٹھ ہی میں ہے۔ بیس کیونکر پڑھیں اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے۔ کرتے ہیں اور شاذ اور ضعیف حدیث کو بھی سہارا بنا لیتے ہیں۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے غلاۃ (غلو کرنے والے) کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یہ بیشک عامل بالحدیث ہیں لیکن الف لام الحدیث میں عوض مضاف الیہ کے ہے اور وہ مضاف الیہ نفس ہے۔ یعنی عامل بحدیث النفس۔ تو واقعی یہ لوگ حدیث نفس کے عامل ہیں، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل نہیں۔ یہ لوگ اپنے نفس کے موافق احادیث تلاش کیا کرتے ہیں۔ جیسے کسی کی حکایت مشہور ہے کہ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں قرآن کا کونسا حکم سب سے زیادہ پسند ہے: کہا ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء (ترجمہ، اے رب ہم پر آسمان سے مائدہ یعنی خوان نازل فرما) تو اسی طرح انھوں نے بھی تراویح کی تمام احادیث میں سے صرف آٹھ رکعت والی حدیث پسند کی، حالانکہ بیس بھی آئی ہیں اور وتر کی تمام احادیث میں سے ایک رکعت والی حدیث پسند کی، حالانکہ تین رکعتیں بھی آئی ہیں، پانچ بھی آئی ہیں۔ سات بھی آئی ہیں خیر وہ بیچارے ان کے بہکانے سے تردد میں پڑ گئے، مولانا سے پوچھا، مولانا نے فرمایا کہ بھئی سنو۔ اگر محکمہ مال سے اطلاع آئے کہ مالگزاری داخل کرو اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ کتنی ہے، تم نے ایک نمبردار سے پوچھا کہ میرے ذمے کتنی مالگزاری ہے۔ اس نے کہا آٹھ روپے، پھر تم نے دوسرے نمبردار سے پوچھا، اس نے کہا بارہ روپے، اس سے تردد بڑھا تم نے تیسرے سے پوچھا، اس نے کہا، بیس روپیہ، تو اب بتاؤ، تمہیں کچہری کتنی رقم لے کر جانا چاہیے۔ انھوں نے کہا، صاحب بیس روپے لے کر جانا چاہیے۔ اگر اتنی ہوئی تو کسی سے مانگنا نہ پڑے گی اور اگر کم ہوئی تو رقم بچ رہے گی اور اگر میں فقط کم لے کر گیا اور وہاں ہوئی زیادہ۔ تو کس سے مانگتا پھروں گا۔ مولانا نے فرمایا، بس خوب سمجھ لو۔ اگر وہاں بیس رکعتیں طلب کی گئیں اور ہیں تمہارے پاس آٹھ، تو کہاں سے لاکر دو گے اور اگر بیس ہیں اور طلب کم کی ہے تو بچ رہیں گی اور تمہارے کام آئیں گی۔ کہنے لگے

ٹھیک ہے، سمجھ میں آگیا، اب میں ہمیشہ میں کہتیں پڑھا کروں گا، بس تسلّی ہو گئی، سُبحان اللہ! کیا طرز ہے سمجھانے کا، حقیقت میں یہ لوگ حکما اُمت ہوتے ہیں، ایک اور عامی شخص نے مولانا سے پُوچھا تھا کہ ولا الضالین ہے کہ ولا الظالین پُوچھا، قرآن میں لکھا کیا ہے، اس نے کہا، قرآن میں تو ولا الضالین لکھا ہے، آپ نے فرمایا: بس جو قرآن میں لکھا ہے، وُہی ٹھیک ہے واقعی ایسے عامی کو اس سے زیادہ سمجھانے کا اس سے بہتر کیا طریقہ ہو گا ص۹۰ تا ص۹۱ رُوح القیام

حکایات حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ حضرت حافظ محمد صاحبؒ نہایت آزاد منش تھے، آپ کے یہاں کبوتر بھی پلے ہوئے تھے، مگر اُڑاتے نہ تھے۔ ص۱۴۱ م ۳۶ حسن العزیز جلد دوم

(۲) فرمایا کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کی حکایت ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس واسطے ذکر کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ فرماتے ہیں: فاذکرونی اذکرکم یعنی احوال و کیفیاتِ باطنیہ پر نظر نہ تھی۔ امثال عبرت حصہ دوم ص۶۳

(۳) فرمایا حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت میاں جی (نور محمد) صاحبؒ کے ہمراہ جوتا بغل میں لے کے اور گردن میں توبڑہ ڈال کے جھنجھانہ جاتے تھے اور ان کے لڑکے کی سسرال بھی وہیں تھی، لوگوں نے منع کیا کہ آپ اس حالت سے نہ جایا کیجئے، وُہ لوگ ذلیل و حقیر سمجھیں گے۔ فرمایا: وُہ اپنی ایسی تیسی میں جاویں اور اپنے رشتے کو تُڑالیں، میں اپنی سعادت کو نہیں چھوڑ سکتا اور وُہ لوگ کہا کرتے تھے، ہائے تقدیر کیا ذلیل سمدھی ملا۔ یہ تو حافظ صاحبؒ کی کرامت معنویہ کا بیان تھا، پھر ایک کرامت حسیہ کا بیان کیا کہ پہلے اشراف و اَرذل عوام و خواص، سب دلہن کے ڈولے پر بکھیر کیا کرتے تھے، چنانچہ حافظ صاحبؒ بھی بکھیر کر رہے تھے۔ ایک جھنجھانوی شخص کے سر میں منصوری پیسہ لگا۔ بے چارہ بیٹھ گیا، سر خون آلودہ ہو گیا، جب وُہ شخص صلوٰۃ مغرب سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا، حافظ صاحب کو دیکھا کہ آپ نے اس سے معافی چاہی۔ اس نے معذرت

کی، ذرا آنکھ اوجھل ہوا، اس سے غائب ہو گئے۔ وہ سمجھا کہ حافظ صاحب سامنے بیٹھک میں چلے گئے ہوں گے، بیٹھک میں جا کر دریافت کیا، سب نے اُسے پاگل و دیوانہ بنایا، سمجھنے والے سمجھ گئے کہ حافظ صاحب کی کرامت ہے ص۱۳۴ مثال عبرت، حصہ دوم

(۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے حافظ محمد ضامن صاحب نے کہا کہ میرے اُوپر تمنائی موت اس قدر غالب ہے کہ خوف ہے کہ میں خودکشی نہ کرلوں اور یہ حالت سنت کے خلاف ہے، اس لیے خوف ہے کہ مذموم نہ ہو، فرمایا: میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے مقامِ ولایت عطا فرمایا اور جو تمنائے موت مذموم ہے، وہ وہ ہے جو کسی تکلیف اور مصیبت سے مجبور ہو کر ہو۔ (فرمایا حضرت والا نے، ان حضرات کی نظر دیکھئے، حدیث میں لفظ ضر اصابہ موجود ہے) اور جو تمنائے موت شوقاً للقاء اللہ ہو، وہ امارت ولایت ہے، لقولہ تعالیٰ ان زعمتم انکم اولیاء اللہ من دون الناس فتمنوا الموت ص۵ ، حسن العزیز جلد ۲

(۵) فرمایا کہ حافظ محمد ضامن صاحب سے ایک شخص نے بارہ تسبیح پوچھی، تو فرمایا، چلو چلو، بارہ تسبیح سُنت کی ہے جو تم کو بتلا دی جائے جس طرح ہم نے ناک رگڑ رگڑ کر حاصل کیا، تم بھی ناک رگڑو، تو بتلا دیا جائے گا، دعوات عبدیت، جلد ہشتم، مقالات حکمت ص۲۰۹

(۶) فرمایا کہ جناب حافظ محمد ضامن صاحب کسی قدر حقہ پیا کرتے تھے، جس وقت حافظ صاحب کا انتقال ہوا تو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کہ حقے کے بارے میں کیا حالت پیش آئی۔ فرمایا کہ اس کا ذکر آیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ جلد مذکور ص۲۲۲

حکایات حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں دو طالب علم گنگوہ کے حاضر ہوئے۔ مولانا کے یہاں سے اچھا کھانا دونوں صاحبوں کے واسطے آیا، ایک صاحب تو مزے کا دیکھ کر بہت سا کھا گئے اور دوسرے صاحب نے تھوڑا کھایا، انجام یہ ہوا کہ جب تک دونوں صاحب رہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی ان دوسرے صاحب کے لیے تو ہر روز اچھا ہی کھانا بھیجتی رہیں کہ یہ لطیف المزاج ہیں اور تھوڑا سا کھاتے ہیں اور پہلے صاحب کے لیے نوکروں، چاکروں کا سا کھانا آتا رہا، سمجھ لیا کہ یہ پیٹ بھرو ہے۔ حسن العزیز جلد دوم ص۱۰۷ ملفوظ ۲۳۷

(۲) فرمایا کہ مولانا احمد علی صاحب کو جب بیماری میں مولانا رشید احمد صاحب دیکھنے گئے، مولانا احمد علی صاحب نے خادم سے فرمایا کہ مولانا گنگوہی کا بچا ہوا کھانا مجھے دینا اس سے شفا ہوگی، جلد مذکور ص۱۱۴ م ۳۶۰

(۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قصہ فرماتے تھے کہ کسی نے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کی خدمت میں اعتراضاً عرض کیا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رح نے ایک بات تو ایسی لکھی ہے کہ ان پر کفر عاید ہوئے بغیر چارہ ہی نہیں اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سیکڑوں بنا ڈالے، اس بنا ڈالے میں ڈالے کا لفظ ایسا ہے جو تحقیر حضور سرور عالم پر دلالت کر رہا ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ بنا ڈالے میں لفظ ڈالے سے فعل کی تحقیر مقصود ہے، نہ کہ مفعول کی۔ مگر انھوں نے نہ مانا اور کہا کہ آپ تاویلیں کرتے ہیں، اس سے دو یا تین دن بعد ہی وہ صاحب معترض پھر حضرت مولانا کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ نے بہت سی حدیث اور تفسیر کی کتابیں چھپوائی ہیں کیوں کہ آپ کے یہاں مطبع موجود ہے۔ کاتب موجود ہیں سب سامان کاغذ وغیرہ موجود ہے۔ لہٰذا تفسیر بیضاوی بھی چھپوا ڈالیے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ وہی ڈالنا ہے، جس پر اس روز مولانا شہید کی تکفیر ہوتی تھی اب آپ نے تفسیر بیضاوی کی تحقیر کی چھپوا ڈالیے کہا اور قرآن شریف تفسیر کا جز ہے اور کل کی تحقیر سے جز کی تحقیر لازم آتی ہے لہٰذا آپ نے قرآن کی تحقیر کی، اب ان صاحب کی آنکھیں کھلیں اور اس جواب کی حقیقت سمجھے۔ جلد مذکور ص۱۱ م ۲۷

(۴) مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری کو ایک شخص نے آکر برا بھلا کہنا شروع کیا، مولانا چونکہ بڑے مرتبے کے شخص تھے۔ طالب علموں کو سخت غصہ آیا اور اس کے مارنے کو اٹھے، مولانا

نے فرمایا، بھائی سب باتیں تو جھوٹ نہیں کہتا، کچھ تو سچ بھی ہیں تم اسی کو دیکھو۔ امثال عبرت جلد دوم صـ۸۱

(۵) مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری فرماتے تھے کہ اگر آخرت میں بھی وُہی خدا ہے، جو یہاں ہے، تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہاں تو ہمارے حال پر بڑی عنایت فرماتے ہیں امید ہے کہ وہاں پر بھی یہی برتاؤ ہوگا، کیونکہ یہی خدا تو وہاں بھی ہے۔ وعظ الرحمۃ علی الامۃ صـ۳۶

حکایات حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

(از حسن العزیز جلد اول)

(۱) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی بڑے ظریف تھے، ایسی بات چپکے سے فرما دیتے تھے کہ سُننے والوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ جاتے تھے، لیکن خود بالکل نہیں ہنستے تھے اور، لوگ تو ہنس رہے ہیں اور آپ تسبیح لیے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر بڑا وقار تھا، اور بہت کم گو تھے، گو عام طور سے جو لوگ کم گو ہوتے ہیں، ان کا کلام بہت مختصر اور مبہم ہوتا ہے لیکن مولانا باوجود اس قدر کم گو ہونے کے جس وقت گفتگو فرماتے تھے تو نہایت صاف اور بلند آواز سے اور نہایت کافی، شافی تقریر ہوتی تھی، حضرت مولانا کو حق تعالےٰ نے ہر پہلو سے کامل فرمایا تھا، میں نے کوئی شخص ایسی عادات وصفات کا نہیں دیکھا۔ صـ۹۸ م صـ۹۰

(۲) حضرت مولانا گنگوہیؒ مسجد میں دیا سلائی نہ رگڑنے دیتے تھے کسی ناواقف نے مغرب کے وقت دیا سلائی مسجد میں رگڑ کر چراغ جلا دیا، ثلث شب گزر جانے کے بعد وہاں عشاء کی نماز ہوتی تھی، اتنا وقت گزر جانے کے بعد ہوا میں جو کچھ اثر باقی تھا، اس کو فوراً محسوس فرما کر ناراض ہوئے، کس نے دیا سلائی رگڑی ہے، اسی طرح حافظہ بھی قوی تھا فراست بھی اعلیٰ درجہ کی تھی، ایسی غضب کرتے تھے، نابینائی کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک بچہ دبے پاؤں آکر پیچھے سے بیٹھ گیا، فرمانے لگے، بچے کا سانس اس جلسے میں معلوم ہوتا ہے، ایک بار شیخ فضل حق کے لڑکے پیچھے سے آبیٹھے، فرمایا، فضل حق کی بُو آتی ہے۔ صـ۱۳۲ م صـ۱۶۹

(۲) [illegible] معاملہ کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی فرماتے

تھے کہ پیدل بھی آدمی تھکتا ہے اور کرایہ کے ٹٹو پر بھی تھکتا ہے، لیکن ٹٹو کا تھکنا عزت کا تھکنا ہے اور پیدل کا تھکنا ذلت کا تھکنا ہے، پھر فرمایا کہ پیدل میں آدمی بہت تھکتا ہے بہ نسبت ٹٹو کے، کیونکہ پیدل میں تو اس کا سارا بوجھ اسی کی ٹانگوں پر رہتا ہے اور پھر چلنا بھی پڑتا ہے اور ٹٹو کی سواری میں سارا بوجھ ٹٹو ہی پر ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ ٹٹو کے سوار کے مشابہ مرید ہوتا ہے کہ بوجھ تو سارا پیر ہی پر ہے مگر کچھ مشقت مرید کو بھی پڑتی ہے۔ ص۱۹۰ ام ۳۲۵

(۴) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں تمام اولیاء اللہ جمع ہوں اور ان میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہوں اور ہمارے حضرت حاجی صاحب بھی ہوں تو ہم تو حضرت حاجی صاحب کے سامنے حضرت جنیدؒ یا کسی اور کی طرف کبھی التفات بھی نہ کریں۔ حضرت حاجی صاحب ہی کے پاس پہونچیں، ہاں حضرت حاجی صاحب کو چاہیئے کہ وہ اُدھر التفات کریں، کیونکہ وہ ان کے پیر ہیں، ہمیں تو اپنے حضرت حاجی صاحب ہی سے مطلب ہے، ہمارے حضرت مولانا کو لوگ خشک کہتے ہیں، کسی کو کیا خبر خشک کس کو کہتے ہیں، سو واقعی۔

دلآرامی کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ص۱۵۳ ام ۴۳۹

(۵) ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے، حضرت حاجی صاحب سے مجھ کو اتنی نہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے سُن کر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے فرمایا کہ اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحب سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، مولانا نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ، استغفر اللہ، بھلا کہاں، حضرت کہاں میں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مجھے اس سے بڑی تکلیف ہوئی، بہت صدمہ ہوا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ خیر آپ ان سے بڑھے ہوتے نہ سہی، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ تکلیف آپ کو کیوں ہوئی، بس یہی ہے محبت، آپ تو کہتے تھے کہ مجھے حضرت سے محبت ہی نہیں، اگر محبت نہ تھی، تو یہ صدمہ کیوں ہوا، ویسے ہی اپنی افضلیت کی نفی کر دیتے، بس یہی محبت ہے، حضرت مولانا

گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی تم بڑے اُستاد ہو، بڑی بے تکلفی تھی آپس میں۔ ص ۳۵۶ م ۵۶۶

حسن العزیز، جلد اوّل۔

(۶) حضرت مولانا گنگوہی رح فرمایا کرتے تھے کہ میاں اگر ہم پہلے سے جانتے کہ مجاہدہ سے یہی حاصل ہوگا، جو اَب حاصل ہوا تو ہم کبھی بھی مجاہدہ نہ کرتے، خواہ مخواہ مشقتیں اُٹھائیں، مَیں نے کہا: جنھیں مل جایا کرتا ہے، وہ یوں ہی کہا کرتے ہیں، پھر ہمارے حضرت (مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ بات یوں ہے کہ جو کچھ ملتا ہے، محض فضل سے ملتا ہے، کسی کی کوشش سے نہیں ملتا، تو ملنے کے جب معلوم ہوتا ہے کہ محض فضل سے عطا ہوا ہے، کوشش سے کچھ نہیں ہوا، تو اپنی کوششیں اور ریاضت اور مجاہدے بیکار نظر آتے ہیں، وہ کھلی آنکھوں دیکھتا ہے کہ میری کوشش سے کچھ نہیں ہوا۔ مطلب یہ کہ میری کوشش کا تو کچھ دخل ہی نہ ہوا، محض خدا کا فضل ہو گیا، تو ظرافت کے طرز پر یہ کہتا ہے کہ ہم نے فضول کوششیں کیں، کیونکہ کام تو محض فضل سے بنا ہے، حالانکہ دراصل وہ فضل متوجہ ہوا ہے، اس کی کوشش ہی کی وجہ سے۔ ص ۴۲۳ م ۶۱۹

(۷) کبر کی مذمت کے سلسلے میں فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ بھی (جو کہ حضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی تھے) تشریف لے آئے اور کہا کہ آج تو بڑی ان کے (یعنی مولانا گنگوہیؒ کے) حال پر عنایت ہو رہی ہے کہ ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا: ہاں ہے، تو یہ ہی عنایت ہی کہ جو ساتھ کھلا رہا ہوں، ورنہ یہ کافی تھا کہ روٹی پر دال رکھ کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہہ دیتا کہ جاؤ، وہاں بیٹھ کر کھالو، یہ واقعی میری عنایت ہے کہ جو ان کو ساتھ کھلا رہا ہوں۔ پھر حضرت والا (مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ اس واقعہ کو نہایت فخر کے ساتھ سناتے تھے الفاظ تو واقعی حضرت حاجی صاحب نے ایسے ہی فرمائے تھے کہ دوسرا تو جل بھن کر کوئلہ ہی ہو جائے، پھر فرمایا کہ ہر شخص کے مجاہدہ کا طریق جدا ہے۔ بعض لوگوں پر صرف ایک ہی بات کہہ دینے کا اثر اتنا پڑتا ہے کہ دوسرے پر وہ اثر جد

ذلت کا بھی نہیں ہوتا، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے قلب میں کبر کا دخل نہ ہونے کے لیے حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ فرما دینا ہی بہت کافی تھا اور یہ حضرت حاجی صاحبؒ کی بصیرت وفقاہت کی کافی دلیل ہے، جیسا کہ فقہا نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کو تعزیر دینے کا جدا طریق ہے، اشرفا کو شرافت کے طرز سے اور اراذل کو ان کی حیثیت کا اندازہ کر کے تعزیر دی جائے ص۲۱ م ۵۵ حسن العزیز جلد دوم

(۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک شخص بغرض بعیت حاضر ہوئے، حضرت نے ان سے فرمایا کہ بھائی یہ بتاؤ کہ تم توبہ کرو گے یا فقیر بنو گے، انھوں نے کہا: میں توبہ نہیں کرتا بلکہ فقیر بنوں گا، پھر حضرت نے فرمایا کہ اگر توبہ کرو تو میں کرا دوں۔ فقیر تو میں خود بھی نہیں ہوں، تمھیں کیسے بنا دوں، اس پر وہ شخص بولے کہ تو پھر میں کسی اور ہی کے پاس جاؤں گا۔ ص۲۵ م ۴۳ جلد مذکور دوم۔

(۹) فرمایا کہ میں نے مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی کچھ کرامتیں لکھنے کو میرا دل چاہتا ہے، اگر کچھ واقعات بتلا دیجئے تو بہتر ہے، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ: بھائی ہم نے تو حضرت حاجی صاحب کو کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں، اگر تمھارا دل چاہتا ہے، تو خیر! اگر کوئی بات یاد آجاوے گی تو کہ دوں گا۔ پھر ایک مرتبہ مجھے آواز دی اور فرمایا کہ بھائی! اس وقت ایک بات یاد آئی ہے لکھ لو، چنانچہ میں نے اس کو لکھ لیا، پھر فرمایا کہ ایک اور یاد آئی، اس کو بھی لکھ لیا، چند روز کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ بھائی اب کتنی ہو گئی ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت ۲۲ ہو گئی ہیں۔ فرمایا کہ اگر ۳۰ ہو جاویں تو اچھا ہے، جب ۳۰ پوری ہو گئیں تو فرمایا: بس بھائی بہت کافی ہیں۔ پھر حضرت والا (مولانا ومرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب ظلہٗ) صاحب ملفوظ نے فرمایا: کہ مجھ سے وہ پرچے جس پر کرامتیں تحریر تھیں مولوی محمد یحییٰ نے لے لیے تھے، انھوں نے وہ کاغذ ضائع کر دیئے۔ مجھے افسوس ہوا کہ ایسے ثقہ راوی کہاں ملیں گے۔

ص۱۹ م ۵۰ جلد دوم حسن العزیز

(۱۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے گنگوہ سے رخصت ہونے کا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں یہ مہمل عذر پیش کیا کہ میرے کپڑے میلے ہیں اور صرف ایک ہی جوڑا ہمراہ لایا تھا۔ اس لیے مکان جانے کا قصد ہے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہم کپڑے دے دیں گے۔ اس پر میں نے کہا کہ حضرت کچھ اور کام بھی ہے۔ حضرت بڑے متین تھے، پھر یہ دریافت نہ فرمایا کہ اور کیا کام ہے۔ ص۳۴ م ۹۶ جلد دوم حسن العزیز۔

(۱۱) فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ کے چھوٹے صاحبزادے کی ابتداء میں کچھ حالت آزادی کی تھی، مولانا نے ان کو نکال دیا تھا، مگر آخر میں حالت درست ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے مولانا کو انھیں شرح جامی پڑھاتے دیکھا، میں نے دل میں خیال کیا کہ مولانا کی شان اور شرح جامی پڑھانا یہ بے حد شفقت کی دلیل ہے، پھر ان صاحبزادے کا انتقال ہو گیا، مولانا کو سخت صدمہ ہوا، پھر حضرت والا (مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے فرمایا کہ میں نے تعزیت کا خط بھیجا تھا۔ اس کا جواب مولانا نے تحریر فرمایا تھا، حالانکہ تعزیت کے خط کا جواب نہیں ہوا کرتا "رو کر شدت ضبط سے قلوب و دماغ دونوں ماؤف ہو گئے ہیں" حالانکہ اتنا اظہار کسی دوسرے کے سامنے مولانا سے مستبعد تھا، مگر یہ حضرت کی خصوصیت و شفقت تھی میرے ساتھ، اسی وجہ سے اس قدر اظہار فرمایا مولانا کو حضرت حاجی صاحب کی وفات کا بھی ایسا ہی صدمہ ہوا تھا۔ ص۴۴ م ۱۲۲ جلد مذکور

(۱۲) فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولویوں کے لیے علم طب کا مشغلہ مناسب نہیں ص۴۵ م ۱۳۲ جلد مذکور

(۱۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو ایک صاحب سے ایذا پہنچی، مولانا خلیل احمد صاحب نے اس احتمال سے کہ کہیں مولانا بددعا نہ کر دیں، حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بددعا نہ کیجئے، مولانا بہت گھبرائے اور فرمایا کہ توبہ توبہ مسلمان کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں استغفر اللہ ص۱۳۰ م ۴۲۰ جلد مذکور۔

(۱۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی سالار بخش گنگوہ آئے، اسی وقت کسی نے مولانا رشید احمد صاحب سے ایک فتوے پوچھا، مولانا نے مولوی سالار بخش کی طرف اشارہ کر دیا کہ آپ سے

پُوچھو۔ پھر تو مولوی سالار بخش نے مولانا کی بہت تعریف کی کہ بس مولوی وُہ ہیں، جاؤ، بس ان ہی سے پُوچھ لیا کرو۔ ص ۱۳۶ م ۴۴۵ جلد مذکور

(۱۵) فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے، ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری ہو گئی، ان صاحب کا رئیسانہ مزاج تھا، مگر اہلِ نسبت تھے، ان کے سامنے کسی نے ایک جولاہے کا نام لے دیا، وُہ نمازی تھا، مگر کم وقعت تھا، ان صاحب نے اس کو بلایا، وُہ ڈر گیا، جب ان صاحب نے اس سے کچھ باتیں دریافت کیں تو خوف کی وجہ سے اس کے کلام میں لغزش ہُوئی، اس کی وجہ سے اس پر کچھ شُبہ ہوا، ان صاحب نے اس کو مارا، وُہ مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا، مولانا کو بہت ناگوار ہوا، بس مولانا نے ان صاحب کو رقعہ لکھا کہ اگر خدا تعالے آپ سے سوال کرے کہ آپ نے اس غریب کو کس حجتِ شرعیہ سے مارا، تو آپ کے پاس کچھ جواب ہے، اس جواب کو آپ تیار کر لیں، ان صاحب کا اس رقعہ کو سُن کر سر سے پاؤں تک سناٹا نکل گیا، بس گنگوہ پیدل پہنچے، مولانا اس وقت حجرے میں لیٹے تھے باہر ایک طالب علم بیٹھے تھے، اُن صاحب نے اُن طالب علم سے کہا کہ مولانا کو اطلاع کر دو کہ ایک ناپاک کُتّا آیا ہے، اگر مُنہ دکھانے کے قابل ہو تو مُنہ دکھاوے ورنہ کسی کنُوئیں میں ڈُوب مرے تاکہ یہ عالم پاک ہو، طالب علم نے اطلاع کی، مولاناؒ نے بُلا لیا، اُن صاحب نے کہا کہ حضرت میں تو تباہ ہو گیا، مولانا نے فرمایا: کیوں قصہ پھیلایا ہے، گُناہ ہو گیا، توبہ کر لو: یہی علاج ہے (ہمارے حضرت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ صاحبِ ملفوظ نے فرمایا کہ بعض دفعہ ایک شیخ دُوسرے شیخ کے سامنے مبتدی ہو جاتا ہے ۱۲) پھر وُہ صاحب واپس آئے اور مجمع جمع کر کے اُس جولاہے کو بُلایا اور کہا کہ جتنا میں نے مارا تھا، اُتنا ہی مجھ کو مار لے۔ اُس نے کہا: مجھ سے ایسا نہ ہو گا، ان صاحب نے کہا کہ جب تک تُو مجھے مار نہ لے گا، میں جب تک تجھے نہ چھوڑوں گا، پھر لوگوں نے آکر کہا کہ صاحب اس کی مجال ہے، جو آپ کے ساتھ ایسا کر سکے۔ اگر آپ اسے اس پر مجبور کریں گے، تو یہ اس پر دُوسرا ظلم ہو گا،

تب ان صاحب نے اسے چھوڑا، پھر وہ صاحب جب تک زندہ رہے اس کی خدمت کرتے رہے۔ ص۹۸ ام ۶۲۸ جلد دوم حسن العزیز

(۱۶) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ انھوں نے حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہٗ کی تعلیم پر ذکر شروع کیا اور حضرت کی تعلیم سے بہت زیادہ بڑھا دیا، حتیٰ کہ کھانے پینے کی بھی پروا نہ کی، اس سے ان کو محسوس ہوا کہ پرندوں کی بولی میں سمجھتا ہوں، بہت خوش ہوئے اور حضرت سے بذریعہ تحریر عرض کیا کہ مجھے ایک علم جلیل منکشف ہوا ہے: کہ پرندوں کی بولی سمجھ میں آنے لگی، حضرت نے فرمایا، معلوم ہوتا ہے، آپ نے ذکر میں زیادتی کر دی، فوراً ذکر کو چھوڑ دو اور راحت و سکون اختیار کرو اور کسی طبیب کے مشورے سے دماغ کی اصلاح کرو، یہ علم نہیں ہے، فسادِ دماغ اور مادۂ مالیخولیا ہے، مولوی صاحب نے لکھا آپ نے غور نہیں فرمایا، یہ تشخیص آپ کی صحیح نہیں ہے، مجھے ایک بڑا علم عطا ہوا ہے، نیز اور ہونا چاہتا ہے، فرمایا تم پچھتاؤ گے، مولوی صاحب نے اپنی وطن میں ایک نہ سنی اور زیادتی کی حتیٰ کہ جنون ہو گیا۔ ص۱۰۹ مجلس چہارم، اربعین مصطفائی

(۱۷) ارشاد فرمایا کہ ایک شخص ہندو جو ایک بزرگ سے بیعت تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا گنگوہیؒ کے حضور میں حضرت کے ایک مرید کا سفارش نامہ لے کر بغرض تجدید بیعت آیا، مولانا نے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ تو مرید کر لوں، وہ مسلمان نہیں ہوا اور چلا گیا، اس پر بعض لوگوں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اگر مرید ہو جاتا، تو کچھ اسلام سے قرب ہی ہوتا، مولانا نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اور بعد ہوتا، کیونکہ ذکر و شغل کرنے سے بعض اوقات کشف وغیرہ ہونے لگتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے اسلام بھی شرط نہیں حالانکہ ان امور کو کمال میں کچھ بھی دخل نہیں، دوسرے لوگوں کا عقیدہ بھی خراب ہوتا بعضے سمجھ جاتے کہ تصوف میں اسلام بھی شرط نہیں رہی، یہ بات کہ پھر ان بزرگ نے کیوں بیعت کر لیا تھا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بزرگ کی حالت مجذوبانہ تھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر ہو جاتی تھی، کبھی بڑی باتوں پر بھی

نہیں ہوتی تھی۔ ص ۱۲ جلد چہارم حسن العزیز۔

(۱۸) ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ ایک وقت گالیاں بکا کرتے تھے، پھر حضرت گنگوہی کی بدولت حالت بدل گئی۔ فرمایا، معلوم ہوتا ہے انھوں نے ذکر شروع کر دیا، عرض کیا گیا، جی ہاں۔ فرمایا، یہی وجہ ہے خشوع بلا اس کے پیدا ہوتا ہی نہیں۔ ص ۹۱ جلد مذکور۔

(۱۹) فرمایا، حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ میں ہوتا تو منصور کے قتل کے فتوے میں کبھی شریک نہ ہوتا۔ فرمایا حضرت والا (مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے منصور پر یہ ظلم فتوے کی آڑ میں کیا گیا۔ جیسا کہ مثنوی شریف میں موجود ہے،

چوں قلم در دست غدارے فتاد   لاجرم منصور بر دارے فتاد

غدار سے مراد ایک وزیر ہے جو ان کا دشمن تھا، ان کا نام منصور مشہور ہو گیا ہے۔ حالانکہ حسین بن منصور ہے۔ حضرت گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ میں انا الحق کی تاویل یہ کرتا کہ مراد انا الحق ہے، فرمایا حضرت والا نے اور میں بلا تقدیر یہ تاویل کرتا ہوں کہ حق بمعنی ثابت ہے، پس انا الحق رد ہے، سوفسطائیہ کا، جیسے اہل کلام نے کہا ہے، حقائق الاشیاء ثابت اور اس کی نظیریں موجود ہیں، مثلاً کتابوں میں ہے الحوض حق الصراط حق الجنۃ حق النار حق وغیرہ اور اگر یہ خیال ہو کہ انا الحق کی نظیریں یہ اس واسطے صحیح نہیں کہ انا الحق کی خبر معرف باللام ہے، تو اس کی نظیر بھی قرآن شریف میں موجود ہے، والوزن یومئذ الحق یہاں الحق معرف باللام خبر ہے اور میرے خیال میں تاویل بہت ہی سیدھی ہے، پس اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ میں موجود ہوں اشارہ ہے عقائد کے اس مسئلے کی طرف حقائق اشیاء ثابت معنی یہ ہوئے کہ موجود واقعی ہوں نہ موہوم، جیسا کہ مذہب فرقہ لا ادریہ کا ہے۔ یہ بالکل سیدھی سی تاویل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے متقشفین کو ان سے عداوت ہو گی، جو ان کا یہ واقعہ ہوا۔ ایک موقع ہاتھ آ گیا، وزیر سے سازش کر کے کینہ نکالا اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ تدین کی وجہ سے ان کو عداوت ہو گی کیونکہ متقشفین کے اخلاق سے یہ اُمید نہیں، یہ لوگ حُبِّ جاہ و مال میں ضرور مبتلا ہوتے ہیں

ص : جلد مذکور۔

(۲۰) فرمایا: مولوی عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جس کا جی چاہے قبر کھول کر دیکھ لے، مولوی ...... کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہو گا، اس پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا، میں نے یہ بات حضرت گنگوہیؒ سے خود سنی ہے، حضرت کے لفظ یہ تھے، جو کوئی ائمہ پر طعن کرتا ہے، اس کا منہ قبر میں قبلے سے پھر جاتا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ منہ قبلے سے پھر گیا، یہ اس وقت فرمایا تھا جس وقت کہ مولوی صاحب کے انتقال کی خبر آئی ص ۱۱۵

(۲۱) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو بعض لوگ خشک مزاج سمجھتے تھے، وجہ یہ تھی کہ پہلی ملاقات میں مولانا میں خود داری معلوم ہوتی تھی، کیونکہ آج کل کے کھاؤ، کماؤ پیروں کی طرح خوشامد اور نرم برتاؤ نہ کرتے تھے، مگر جب کوئی پاس رہتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ مولانا میں خود داری کی ہوا بھی نہ بلکہ فنائے محض تھے، مولانا نازک مزاج اور نفیس طبع ایسے تھے کہ ایک روز مسجد میں عشاء کے لیے آئے اور عشاء دیر میں ہوتی تھی اور یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ مولانا آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے، آتے ہی فرمایا کہ آج کسی نے مسجد میں دیاسلائی جلائی ہے، معلوم ہوا کہ مغرب کے وقت کسی نے دیاسلائی جلائی تھی، اللہ اکبر اس حس کو دیکھئے، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بے حس ہوتے ہیں اب دوسری حالت مولانا کی، دیکھئے کہ دیاسلائی کے جلنے سے جتنی گندھک ہوا میں مل جاتی ہے اتنی دیر میں اس کا بقیہ کیا رہا ہو گا، اس سے تو اس قدر نفرت اور ساتھ اس کے تحمل اس قدر کہ: ایک خارشی طالب علم حدیث کے دورے میں شریک تھا، وہ گندھک مل کر سبق پڑھنے بیٹھتا اور مولانا کبھی چیں بجبیں نہ ہوئے اور کسی وضع سے یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ مولانا کو تکلیف ہوتی ہے طلبہ کا اس قدر احترام کرتے تھے، دونوں واقعوں کے سننے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ بے حس ہوتے ہیں، بے حس ہوتے نہیں، بے حس بن جاتے ہیں جہاں ان کو بے حس بننے کا حکم ہوتا ہے، شور و غل نہیں مچاتے، کسی کی شکوہ شکایت، غیبت طعن نہیں کرتے، اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بات کو سمجھتے ہی نہیں، عقل اور حس ہی نہیں رکھتے، حالانکہ یہ بات نہیں، حس و عقل تو دنیا سے زیادہ رکھتے ہیں، مگر انھوں نے رسی اپنی ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے رکھی ہے

وہ جدھر چاہتا ہے۔ اُدھر لے جاتا ہے۔ خواہ ان کی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف۔ موافقت و مخالفت، دونوں حالتوں میں یکساں رہتے ہیں۔ کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتا کہ کون چیز ان کی طبیعت کے موافق ہے اور کون مخالف۔ اپنی طبیعت ہی نہیں رکھتے۔ ص ۱۲۳ جلد چہارم حسن العزیز

(۲۱) فرمایا کہ ایک دعوت میں (مولانا گنگوہیؒ نے، فرمایا کہ میں وہ کھانا کھاؤں گا جو سب کے آگے کا بچا ہوا ہو، چنانچہ معمولی آدمیوں کے آگے کی جھوٹن بچی بچائی پچھولی ہوئی بے تکلف کھالی۔ اس کو دیکھ کر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا تنگ مزاج تھے، وہ طبعی لطافت تھی اور یہ اختیاری تواضع ہے۔ سبحان اللہ اہل اللہ کی کیا شان ہے۔ آج کل کے بعض درویشوں کی یہ حالت ہے کہ لوگوں سے کہتے ہیں، ہمارے پاس مت آؤ، قلب کو ظلمت گھیرے لیتی ہے، یہ خودداری خود نورانی بنتے ہیں اور دوسروں کو ظلماتی کہتے ہیں، کیا واہیات ہے۔ نور تو وہ ہے کہ سارے جہان کی ظلمت کو مٹا دے، نہ کہ خود مٹ جاوے۔ ص ۱۹۸ جلد چہارم حسن العزیز

(۲۳) فرمایا ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ مولانا محمد یعقوب صاحب کے صاحبزادے حکیم معین الدین صاحب کے یہاں مہمان ہوئے، یہ صاحب بہت ہی بے تکلف ہیں۔ اتفاق سے ان کے یہاں اس روز کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ مولانا سے عرض کیا کہ ہمارے تو آج فاقہ ہے۔ لیکن اکثر احباب آپ کی دعوت کیا کرتے ہیں، اگر آپ فرمائیں تو میں ان کی دعوت منظور کر لوں۔ فرمایا: میں تو تمہارا مہمان ہوں، جو حال تمہارا ہے، وہی میرا۔ بس فاقہ ہی سے بیٹھے رہے، خدا کی قدرت، شام کے وقت کے قریب ایک جگہ سے گیارہ روپے آگئے، وہ خوش خوش مولانا کے پاس آئے کہ لیجئے آپ کی برکت سے گیارہ آگئے۔ اب تو خوب عمدہ دعوت کریں گے، مولانا نے فرمایا نہیں معمولی کھانا پکوالو، کہا اب ہم معمولی کیوں پکوائیں گے۔ اب تو جس طرح سے جی چاہے گا۔ دعوت کریں گے۔ ص ۲۰۱ جلد چہارم حسن العزیز

(۲۴) حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدے دار کوئی شخص آئے، جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرت نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا، کیونکہ، وہ

بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے، ان کو ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ پیچھے کو ہٹے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ صاحبو! آپ لوگ کیوں ہٹ گئے۔ کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدے دار میرے ساتھ بیٹھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں، میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے ان کی کچھ بھی وقعت نہیں، چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھلایا، شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولانا نے اپنی شان جتلانے کو ایسا کہدیا ہوگا۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا، جن صاحبوں نے مولانا کو دیکھا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں، مگر جن لوگوں نے دیکھا نہیں، ان کے لیے ایک قصہ بیان کرتا ہوں، اس سے اندازہ ہوگا کہ وہاں شان اور بڑائی کتنی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا حدیث کا درس دے رہے تھے، ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں، جس قدر طالب علم شریک درس تھے، سب کتابوں کی حفاظت کے لیے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی۔ کتابیں رکھ کر جوتے اُٹھانے چلے، صحن کی طرف جو رُخ کیا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سب کے جوتے سمیٹ کر جمع کر رہے ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہاں کس قدر شان کو جتلایا تھا، شان نہ تھی، بلکہ محض محبت دینی تھی کہ غرباء کو امراء سے کم نہیں سمجھا، یہ ہی لوگ ہیں جن کی بدولت دُنیا کا کارخانہ قائم ہے اور نظام عالم کا تسلسل ہے، جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے، قیامت قائم ہو جائے گی، امثال عبرت حصہ دوم۔

(۲۵) حضرت مولانا گنگوہی کے پاس ایک شخص آیا اور بیعت کی درخواست کی، مولانا نے اس کو بیعت کر لیا اور تمام گناہوں سے یعنی کفر و شرک وغیرہ سے توبہ کرا دی، جب مولانا بیعت کر چکے تو کہنے لگے کہ مولوی جی! تم نے افیم (افیون) سے تو توبہ کرائی نہیں، مولانا نے فرمایا: بھائی مجھے کیا خبر تھی کہ تو افیون کھاتا ہے، اچھا جس قدر تو روز کھاتا ہے، اس کی گولی بنا کر میرے ہاتھ پر رکھ دے، چنانچہ اس نے گولی بنا کر مولانا کے ہاتھ پر رکھ دی، مولانا نے اس کو دیکھا اور اس میں تھوڑا سا حصہ لے کر کہا کہ اس قدر کھا لیا کر، مقصود یہ تھا کہ بتدریج چھڑا دی جائے گی، مگر جب قلب میں محبت خدا آتی ہے، تو افیون تو کیا، سلطنت بھی چھوٹ جاتی ہے، اس نے کہا: مولوی جی! کیا

کھاؤں گا، اور یہ کہہ کر افیون کی ڈبیہ جیب سے نکالی اور بہت دور پھینک دی، مگر پہنچ کر افیون کا تقاضا ہوا، مگر اُس نے نہیں کھائی، آخر دست لگے، مولانا کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے دست لگ رہے ہیں مگر میں توبہ کو نہیں توڑوں گا، چند روز میں دست بند ہوگئے، جب بالکل تندرست ہوگیا تو مولانا کے پاس آیا، آکر سلام کیا، مولانا نے پوچھا کہ بھائی کون ہو؟ کہنے لگا: جی میں ہوں افیون والا۔ اور دو روپیہ نکال کر مولانا کو دیئے اور کہا کہ مولوی جی! یہ افیون کے روپے ہیں، مولانا نے فرمایا، بھائی افیون کے روپے کیسے؟ کہنے لگا: میں دو روپے مہینے کی افیون کھاتا تھا، جب میں نے چھوڑی تو نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپے ماہوار بچے، میں نے نفس سے کہا کہ میں دو روپے تجھے ہرگز نہ دوں گا، میں اپنے پیر کو دوں گا، دیکھئے اس شخص نے دین کو کتنا خالص کیا، وہ دو روپے بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ ص ۱۰۲ امثال عبرت حصہ دوم۔

(۲۶) مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مجلس میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہوں تو میں حضرت جنید رحمہ اللہ کی طرف التفات بھی نہ کروں گا، البتہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ انکو دیکھیں۔ ص ۱۰۳ جلد مذکور

(۲۷) ایک شخص تھے، ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ کے مرید، ان کا قلب ان کے زعم کے موافق ذکر سے جاری نہ ہوتا تھا ان کی یہ حالت تھی کہ اکثر درویشوں کی خدمت میں جایا کرتے تھے بعض دوستوں نے منع کیا کہ در بدر پھرنا مناسب نہیں ہے۔ ہرجائی مشہور ہو جاؤ گے، وہ شاکی تھے کہ قلب، ذکر سے جاری نہیں ہوتا، اس طلب میں پریشان پھرتا ہوں، حضرت گنگوہی رح سے شکوہ کیا کہ فلاں صاحب کی یہ حالت ہے، مولانا نے فرمایا کہ قلب کا جاری ہونا مقصود بالذات نہیں ذکر کرتے رہو، انھوں نے عرض کیا، خواہ مقصود ہو یا نہ ہو، میرا تو جی چاہتا ہے، اگر میری مراد پوری ہو جاوے تو پھر کہیں نہ جاؤں، حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ مسجد میں بیٹھو، اس ارشاد سے یہ سمجھا کہ شاید میری مراد پوری ہو جاوے اور یہ اُس طرف اشارہ ہو، غرض مسجد میں جا کر بیٹھ گئے اور ذکر میں مشغول ہوگئے، حضرت مولانا قدس اللہ سرہٗ وضو کر کے کھڑاواں پہنا کرتے تھے، حضرت مولانا مسجد

کی طرف تشریف لے چلے، بس کھڑاووں کی کھٹ کھٹ اُن کو محسوس ہوئی اور قلب جاری ہوا، یہ توجہ کا اثر تھا، حضرت واقعی بڑے پائے کے شیخ تھے، انھیں شخص مذکور کا قصہ ہے کہ ان کے بھائی: ایک شیخ تھے، خاندان نقشبندیہ کے اور یہ شخص دُنیادار آدمی تھے، ان بزرگ نقشبندی نے فرمایا کہ مجھ سے بھی مرید ہو جاؤ، تو عجب فائدہ باطنی حاصل ہو، یہ بے چارے ان کا کہنا نہ مانتے تھے کہ ایک بزرگ کو چھوڑ کر دُوسرے سے کیسے بیعت ہو جاؤں، میری کوتاہی ہے کہ مجاہدہ نہ کیا اور فائدہ نہ ہوا۔ مگر مُرشد میں تو کوئی کمی نہیں ہے، غرض ان دُنیادار صاحب کی مَوت کا وقت قریب آیا، مرض الموت میں بے ہوش ہو گئے، حتیٰ کہ کلمہ پڑھنے کا بھی ہوش نہ تھا، وُہ بزرگ نقشبندی کہنے لگے کہ کیوں کہا نہ تھا، مجھ سے مرید ہو جاؤ نہ مانا۔ اخیر وقت ہے، دیکھو کیا حالت ہے کہ کلمہ شریف بھی زبان سے نہیں نکلتا، یہ گفتگو لوگوں سے کر رہے تھے کہ ان کو دفعۃً ہوش آگیا اور بے ساختہ زبان پر جاری تھا یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین پھر بے ہوش ہو گئے اور انتقال ہو گیا، سُبحان اللہ۔

اب حضرت حاجی صاحب کے لوگوں نے ان بزرگ نقشبندی کی خبر لی کہ جناب آپ تو صاحبِ فن تھے اور یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ کس مقام پر ہیں۔ الحمد للہ ہمارے حضرت مرشد کے متعلقین کا خواہ بواسطہ ہوں یا بلاواسطہ خاتمہ بالخیر ہوتا ہے، یہ امر تجربہ سے ثابت ہوا ہے بارہا آزمایا گیا ہے، بُرے ہوں یا بھلے، مگر اس تعلق میں یہ اثر ہے کہ حق تعالیٰ نجات کی صورت پیدا کر دیتے ہیں، ہمارے مرشد بڑے مقبولِ خدا تھے۔ ص۱۳۵ امثال عبرت حصہ دوم

(۲۸) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فتوے نہیں دیتے تھے۔ فرما دیتے تھے کہ مولانا رشید احمد صاحب بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کے پاس لیجاؤ۔ ... مولوی احمد علی صاحب کہتے تھے کہ ایک مرتبہ سب حضرات جمع تھے، جو مسئلہ کوئی پوچھنے آتا۔ اس سے ہر بزرگ یہی فرما دیتے کہ اس کو ان کے پاس لے جاؤ، وُہ اس فن کو جانتے ہیں۔ وُہ بتا دیں گے۔ ص۱۱۴ م ۲۵۹ حسن العزیز جلد دوم

(۲۹) فرمایا کہ مولانا احمد علی صاحب کو جب بیماری میں مولانا رشید احمد صاحبؒ دیکھنے گئے مولانا

احمد علی صاحب نے خادم سے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ کا بچا ہوا کھانا مجھے دینا، اس سے شفا ہوگی۔ ص۱۱ م ۳۶۰ جلد مذکور۔

(۳۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ (سیدی، مولائی، مرشدی، مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں اپنے کچھ حالات باطنی لکھے مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بھائی میں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔ کیا ٹھکانا ہے تواضع کا۔ ص۹۸ م ۳۰۶ جلد مذکور

(۳۱) فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے ایک جگہ قسم کھائی کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے۔ بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہو گیا کہ مولانا میں کمال ہونا تو ظاہر ہے، تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت (مولانا، مرشدنا، شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی۔ پس مولانا اپنے کمالات موجودہ کو کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں، وہ لکھ پتیوں کے سامنے مالدار نہیں۔ البتہ دوسرے شخصوں کو مولانا کی نسبت یہ گمان کہ وہ خالی از کمالات تھے، نہیں کرنا چاہیئے ص۹۰ م ۳۰۶ جلد مذکور

(۳۲) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ بالکل سادے رہتے تھے۔ مگر لوگوں کی ہمت بھی نہیں ہوتی کہ سامنے بات کر سکیں۔ حضرت کی خدمت میں بیٹھنے سے سوالات خود بخود حل ہو جایا کرتے تھے فرمایا کہ میں نے ایک روز عرض کیا کہ اگر باطن کے متعلق مجھے کوئی ضرورت ہوا کرے، تو میں دریافت کر لیا کروں۔ فرمایا کہ اچھا۔ اس کے بعد صرف ایک بار ایک بات پوچھی۔ پھر مجھے تمام عمر کسی سوال کا وسوسہ بھی نہیں ہوا۔ ص۱۶ م ص۵ مزید المجید

(۳۳) فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے۔ کسی حدیث میں امام شافعیؒ کے مسلک کا جواب دیا، تو ایک طالب علم غایت سرور سے کہنے لگے کہ حضرت اگر امام شافعیؒ بھی ہوتے۔ تو وہ بھی مان جاتے۔ مولانا کو یہ سنتے ہی نہایت تغیر ہوا۔ فرمایا کہ میں کیا چیز ہوں۔ اگر امام شافعیؒ ہوتے تو مجھ سے بولا بھی نہ جاتا اور میں تو ان ہی کا مقلد ہوتا۔ حضرات اتنا ادب ہوتا ہے مجتہدین کا۔ تو

اجتہاد سہل بات نہیں ہے۔ حدیث یاد کر لینا اور بات ہے۔ اجتہاد اور بات ہے۔ یہ فقہا ہی کا حصہ ہے جس کے متعلق حدیث میں ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہم فی الدین یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے، اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے، ان کو ایسی سمجھ دی گئی تھی، کہ انھوں نے ایسے اصول بنائے جو آج تک نہیں ٹوٹے (روح القیام ۳۳)

(۳۴) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اخیر عمر میں نگاہ جاتی رہی تھی۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ حضرت آنکھیں بنوا لیں۔ مولانا نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ جبتک آنکھ بنے گی، تو ڈاکٹر کہے گا کہ پڑے رہو، میری جماعت جاتی رہے گی۔ میں نہیں بنواتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں۔ فرمایا بتلاؤ میرا کونسا کام اٹکا ہوا ہے۔ چلتا بھی ہوں، پھرتا بھی ہوں، اٹھتا بھی ہوں، بیٹھتا بھی ہوں۔ میں کہاں سے معذور ہوں، بلکہ وہ تو آنکھ کو حاجب سمجھتے تھے، کیونکہ اگر آنکھ ہوگی، تو کوئی آئے گا تو دیکھ کر لحاظ ہوگا، خواہ مخواہ کھڑا بھی ہونا پڑے گا، پھر چاروں طرف نگاہ بھی پڑتی ہے دل بٹا رہتا ہے۔ اگر آنکھ نہیں تو دل یکسو رہتا ہے، بہرحال لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ بنوا لیجئے۔ مگر حضرت کا ذوق تھا کہ نہ بنوائیں۔ عرض کیا کہ حضرت دانت بنوا لیجئے۔ فرمایا: بھائی! اب تو نرم بوٹیاں گرم روٹیاں ملتی ہیں، دانت بننے کے بعد یہ نہیں ملیں گی، تو میں دانت بنوا کر کیوں اپنا نقصان کروں؟ سبحان اللہ کتنے خوش ہیں، ورنہ یہ ظرافت بدون بڑی خوشی کے کبھی نہیں سوجھ سکتی۔ حضرت وہی بات ہے کہ کچھ مل گیا ہے جس پر آنکھ دانت سب قربان ہیں۔

(روح الافطار ص ۳۴)

(۳۵) فرمایا، افسوس ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب کو لوگوں نے نہیں پہچانا، اخیر عمر میں مولانا نے فرمایا تھا کہ جس کو جو کچھ لینا ہے مجھ سے لے لے۔ لمعان الدین ص۱

(۳۶) فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں ایک دیہاتی شخص نے دوسرے سے آہستہ سے کہا کہ حضرت نے جو فلاں مسجد کی درستی کا اہتمام فرمایا ہے، حضرت کو کشف ہوا تھا۔ مولانا نے یہ بات سن لی، پکار کر فرمایا کہ مجھ کو کشف وغیرہ کچھ نہیں ہوا، جو کوئی میری نسبت ایسا خیال رکھے، وہ بالکل غلط

ہے، تو وہ صاحب چپکے سے دوسرے آدمی سے کیا کہتے ہیں کہ پڑے کہو، انہیں کہنے دو۔ انہیں کشف ہی ہوا تھا، اب بھلا اس کا بھی کچھ علاج ہے کہ شیخ کی تردید کے بعد بھی اس کی بات نہیں مانی جاتی اور اپنے اعتقاد پر اصرار کیا جاتا ہے۔ تحقیق الشکر ص

(۳۷) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی لوگوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے شکایت کی، حضرت نے سن کر فرمایا بالکل جھوٹ ہے اور حضرت (گنگوہیؒ) کو میرے ہاتھ کہلا بھیجا کہ میری محبت آپ سے اللہ واسطے ہے اور اللہ باقی ہے، لہٰذا یہ بھی باقی رہے گی، حضرت مولانا نے سن کر فرمایا کہ: بھائی ہم تو اللہ پر توکل کیے بیٹھے ہیں، اگر خدا کو منظور ہوگا تو کچھ بھی ضرر نہ ہوگا۔ ص۱۲۹ م ص۲ مزید المجید

(۳۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نوعمر مولوی نے پوچھا کہ قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے یا نہیں، مولانا نے فرمایا کہ کون فیض لینا چاہتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں ہوتا۔ تو یہ ہے تحقیق کی شان، غرض فیض تو شرائط خاصہ سے ہوتا ہے، لیکن ان کو کار افزا سمجھنا، یہ تو صریح شرک ہے۔ ص۳۱ نفی الحرج

(۳۹) فرمایا حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب بہت تیز مزاج تھے۔ ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ ان کے یہاں مہمان تھے، ایک مسئلہ طلاق کا پیش آیا، مولانا نے فتویٰ دیا، ایک مُلّانی کہنے لگیں کہ قرآن مجید میں تو اس کے خلاف لکھا ہے، حکیم ضیاء الدین صاحب بگڑ گئے۔ کہا: اری چل بیٹھ چڑو! تو کیا جانے قرآن کو۔ اتنے جوتے پڑیں گے سر پر ایک بال باقی نہ رہے گا، تو کیا جانے چڑیل! کہ قرآن کسے کہتے ہیں، بس ایسوں کو تو یہی جواب ہے۔ ص۱۹ آثار المزیع

(۴۰) حضرت اعلیٰ مولانا رشید احمد صاحب کے زمانے میں ایک عالم ذاکر شاغل کو یہ حالت ذکر و شغل میں پیش آئی کہ ان کو کچھ کلمات سونے سے لکھے ہوئے پیش نظر ہونے لگے، حضرت نے فرمایا ذکر و شغل سب چھوڑ دو ورنہ تم کو جنون ہو جائے گا، لیکن انھوں نے ذکر و شغل کرنا نہ چھوڑا آخر کار ایسا ہی ہوا کہ دیوانے، پاگل ہوگئے اور نماز وغیرہ سب چھوڑ دی،

مقالاتِ حکمت، دعوات عبدیت جلد ہشتم

(۴۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے ایک شخص کو ذکرِ جہر تعلیم فرمایا، اس نے کہا کہ ذکر جہر میں تو ریا ہے، فرمایا کہ ذکر جہر سے زیادہ تو ذکر خفی میں ہے، کیونکہ جہر میں تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ لا الٰہ الا اللہ یوں ہی کر رہا ہے جو ہم بھی کر سکتے اور ذکر خفی میں یہ سمجھیں گے کہ آسمان، زمین، عرش، کُرسی کی سیر کر رہا ہے، اس میں تو اور ریا ہے، جلد مذکور ص۲۲۲ م ۹۹

(۴۲) فرمایا کہ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا گنگوہیؒ سے فرمایا کرتے تھے: کہ حدیث تو آپ کے سامنے آکر حنفی ہو جاتی ہے، ان حضرات کو حدیث میں فقہ نظر آتا تھا اور اہلِ نظر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

هر چه پیدا می شود از دور پندارم توئی
بس که در جان فگار و چشم بیدارم توئی

(دعوات عبدیت جلد ہشتم ص۱۲)

(۴۳) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے دانت نہ رہے تھے، مگر قرآن شریف پڑھنے کے وقت یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے دانت نہیں ہیں۔ احقر (جامع) نے دریافت کیا کہ حضرتؒ گنگوہیؒ کی عمر کیا تھی، فرمایا، تقریباً ۸۰ سال کی تھی، ایک صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا تھا کہ حضرت دانت بنوا لیجئے، فرمایا کیا ہوگا، دانت بنوا کر پھر بوٹیاں چبانی پڑیں گی، دانت نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو رحم آتا ہے۔ نرم نرم حلوا کھانے کو ملتا ہے۔ حضرت بڑے ہی ظریف تھے۔

افاضات الیومیہ حصہ دوم ص۲۲ م ۳۳

تمت

حصہ اول تمام ہوا

١٨٨٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ دوم

قصص الاکابر

لحصص الاصاغر

حکایات حضرت مولانا محمدؐ قاسم صاحب قدس سرہٗ

(۱) بروایت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ چھلنیوں کا وعظ کہا تھا ہر چیز کے لئے ایک چھلنی ثابت کی تھی۔ اس کے متعلق مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک نہایت لطیف مضمون فرمایا تھا۔ حدیث پڑھنے والوں کے سمجھنے کے لائق واقعی محقق سمجھا جاتا ہے قرآن وحدیث کا وہ مضمون یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالےٰ قیامت کے دن اس زمین کا پیڑا بنا کر اس کی روٹی پکا کر اول غذا جنتیوں کو بہ دیں گے اب اس میں ظاہر میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا اہل جنت کو خاک پتھر کھلا دیں گے۔ یہ اچھا انعام جنتیوں کو ملے گا تو اس کو اسی قاعدہ پر متفرع کر کے سمجھو کہ تم اپنے مہمان کو بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھلاتے تو حق تعالےٰ بلا چھانے ہوئے کیوں کھلانے لگے۔ چنانچہ زمین اس طرح چھانی جائیگی کہ مٹی پتھر سب نکل جائیں گے اور صرف اجزاء لطیفہ رہ جاویں گے۔ باقی یہ بات کہ اس میں اجزاء لطیفہ کہاں ہیں سو اس کو یوں سمجھو کہ جتنی نعمتیں کھانے پینے کی نکلتی ہیں ظاہر ہے کہ وہ سب زمین ہی سے نکلتی ہیں اور وہ زمین ہی کے اجزا ہیں اس سے

معلوم ہوا کہ اس میں ایسے ایسے اجزاء لطیفہ مبطن ہیں۔ پس اُن اجزا کو حق تعالےٰ علیحدہ کر دیں گے اور وہ ان کی غذا بنے گی۔ سو وہ تو الذ جمیع الاشیاء ہوگی اور غالباً حکمت اُس میں یہ ہوگی کہ بہت سے بندگان خدا مجاہدات و ریاضات میں دنیا کی لذتوں سے منتفع نہیں ہوتے ان کو اگر پیشتر یہ غذا نہ کھلا دی جاوے تو وہ جنت کی غذاؤں کا موازنہ نعماء دنیا سے کس طرح کر سکتے ہیں اور بدون موازنہ کے حظ اکم ہوگا اس لئے ان کو وہ غذا کھلا کر دکھلا دیا جائے گا کہ دیکھو دنیا کی نعمتوں کا خلاصہ یہ ہے پھر اس کے بعد فرمائیں گے کہ لو اب کھاؤ یہ ہے جنت کی چیز۔ تو اصل تو اس کے کھلانے سے مقصود یہی ہوں گے مگر ان کے طفیل میں اور سب کو بھی یہ غذا دیں گے پھر فرمایا کہ یہ مضامین ہمارے اساتذہ کے الہامی اور کشفی ہیں۔ ص ۱۴۵ م ۲۱۴ جلد اول حسن العزیز۔

(۲) بروایت مولوی محمد یحییٰ صاحب سیوہاری فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے مولود شریف کی بابت دریافت کیا۔ فرمایا بھائی نہ اتنا بُرا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے پھر ہمارے حضرت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ یہ اس قدر جامع جواب ہے کہ ایک رسالہ کا رسالہ اس کی شرح میں لکھا جا سکتا ہے لیکن یہ گول جواب ہے عوام نہیں سمجھ سکتے۔ ہر فریق اس جواب کو اپنی تائید میں پیش کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا کھُلم کھلا کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے ایسے سوالات کے بہت نرم جواب دیتے تھے البتہ حضرت مولانا گنگوہی بالکل صاف صاف کہتے تھے ایک ہی دفعہ میں چاہے ٹھہرو یا جاؤ۔ لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ پہلے میں بھی نرم جوابات کو پسند کرتا تھا لیکن اب تجربہ کے بعد مولانا گنگوہی کا طرز نافع ثابت ہوا۔ نرم جواب میں یہ مصلحت سمجھی جاتی ہے کہ مخاطب کو وحشت نہ ہو اور وہ ہم میں آ جائے حالانکہ یہ غلط ہے وہ ہم میں نہیں آتے وہ تو اپنے اُسی خیال کی بنا پر ہم میں آتے ہیں تو یہ در اصل ہم میں آنا نہ ہوا ہاں ہم ہی

کچھ ادھر چلے گئے وہ ہم میں نہیں آئے ص ۱۷۱ م ۲۸۱ حسن العزیز جلد اوّل

(۳) فرمایا کہ ایک صاحب سماع درویش حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف سُنکر آئے حسب معمول مولانا نے نہایت عزت کے ساتھ ان کو مہمان بنایا اور سب طالب علموں کو سمجھا دیا کہ خبردار کوئی گفتگو ان کے طریقہ کے خلاف نہ کی جاوے کیونکہ مہمان کی دل شکنی نہیں ہونی چاہیئے۔ کسی نے اس واقعہ کی خبر حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں کردی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ بہت بُرا کیا بدعتی کا اکرام جائز ہی کہاں ہے۔ اس شخص نے یہ اعتراض حضرت مولانا نانوتوی کے پاس پہنچا دیا فرمایا کہ خود حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر مہمان تک کا اکرام فرمایا ہے۔ اس شخص نے اس جواب کو مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ کافر کے اکرام میں غلط فہمی اور فساد کا احتمال نہیں بدعتی کے اکرام میں عوام کی غلط فہمی اور فساد عقیدہ کا اندیشہ ہے اس لئے ناجائز ہے۔ اس جواب کو پھر اس شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں پہنچ کر بیان کیا تو مولانا نے اس کو ڈانٹ دیا یہ کیا واہیات ہے اُدھر کی اِدھر لگاتے پھرتے ہو بیٹھو اپنا کام کرو۔ ص ۱۷۱ م ۲۸۱ جلد اوّل حسن العزیز۔

(۴) حضرت حاجی صاحب بھی اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن حضرت کے علوم سے علماء دنگ تھے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کتنے بڑے عالم تھے یوں فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا کوئی تقوے کی وجہ سے معتقد ہے کوئی کرامت کی وجہ سے میں حضرت کے علم کی وجہ سے معتقد ہوں ایسا شخص یوں کہے پھر حد ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ حضرت دیکھے ہوئے تھے۔ وہ دیکھی ہوئی باتیں فرما رہے تھے نرا سُننے والا طالب علمی شبہات کرے گا کچھ دیکھے ہوئے ہو تو سمجھ سکتا ہے سُنے ہوئے میں اور دیکھے ہوئے میں بڑا فرق ہے دیکھنے والا سننے والے کو اس طرح کیسے سمجھا سکتا ہے۔ ص ۲۲۸ م ۳۰۴ جلد اوّل حسن العزیز۔

(۵) فرمایا کہ ایک شخص حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں ایک چھینٹ کی ٹوپی لائے اُس میں شالباف کی گوٹ لگی ہوئی تھی اور گوٹہ بھی ٹکا ہُوا تھا۔ مولانا نے سر پر رکھ لی۔ پھر کسی بچہ کو دیدی، اور فرمایا کہ اس بیچارے کا دل خوش کرنے کے لئے مَیں نے سر پر رکھ لی تھی۔ ص۱۱ م ص۱۱۹ حسن العزیز جلد دوم

(۶) فرمایا کہ مولانا نانوتوی کی شان نہ عالمانہ تھی نہ درویشانہ تھی بلکہ عاشقانہ شان تھی اور آپ کی مجلس دوستانہ ہوتی تھی۔ گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ ایک جولاہہ نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر پُوچھا کہ سُوت کا آج کیا بھاؤ ہے مولانا نے جواب دیا کہ بھائی آج بازار جانا نہیں ہُوا۔ وہ جولاہہ کچھ بڑبڑاتا ہُوا چلا گیا۔ ص۵۸ م ص۲۶۰ جلد مذکور

(۷) فرمایا کہ مولانا نانوتوی کی خدمت میں ایک شخص شکر لے کر حاضر ہوئے، حاضرین میں وہ تقسیم ہو گئی پھر انھوں نے بیعت کے لئے عرض کیا حضرت نے انکار فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ اگر بیعت نہیں کرتے تو میری شکر واپس کر دو۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی ان کی شکر لا کر دیدو انہوں نے کہا کہ میں تو وہی شکر لوں گا۔ مولانا نے فرمایا بھائی وہ تو صرف آگئی عرض کیا تو مجھے بیعت کر لیجئے یا شکر میری وہی واپس کیجئے آخر حضرت مولانا نے مجبُور ہو کر بیعت فرما لیا۔ ص۸۶ م ص۲۶۲، جلد دوم حسن العزیز۔

(۸) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو سبزی کا شوق تھا کچھ پودینہ دھنیہ وغیرہ کے پودے لگے ہوئے تھے اُن میں مینگنی ڈالنی کی ضرورت ہوئی کسی زمیندار کا وہاں کو گزر ہوا مولانا نے اُن سے فرمائش کر دی۔ اُنہوں نے رعایا میں سے ایک گڈریہ کے سر پر ٹوکری میں مینگنیاں بھیجدیں۔ مولانا اپنے ہاتھ سے اُس سبزی میں ڈال رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سامنے سے آگئے بہت ناراض ہوئے

اور فرمایا کہ اس شخص کا حال معلوم نہیں کہ ظالم ہے اسنے ضرور زبردستی ظلماً اس بیچارے غریب شخص سے بیگار لی ہے اس کو ابھی واپس کیا جائے چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اسی وقت وہ مینگنیاں اپنے ہاتھ سے جمع کر کے سب واپس کر دیں۔ ص۱۰۲ م۳۲۳ جلد دوم حسن العزیز۔

(۹) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ حدیث پڑھنے کے وقت میں یہی سوچا کرتا تھا کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمائی چنانچہ یہی علوم اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائے اسرار و حکم شریعت ص۱۱۴ م۳۶۱ جلد اوّل حسن العزیز۔

(۱۰) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جلال آباد کی جائداد خریدنا جائز نہیں کیونکہ وہاں لڑکیوں کا حق نہیں دیا جاتا تھا۔ البتہ جہاں ایسا نہ ہو کچھ حرج نہیں۔ ص۱۳۴ م۴۳۷ جلد مذکور۔

(۱۱) فرمایا کہ خورجہ میں مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ اور ہمارے سب بزرگ تشریف لے جاتے تھے ایک بڑی بی نے وہاں ایک خواب دیکھ لیا تھا۔ وہ مولانا احمد حسن صاحبؒ کی بڑی خدمت اور بہت محبت کرتی تھیں ویسے بھی مولانا سید نجھے میں نے ایک صاحب سے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ایک مقولہ سنا ہے مولانا نے ایک مثال دی تھی کہ میرا ذہن تو سونے کا بہت بڑا ڈھیر ہے۔ اور مولوی احمد حسن صاحب کا ذہن سونے کا ایک چھوٹا سا ڈھیر اور مولانا صاحب کا ذہن چاندی کا بہت بڑا ڈھیر ہے مولوی احمد حسن صاحب کا ذہن میرے مناسب ہے اگرچہ زیادہ نہ ہو اور دوسرے کا اگرچہ زیادہ ہے مگر میرے مناسب نہیں۔ ص۱۵۸ م۵۱۲ جلد مذکور

(۱۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب مولانا محمد قاسم صاحب کی بہت تعریف

فرماتے تھے۔ مولانا نے ایک مسودہ حضرت حاجی صاحب کا دیا ہُوا نقل کیا اس میں ایک لفظ سہوًا غلط لکھا گیا تھا اُس کو مولانا نے صحیح نہیں کیا ادب کی وجہ سے، بلکہ وہاں جگہ چھوڑ دی۔ حضرت حاجی صاحب نے درست فرما دیا۔ ص ۱۸۱ م ن ۴۴۵ جلد مذکور

(۱۳) مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے کسی نے پوچھا کہ یہ علم مولانا محمد قاسم صاحب پر کہاں سے کھلا مولانا نے فرمایا کہ اس کے اسباب متعدد ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ مولانا فطری طور پر معتدل القوی اور معتدل المزاج تھے پھر ان کے اُستاد بے مثال تھے، پھر پیر کامل ملے جن کا نظیر نہیں ان کی وجہ سے فن کی حقیقت منکشف ہوگئی اساتذہ کا ادب بہت کرتے تھے اور متقی بہت تھے جب اتنی چیزیں جمع ہوں تو پھر کیوں نہ کامل ہوں۔ جلد مذکور

(۱۴) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں ہی غور کرنا چاہیئے تو مطلب بالکل صاف ہے مگر مولانا کا سا فہم بھی تو ہو قرآن مجید کے الفاظ کافی ہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں، ص ۱۹۰ م ن ۶۱۰ جلد مذکور

(۱۵) فرمایا کہ سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ بھائی تم بڑے فقیہ ہو اس پر ہم کو رشک آتا ہے۔ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ خود مجتہد بنے بیٹھے ہو مگر ہمیں اس پر کبھی رشک نہ آیا اور ہم کو جو دو چار جزئیات یاد ہوگئے ہیں تمہیں ان پر رشک آتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت (مولانا مرشدنا ہادینا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ اگر ان حضرات کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرا دیا جاوے اور بتلایا نہ جاوے تو دیکھنے والے۔ رازی و غزالی کے زمانہ کی بتلاویں گے۔ چنانچہ سُنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رح کی حجۃ البالغہ کا ترجمہ جب یورپ میں گیا تو وہاں لوگوں نے کہا کہ یہ پہلے زمانہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے اس زمانہ میں اس دماغ کا شخص نہیں ہوسکتا ہے کسی کو پرانی کتاب مل گئی ہوگی اور سرقہ کی راہ سے

اس لئے اپنی طرف منسوب کرلیا ہے۔ ص۲۲۸ م ۲۳۶ جلد دوم حسن العزیز۔

(۱۶) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کی مجلس میں ہنسی مذاق خوب ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا ایک یار باش ہیں اور مولانا گنگوہی کے یہاں اتنی تو کثرت نہ تھی مگر ہاں کبھی ذرا سی بات کہدیتے تھے کہ سب ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ اور خود نہیں ہنستے تھے۔ ص۲۴۰ م ۳۰۰ جلد مذکور

(۱۷) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ دعوت کا کھانا اور جماعت کی نماز ایسی چیز ہیں کہ ان میں اپنے اوپر کچھ بوجھ نہیں پڑتا۔ دعوت کے کھانے کی کچھ فکر نہیں ہوتی کہ کہاں سے آیا ہے اسی طرح جماعت میں اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہوگئے اب کچھ خبر نہیں کہ کیا ہوگا سب بار امام کے ذمہ۔ پھر تبسم کر کے فرمایا کہ تیسری چیز شوق طالب علم کے لئے جماعت کا سبق کہ پڑھیں نہ اور کتابیں ختم ہوجاویں۔ ص۲۴۲ م ۲۹۳ جلد مذکور۔

(۱۸) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ جان نہ گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی بھی نہ پہچانتا کہ قاسم دنیا میں پیدا بھی ہوا تھا۔ ص۱۲۳ اربعین مصطفائی۔

(۱۹) ایک بچہ بڑے پیٹ والا سامنے سے گزرا تو مسکرا کر فرمایا چلا چھالا گڈ بڑ جھالا اور فرمایا یہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ کے شعر کا ٹکڑا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ایک لڑکا بڑے پیٹ کا تھا اس کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ص۱۰۱ اربعین مصطفائی۔

(۲۰) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رڑکی دیانند سے مناظرہ کے لئے گئے اور یہی چند آدمی ساتھ ہوگئے سُنا ہے کہ مولانا ایک جگہ ٹھہرے اور ساتھ والوں سے کہہ دیا کھانا بازار میں کھاویں۔ مجسٹریٹ کو خبر پہونچی تو اوّل وہ سمجھا کہ یہی

دعوت خورے آئے ہوں گے مگر جب واقعی بات کی خبر ہوئی کہ وہ اس طرح کے لوگ ہیں تو اُس کے دل میں بڑی قدر ہوئی اور اُس نے مولانا کو بلایا اور اشتیاق ظاہر کیا۔ مولانا کی عادت تھی کہ کبھی کسی بڑے آدمی سے نہ ملتے تھے۔ ایک دفعہ رامپور گئے نواب صاحب کو خبر ہوئی تو مولانا کو بلایا مگر مولانا نہیں گئے اور یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں آداب شاہی سے واقف نہیں خدا جانے کیا بے ادبی ہو جاوے۔ نواب صاحب نے کہا آپ کو آداب وغیرہ سب معاف ہیں آپ تشریف لائیے ہم کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے اشتیاق تو آپ کو ہو ملنے کا، اور آؤں میں۔ غرض نہ گئے۔ باوجود ایسی آزادی کے رڑکی میں مجسٹریٹ سے ملنے سے انکار نہ کیا۔ کیونکہ اُس سے ملنے میں دینی مصلحت تھی۔ اُس نے مولانا سے بارش کی کمی کی وجہ پوچھی تو مولانا نے دلائل عقلیہ سے ثابت کر دیا کہ گناہ سبب ہیں کمی بارش کے، وہ بہت ہی محظوظ ہوا، اور مولانا کے علم کا قائل ہو گیا اور بہت ہی اچھی طرح پیش آیا پھر مولانا سے رڑکی آنے کی وجہ پوچھی۔ فرمایا دیانند سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں۔ مگر وہ پہلے تو مناظرہ کی دعوت دیتا پھرتا تھا اب جو میں آگیا تو پیچھے ہٹتا ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا ہم اس کو بلاتے ہیں چنانچہ بلایا اور پوچھا کیوں مناظرہ نہیں کرتے کہا فساد کا خوف ہے مجسٹریٹ نے کہا۔ فساد کے ہم ذمہ دار ہیں۔ دیانند نے کہا میں اس ارادہ سے نہیں آیا ہوں، مولانا نے کہا ارادہ فعل اختیاری ہے اب کر لیجئے مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ آخر بھاگ گیا۔ یہ شان ہے علماء کی کہ نہ تذلل کہ خواہ مخواہ نواب سے ملیں اور نہ تکبر کہ مجسٹریٹ سے بھی نہ ملیں۔ ضرورت دین کی وجہ سے ملے اور دنیا کی ضرورت کے لئے کبھی کسی بڑے سے بڑے کو بھی نظر میں نہ لائے۔ ص ۱۲۰ جلد چہارم حسن العزیز

(۲۱) فرمایا مولانا محمد قاسم صاحب کی کسی لوہار نے دعوت کی اور وقت پر

بارش ہونے لگی مولانا خود کمبل اوڑھ کر پہنچے اور کھانا بھی یہ تھا کہ فقط دال ساگ پکایا تھا وہی بخوشی کھا لیا۔ ص۱۶۰ حسن العزیز جلد چہارم۔

(۲۲) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے رامپور افغانان میں وعظ کہا اس میں جزء لایتجزی کا ثبوت دیا اذا واقعت الواقعة لیس لوقعتها کاذبة سے اور علی الاعلان کہا کہ میں معقول کے تمام مسائل کو نفیاً یا اثباتاً قرآن شریف سے نکال سکتا ہوں۔ مولانا کا علم لدنی تھا اور میرا خیال یہ ہے کہ مولانا میں وہبیت کے ساتھ ذکاوت بھی غالب تھی۔ مگر یہ ایسی بات ہے کہ اس سے ہمارے مجمع کا کوئی آدمی کم اتفاق کرے گا۔ مولانا میں حق تعالیٰ نے بہت سے اوصاف جمع کر دیئے تھے شرمگیں ایسے تھے کہ نکاح کے بعد کسی نے غسل جنابت کرتے نہیں دیکھا سرد سے سرد موسم میں بھی قصبہ سے باہر جا کر تالاب میں نہاتے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے کسی نے میرے سامنے پوچھا کہ مولانا کو یہ کمالات کس طرح حاصل ہوئے۔ فرمایا کئی سبب جمع ہو گئے۔ مولانا میں یہ کمالات یکجا ہونے کے ایک خلقةً مزاج کا معتدل ہونا کیونکہ حسب سنت اللہ اعتدال مزاج سے نفس کامل فائض ہوتا ہے دوسرے اُستاد اُن کو کامل ملے جیسے مولانا مملوک علی صاحب کہ ہر فن کے محقق اور طرز تعلیم میں بے مثل تھے۔ تیسرے پیر کامل تھے۔ چوتھے قدرتی طور پر مولانا میں ادب بہت تھا اور جتنا ادب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی فیضان زیادہ ہوتا ہے۔ پانچویں تقویٰ کامل تھا۔ ادب اس قدر تھا کہ اللہ کا نام لینے والے بدعتیوں سے بھی نہ اُلجھتے۔ ٹھسکہ ایک مقام ہے وہاں کے ایک بزرگ مولانا محمد قاسم صاحب کے یہاں آئے وہ اہل سماع میں سے تھے مگر دوکاندار نہ تھے۔ مولانا نے فوراً ایک روپیہ نذر کیا اور خدام سے کہہ دیا۔ بدعت کا ذکر مطلق نہ کرنا کیونکہ مہمان کو رنج ہوگا جب کھانے کا وقت ہوا تو کھانا شاہ صاحب کو تو خدام سے کھلوایا اور ان کے

سائیسوں کو خود کھلایا (ان کے سائیس بھنگی تھے) چلتے وقت شاہ صاحب نے فرمایا کہ درویش آپ ہی ہیں اور ہم تو محض نقال ہی ہیں۔ یہ قصہ مولانا گنگوہی نے سُنا تو فرمایا اچھا نہیں کیا من وقر اھل بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام حدیث ہے کسی نے یہ مقولہ حضرت کا وہاں جا نقل کیا تو مولانا نے کہا یہ تو بدعتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وفد بنی ثقیف کا جو کہ کافر تھا اکرام کیا پھر یہ جواب حضرت نے سُنا، تو فرمایا غور نہیں فرمایا مولانا نے اکرام کافر سے فتنہ نہیں ہوتا اور اکرام بدعتی سے فتنہ ہوتا ہے پھر اُس شخص نے یہ خبر مولانا کو پہنچائی تو اس کو ڈانٹ دیا اور کہا جاؤ تمہیں کیا پڑی یہ باہمی تعلقات تھے ان حضرات کے اور وہ شان علم تھی۔ باہم علمی اختلاف رہا اور جب وہ بڑھنے لگا فوراً روک دیا۔ مولانا گنگوہی پر نقشبندیت کی شان غالب تھی اور مولانا پر چشتیت کی اور یہی چشتیت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر غالب تھی۔ خواجہ صاحب (حضرت عزیز الحسن صاحب جامع ملفوظات) نے عرض کیا اور حضور (حضرت سیدی مرشدی شاہ محمد اشرف علیصاحب مدظلہ میں اعتدال ہے فرمایا کچھ نہیں ہے پھر فرمایا کمال تو اہل کمال ہی میں ہوتا ہے مگر الحمدللہ ہم نے اہل کمال کو دیکھا ہے اور اب بھی ان کے قائم مقام حضرات غنیمت ہیں ؎

چونکہ شد خورشید ما را کرد داغ　　چارہ نبود بر مقامش از چراغ

پھر فرمایا کہ ظاہر میں ہے تو بے ادبی مگر بعضے متاخرین بعضے متقدمین سے افضل ہیں۔ کمال کسی پر ختم نہیں یہ نبوت تھوڑا ہی ہے جو ختم ہو جائے مجھے مولانا گنگوہی کے ساتھ زیادہ عقیدت ہے بہ نسبت مولانا کے اور بعض لوگ اس کے برعکس خیال رکھتے ہیں۔ مولانا گنگوہی کی شان سلف کے بہت مشابہ ہے۔ زمانہ میں متاخر سہی مگر حالات وہی ہیں جو سلف کے تھے جیسے حضرت حاجی صاحب کہ اکابر سلف کی شان رکھتے تھے مثل جنید وغیرہ حضرات کے۔ حضرت حاجی صاحب کو وہ کمالات حق تعالےٰ نے دیئے

تھے کہ نظیر ملنا مشکل ہے اور حضرت کے حالات شروع ہی سے عالی تھے ، حضرت جوانی میں ہندوستان سے تشریف لے گئے اسی زمانہ میں حضرت کی شہرت امراء اور غربا اور بیگمات تک میں سب میں ہو چکی تھی ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء حالانکہ حافظ ضامن صاحب حضرت کے معاصرین میں بھی بعض کمالات زائد تھے ، ان حضرات کے سامنے حضرت سے کرامتیں بھی صادر ہوئی تھیں ۔ ایک دفعہ حضرت کے یہاں مہمان بہت سے آگئے کھانا کم تھا ، حضرت نے اپنا رومال بھیجدیا کہ اس کو کھانے پر ڈھانک دو کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے کھالیا اور بچ بھی رہا یہ کرامت تو کمال ہی ہے دوسرا کمال دیکھئے کہ حضرت حافظ صاحب کو خبر ہوئی تو بطور اعتراض فرمایا کہ اب کیا ہے آپ کا رومال سلامت چاہیئے اب قحط کیوں پڑنے لگا ، اور انتقاص رزق میں جو حکمتیں ہیں اب وہ سب معطل ہو جائیں گی تو حضرت بہت شرمندہ ہوئے اور فرمایا واقعی خطا ہوئی ۔ توبہ کرتا ہوں پھر ایسا نہ ہوگا یہ ہے کمال کہ جس کو لوگ کمال سمجھتے ہیں وہ ان کے نزدیک توبہ کرنے کے لائق ہے حافظ صاحب بھی بڑے شخص تھے حافظ صاحب کا ایک مقولہ ہے جس کو حضرت گنگوہی نے بیحد پسند کیا وہ یہ کہ ذکر ہوا کہ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کھانا کھاتے میں ہر لقمہ پر بسم اللہ کہے اس پر حافظ صاحب فرماتے ہیں ہمیں تو طریقہ سنت زیادہ پسند ہے کہ اول میں ایک دفعہ بسم اللہ کہلی اور اخیر میں الحمد للہ کہے اس سے زیادہ ثابت نہیں ان حضرات کو سنت کے ساتھ کس قدر عشق ہے اور حافظ صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ذکر میں ہمیں تو صرف یہ نیت اچھی لگتی ہے جس کا وعدہ قرآن شریف میں ہے ۔ فاذکرونی اذکرکم اور واقعی یہی بات ہے اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اس کا معتقد کبھی بد دل نہ ہوگا ۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ میں شان ولایت کا رنگ غالب تھا اور مولانا گنگوہیؒ میں شان نبوت کا ۔ مولانا محمد قاسم صاحب سے حضرت حاجی صاحب کو بہت

محبت تھی اور حضرت کے پاس تو جو کوئی جاتا تھا یہی معلوم ہوتا تھا کہ سب سے زیادہ خصوصیت حضرت کو میرے ہی ساتھ ہے۔ حضرت مرید ہر شخص کو کر لیتے تھے بجز اس شخص کے جس کا پیر زندہ ہو اور اہل حق میں سے ہو۔ حق تعالےٰ نے حضرت کا وجود رحمت مجسم بنایا تھا بی بی ایسی دی تھی کہ ان بی بی خیر النسا میں اور حضرت حاجی صاحب میں صرف فرق ذکورت و انوثت کا تھا ورنہ بڑی کاملہ تھیں۔ مثنوی کی عالم تھیں مثنوی اُنہوں نے اور حضرت نے ایک ہی بزرگ سے پڑھی تھی۔ بیعت کے متعلق حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دو وجہ ہیں کہ میں کسی کو انکار نہیں کرتا ایک تو یہ کہ وہ کہیں بے جگہ پھنس جاوے دوسرے یہ کہ معلوم نہیں عند اللہ کون بہتر ہے ممکن ہے کہ کوئی مجھ سے اچھا ہو اور ہاتھ میں ہاتھ دینے سے قیامت میں اسی کا ہاتھ مجھ کو کھینچ لے۔ سُبحان اللہ کیا تواضع ہے حضرت اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب حافظ قرآن بھی تھے (اسوقت حضرت والا پر حضرت حاجی صاحب کے ذکر سے ایک خاص اثر تھا) ص ۱۶۹ تا ۱۷۲ حسن العزیز جلد چہارم

(۲۳) ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ میرٹھ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے عشا کے وقت ایک مسئلہ پُوچھا آپ نے اس کا جواب دیا مستفتی کے چلے جانے کے بعد ایک شاگرد نے عرض کیا کہ مجھے یہ مسئلہ یوں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا، تم ٹھیک کہتے ہو۔ اور مستفتی کو تلاش کرنا شروع کیا لوگوں نے عرض کیا رات زیادہ ہو گئی ہے آپ آرام فرمایئے۔ ہم صُبح ہونے پر اس کو بتلا دیں گے لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اور اس کے مکان پر تشریف لے گئے گھر میں سے اس کو بلایا اور فرمایا کہ ہم نے اس وقت مسئلہ غلط بتلا دیا تھا۔ تمہارے آنے کے بعد ایک شخص نے صحیح مسئلہ ہم کو بتلایا اور وہ اس طرح ہے۔ جب یہ فرما چکے تب چین آیا اور واپس آکر آرام فرمایا۔ امثال عبرت جلد اوّل ص۹۔

(۲۴) فرمایا کہ نرم مزاج اہل اللہ میں بھی رعب ہوتا ہے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نہایت نرم مزاج تھے مگر جب تک وہ نہ بولیں کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور جب وہ گفتگو شروع کر دیتے تھے تو پھر لوگ مزاح تک کرتے تھے یہ رعب معیت حق کا ہوتا ہے حدیث میں ہے۔ انا جلیس من ذکرنی۔ ص۱۳۷ جلد دوم حسن العزیز

(۲۵) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ نے روافض کے حفاظ نہ ہونے کی ایک لطیف وجہ بیان فرمائی کہ عادۃ اللہ تعالیٰ جاری ہے کہ اساتذہ کی بے ادبی سے علم نہیں حاصل ہوتا چونکہ حضرات صحابہ قرآن مجید کے اساتذہ اور نقل کرنے والے ہیں لہٰذا اُن کی گستاخی کا یہ وبال ہے کہ حفظ قرآن سے محروم ہیں ملفوظ ۵ ص۱۴۲ خبرت حصہ سوم

(۲۶) مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اَتَتْہُ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ کا مصداق دیکھا مولانا محمد قاسم صاحبؒ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے بڑے بڑے معزز لوگ نواب و روسا زیارت کو حاضر ہوتے تھے وہاں کسی سے پوچھا کب تشریف لائیں گے۔ اس نے کہا اب تھوڑی دیر میں نکلیں گے حجرہ کے آگے ایک چٹائی بچھی تھی جس پر کبھی جھاڑو نہیں ہوتی تھی سیروں گرد پڑی ہوئی تھی۔ وہاں بھلا کیوں جھاڑو ہوتی جن کا مذاق یہ تھا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ جو مسجد میں دبا دبا کر جھاڑو دیتے ہیں ہمیں بھلا نہیں معلوم ہوتا اتنا تو کرے کہ خدا کے سامنے خاکساری کی شکل تو بنا لے وہ سجدہ ہی کیا ہوا جس میں ماتھا اور ناک مٹی میں نہ بھرے بس کچی زمین ہو مٹی ناک کو ماتھے کو ہاتھوں کو اور تمام موضع سجدہ کو لگتی ہو۔ ہمارا تو اسی میں جی بہلا ہوتا ہے تو جن کا یہ مذاق ہو ان کی چٹائی پر کون جھاڑو دے وہ روسا اُسی چٹائی پر بیٹھ جاتے تھے اور کھلی آنکھوں نظر آتا تھا اَتَتْہُ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ (اس کے پاس دنیا ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے) کہ اہل دُنیا خاک آلودہ ہوتے تھے۔ روح الافطار ص

(۲۷) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ بہت ذہین تھے صدرا الشمس بازغہ کا کبھی

ترجمہ نہیں کیا نہ مطالعہ ایسا پڑھتے تھے جیسا تلاوت ہو رہی ہے۔ لمعان الدین ص۱۶ ام ۴۹

(۲۸) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے کتابیں کچھ بہت نہیں پڑھی تھیں بلکہ پڑھنے کے زمانہ میں بھی بہت شوق و مشقت سے نہ پڑھا تھا مگر مولانا کا علم ان کے رسائل سے ملاحظہ فرما لیجئے۔ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک مضمون نیا بیان کیا کسی نے حاضرین میں سے کہا کہ یہ مضمون تو ایک بار مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بھی بیان فرمایا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ جہاں سے ہم کہتے ہیں وہاں ہی سے وہ فرماتے تھے مگر اتنا فرق ہے کہ ان کے لیے سمندر کی برابر کھلتا تھا ہمارے لئے سوئی کے ناکہ کی برابر کھلتا ہے۔ ص۱۵ نفی الحرج

(۲۹) حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ وعظ کہنا دو شخصوں کا کام ہے ایک محقق کا اور ایک بے حیا کا اور اپنی نسبت فرماتے تھے کہ میں بے حیا ہوں، اس لئے وعظ کہہ لیتا ہوں۔ اور صاحبو یہ تو آسان ہے کہ اظہار تواضع کے لئے ہر واعظ زبان سے کہہ دے مگر فرق یہ ہے کہ وہ بناوٹ سے ہوگا اور مولانا بے بناوٹ کہتے تھے کیونکہ ان کو کمالات حقیقہ کا مبلغ معلوم تھا اس کے سامنے اپنے کمالات ہیچ نظر آتے تھے اور ہماری یہ حالت ہے ؎

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں ست　　زمین و آسمان وے ہماں ست

(۳۰) ہمارے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس بھی کپڑوں کی گٹھڑی نہ تھی نہ کوئی ٹرنک بکس تھا ایک مرتبہ کسی شخص نے مولانا کی خدمت میں چند ٹوپیاں بھیجیں آپ نے ان کو تقسیم کرنا شروع کر دیا صاحبزادہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک ٹوپی مانگ لی خود نہیں کہا فرمایا ہاں تو بھی ایسی ٹوپی پہنے گا ایسا دماغ بگڑا ہے اب یہ تکلف سوجھے گا۔ دیکھ تو کیسی ٹوپی پہناتا ہوں اور ان کے کپڑوں کی گٹھڑی دیکھی۔ تقدیر سے صاحبزادے کی گٹھڑی بھی بھڑکدار نکلی بس آگ بگولہ ہو گئے کہ

ادھر اس بھڑکدار گٹھڑی میں آپ کا لباس رکھا جاتا ہے یوں کپڑے تہ ہوتے ہیں یہ اچکن بھی تہ ہوا رکھا ہے۔ غرض سب کپڑوں کو کھول کھول کر صحن میں پھینکدیا۔ وعظ، ازالۃ الغین ص ۳۵ سلسلہ التبلیغ ۱۴۶

(۳۱) حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ مغلوب الحال و مغلوب الاخلاق تھے۔ اپنے شاگردوں کو مخدوم مکرم لکھتے تھے۔ پھر فرمایا کہ فانی وہ ہے جسے یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں فانی ہوں۔ حسن العزیز جلد دوم ص ۲۰۶ ملفوظ ۶۴۶

(۳۲) مولانا فخر الحسن صاحبؒ گنگوہی کا لطیفہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ کہا کہ اگر مجھ کو سلطنت مل جائے تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وزیر بناؤں۔ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کہا کہ ان کو جرنیل بناؤں غرضیکہ سب کے عہدہ تجویز کرنے کے بعد کہا کہ میں بادشاہ بنوں، ایک صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا کو تو وزیر اور خود کو بادشاہ تجویز کیا۔ کہا میاں بادشاہ تو بیوقوف ہوتا ہے اور وزیر عاقل اس لئے بادشاہ ہونا میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور مولانا کو وزیر تجویز کیا ہے۔ افاضۃ الیومیہ حصہ دوم ص ۲۴ م ۳۶

(۳۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے اثبات نسب بلا امت پر ظرافۃً لکھا ہے کہ ان صاحبوں کے پاس کوئی منتر ہو گا کہ نطفہ پیچھے سے آگے چلا جاتا ہے اور یہ شعر لکھا ہے

جنوں یہ نشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے
نہیں ہیں خوں سے مژگاں تر یہ خار دلنشیں نکلے

(الافاضات الیومیہ حصہ اول ملفوظ نمبر ۳۱ ص ۱۹۲)

(۳۴) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ لباس ایسا پہنتے تھے جس سے کوئی نہ سمجھ سکے کہ یہ عالم ہیں نہ عبا پہنتے تھے نہ چوغہ نہ ململ پہنتے تھے نہ تنزیب بلکہ گاڑھا مارکین آپ کا لباس تھا اور اسی لباس سے آپ

بڑے بڑے مجموں میں تشریف لے جاتے تھے مگر آپ کے سامنے سارے عبا اور جبّے والے دھرے رہ جاتے تھے آپ ہی کا نام چمکتا تھا اور کسی کو کوئی پُوچھتا بھی نہ تھا چنانچہ مباحثۂ شاہجہاں پور میں جو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بڑا عظیم الشان مناظرہ تھا بڑے بڑے عبا قبا والے موجود تھے اور حضرت مولانا اُسی معمولی کرتہ اور لنگی میں تھے مگر جب آپ نے تقریر کی ہے تو عوام پر اتنا اثر تھا کہ شاہجہان پور کے ہندو مہاجن اور بنئے یہ کہتے تھے کہ نیلی لنگو والا مولوی جیت گیا ایسی تقریر کی جیسے دریا بہتا ہے کسی کو اس کی بات کا جواب نہیں آیا۔ نیز مولانا کی یہ بھی عادت تھی کہ سفر میں اپنا نام کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے اور ساتھیوں کو بھی ممانعت تھی کہ کسی پہ نام ظاہر نہ کریں اور اگر کوئی آپ سے پوچھتا کہ جناب کا نام کیا ہے فرماتے خورشید حسین کیونکہ آپ کا تاریخی نام یہی ہے مگر اس نام سے لوگ واقف نہ تھے اس لئے کوئی نہ سمجھتا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ یہی ہیں اور اگر کوئی وطن کا نام پوچھتا تو فرماتے اللہ آباد۔ نانوتہ کا نام نہ لیتے رفقاء نے کہا حضرت آپ کا وطن اللہ آباد کدھر سے ہو گیا یعنی یہ تو کذب ہے فرمایا کہ نانوتہ بھی تو خدا ہی کا آباد کیا ہُوا ہے پس لغتہً ہر بستی اللہ آباد ہے یعنی کذب لازم نہ آیا بلکہ یہ توریہ ہُوا (وفی المعاریض مندوحۃ عن الکذب[۳] ط) مگر باوجود اس قدر اخفاء کے چھپے تھوڑا ہی تھے اللہ تعالیٰ ان کو پکارتے تھے۔ حضرت اہل اللہ کی عزّت اتنی بڑی ہے کہ ان کو ظاہری اسباب شہرت وسامان شوکت کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ تو وہ کرے جس کو حقیقی عزت حاصل نہ ہو وہ اسباب عزت وسامان شہرت اختیار کیا کرتا ہے۔ متنبی کہتا ہے ؎

حسن الحضارة مجلوب بتطرية　　وفی البداوة حسن غیر مجلوب
افدی ظباء ثلاة ماعرفن بها　　مضغ الکلام ولا صبغ الحواجیب
ولا برزن من الحمام مائلة　　اوراکهن صقیلات العراقیب

(نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی)

وعظ الفاظ القرآن ص۲۰

(**۳۵**) فرمایا مولانا عبدالحی صاحبؒ لکھنوی کو ہمارے بزرگوں سے بہت تعلق تھا چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مرض وفات سے بیمار ہوئے تو مولانا کی طبیعت ککڑی کھانے کو چاہی اس کی خبر کسی طرح مولانا عبدالحی صاحب کو بھی ہوگئی تو مولانا عبدالحی صاحبؒ نے لکھنؤ سے بڑے اہتمام سے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے لئے ککڑیاں بھیجیں۔ اسی طرح جب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تحذیر الناس لکھی تو سب نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی مخالفت کی مگر مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت میں رسالہ لکھا مگر دونوں رسالوں میں یہ تفاوت ہے کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں درایت کا رنگ غالب ہے اور مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں روایت کا رنگ۔

(القول الجلیل ص۳۰ م ص۲۰)

(**۳۶**) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی حکایت سُنی ہے کہ یہ حضرات جب دہلی میں پڑھتے تھے تو آپس میں مزاحاً ایک دوسرے سے کہتے کہ میاں کیا بات ہے کہ ہم ان بڈھوں سے کسی بات میں کم نہیں بلکہ ہمارا علم تو تازہ ہے اور ان بڈھوں کا علم پرانا ہوگیا پھر ہم ذہین بھی ان سے زیادہ ہیں مگر پھر بھی جو ان کی قدر ہے ہماری نہیں ان کے سامنے ہم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں یہ کیا بات ہے دوسرے صاحب کہتے کہ میاں ذرا ان بڈھوں کو کھسکنے دو بس پھر تو ہم ہوں گے اور تم ہوگے۔ سو قلت وقد کان کما قلتما رضی اللہ عنہما

(وعظ اجر الصیام من غیر الصرام حصہ دوم ص۱۶)

حکایات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ

(١) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی بھی نظر نہایت وسیع تھی ہر فن کا ان کو شوق تھا یہاں تک کہ فرماتے تھے کہ میاں اگر گالیوں کی کتاب بھی ہو تو اس کو بھی دیکھ لینا چاہیئے اور کچھ نہیں تو دو چار گالیاں ہی یاد ہو جائیں گی۔ ص۱۶ حسن العزیز جلد اول

(٢) ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی کتاب کو دس مرتبہ پڑھنے کا ارادہ ہو تو صرف آٹھ مرتبہ پڑھے دو کو باقی رکھے جس طرح چکی پھیرنے میں پوری ڈور نہیں چھوڑتے بلکہ دو ایک چکر باقی رکھتے ہیں اور انہیں کے اوپر پھر چکی کو اُٹھا لیتے ہیں۔ ص۱۶ جلد مذکور

(٣) مثنوی شریف میں یہ شعر آیا ہے ؎

جز نیاز و جز تضرع راہ نیست   زیں تقلب ہر قلم آگاہ نیست

فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا جب انتقال ہوا تو ان کے چودہ آدمی گھر کے اُن سے پیشتر چند ہفتوں کے اندر اندر مر چکے تھے بڑے صابر تھے کبھی نہ روئے نہ کوئی بے صبری کی بات منہ سے نکالی ہاں ایک مرتبہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے میں نے سُنا کہ یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

جز بہ تسلیم و رضا کو چارۂ   در کفِ شیرِ نرِ خونخوارۂ

یہ شعر بھی مولانا رومی ہی کا ہے۔ ص۲۹۲ جلد مذکور

(٤) فرمایا کہ مولانا بھی خوب صاف صاف اپنے مکاشفات سب کے سامنے بیٹھ کر بیان فرمایا کرتے تھے کہ بھائی رات کو مجھے یوں مکشوف ہوا اور بزرگ ان پر ہنسا کرتے تھے خوب صاف صاف کہہ ڈالتے تھے بہت ہی صاف طبیعت تھے اور بزرگ اپنے مکاشفات ان کے سامنے ڈر کے مارے نہیں کہتے تھے کہ سب پر ظاہر

کردیں گے۔ مولانا کے اکثر مکاشفات صحیح ہوتے تھے باقی جو کشف غلط ہوئے وہ مجھے معلوم ہیں ایک تو خود مولانا فرماتے تھے کہ مجھے سمجھنے میں غلطی ہوئی یعنی مولینا محمد قاسم صاحب کی عمر کی بابت وہ یہ کہ جب مولانا کی شدت مرض سے زندگی سے مایوسی ہوئی تو مولانا محمد یعقوب صاحب رجوع الی اللہ ہوئے اور براہ بعض ناز اس طرح دعا کی کہ ہماری عمر انہیں عطا فرما دیجئے۔ فرماتے تھے کہ میری تسلی کی گئی کہ ابھی دس برس اور زندہ رہیں گے مولانا نے سب سے کہدیا کہ گھبراؤ مت ابھی دس برس مولانا اور زندہ رہیں گے۔ سب خاموش ہو گئے لیکن بعد مولانا محمد قاسم صاحب کا انتقال ہو گیا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ تو فرماتے تھے کہ دس برس اور زندہ رہیں گے فرمایا بھائی میرے سمجھنے میں غلطی ہوئی میں نے خود یہ مطلب سمجھ لیا حالانکہ مطلب اور تھا ایک بات صرف یہ معلوم ہوئی تھی کہ میری دعا کے جواب میں لفظ مہدی کا ارشاد فرمایا گیا یوں فرماتے تھے کہ میں نے مہدی کے عدد جوڑے تو ۵۹ ہوئے اور اس وقت مولوی صاحب کی عمر ۴۹ سال کی تھی میں نے سمجھا کہ ابھی دس برس زندگی کے اور ہیں جب انتقال ہو گیا تو اب سمجھ میں آیا کہ مطلب یہ تھا کہ مہدی کی برابر عمر ہوگی حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ۴۰ برس کی عمر میں ظہور ہوگا اور ۹ برس کے بعد انتقال ہوگا پورے ۴۹ برس کی عمر ہوگی۔ مولانا نے ایک اور کشف اپنی عمر کے متعلق فرمایا تھا اس کی غلطی اخیر عمر میں انہیں معلوم ہوئی ہوگی۔ فرماتے تھے کہ میری عمر ۶۳ برس کی ہوگی اور اس کے متعلق ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ میرے سامنے ایک تسبیح ہوا کے اندر معلق ظاہر ہوئی تقریباً تخمیناً سو دانے اس میں تھے لیکن ایک عجیب ترتیب کیساتھ کہ ہر دس دانہ پر ایک حلقہ نورانی تھا جس سے گویا آحاد اور عشرات میں اور پھر باہم عشرات میں فرق کیا گیا اور ان میں سے اوّل کے دس دانے بہت ہی کم نور مٹے مٹے تھے اس کے بعد جو دس دانے تھے ان میں سے پانچ تو پچھلے دانوں سے کچھ کم روشن تھے

اس کے بعد روشنی بڑھتی گئی۔ اسی طرح چھ حلقے گنے پس ساٹھ دانے تو یہ ہوئے پھر تین دانے اور تھے یہ سب متصل تھے۔ کل ۶۳ ہوتے بقیہ دانے الگ تھے گنے نہیں تو بھائی یہ میری عمر مجھے دکھلائی گئی ہے اور شروع کے دس دانے مٹے ہوئے تھے۔ وہ نابالغی کا زمانہ تھا۔ بعد کے پانچ دانے کچھ ان سے روشن تھے وہ پانچ برس مراہقت کے زمانہ کے تھے جس میں نماز کی بابت حکم ہے کہ مار کر پڑھائی جائے چنانچہ بزرگ اس زمانہ میں نماز پڑھنے کی تاکید رکھتے ہیں اور گو روزہ کا ذکر نہیں لیکن روزہ بھی رکھواتے ہیں۔ اس لئے یہ پانچ دانے ان سے زیادہ روشن تھے لیکن پھر بھی بعد کے دانوں سے روشنی کم تھی کیونکہ اس زمانہ کی عبادت محض نفل ہوتی ہے مگر ۱۴، ۱۵ برس کی عمر میں بالغ ہو جاتا ہے پھر نماز روزہ وغیرہ فرض ہو جاتا ہے اس کے بعد علم و عمل بڑھتا گیا۔ چنانچہ روشنی بھی دانوں پر بڑھتی گئی اس کے یہ معنی ہیں کہ ۶۳ سال میری عمر ہوگی۔ مگر مولوی صاحب کی اس سے کم ہوئی یوں معلوم ہوتا ہے کہ گنے میں غلطی ہوئی یوں کشف صحیح ہے۔ تسبیح سے عمر ہی مراد تھی۔ ص ۲۹۴

حسن العزیز جلد اوّل ملفوظ ۴۸۴

(۵) فرمایا کہ بڑا مزا آتا تھا مولوی (محمد یعقوب) صاحب کے سبق میں ایسی ایسی باتیں فرمایا کرتے تھے سبحان اللہ کیا لوگ تھے ایک بزرگ یہاں (خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون) آیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت ہیں وہ صاحب کشف ہیں وہ کہتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کی قبر پر میں فاتحہ پڑھنے گیا تو مجھے مولانا نے ایک لقب دیا عجیب لقب دیا وہ اشعار درد کے اور نعت کے اور پیروں کی مدح میں بہت پڑھا کرتے ہیں تو اس کے مناسب مولانا نے مزار سے ان کو لقب دیا محمدی بھاٹ ہنستے تھے کہ بھائی ہمیں تو یہ لقب مولانا نے دیا ہے مولانا ظریف بہت تھے دیکھئے ظرافت اس کو سوجھتی ہے جو شگفتہ ہو وہاں تو شگفتگی

ہی شگفتگی ہوگی یہاں تو رنج و غم وغیرہ بھی رہا کرتے ہیں یہ تو بڑی فرصت کے کام ہیں کہ لوگوں کے لقب تجویز کریں۔ ص ۲۹۵ م ۲۸۲ جلد مذکور۔

(۶) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب جب کسی کو پیٹتے تھے تو ایسی ایسی مزہ کی باتیں غصہ میں فرماتے جاتے تھے کہ دیکھنے والوں کو بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ کوئی طالب علم اگر کہتا کہ اللہ کے واسطے نہ ماریئے تو فرماتے ہاں اللہ ہی کے واسطے مارتا ہوں ایسے مفسدوں کو سزا دینے کے لئے اللہ ہی نے حکم دیا ہے، وہ کہتا رسول کے واسطے نہ ماریئے۔ فرماتے ہاں رسول ہی کے واسطے مارتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ ایسے مفسدوں کو سزا دو، غرض یہ کہ اسقدر ہنسی کی باتیں فرماتے تھے کہ بہت ہی ہنسی آتی تھی۔ بڑے ذکی تھے ہر بات کا ایسا جواب دے دیتے تھے ص ۴۳۹ م ۶۲۴ جلد مذکور۔

(۷) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب بڑے ظریف تھے ایک بار کا قصہ ہے کہ آپ نے کسی مالدار شخص کو کوئی سہل دوا کسی مرض کی بتلائی انہوں نے ادنیٰ سمجھ کر استعمال نہ کیا اُن کے یہاں ایک حافظ صاحب نابینا رہتے تھے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس دوا کے استعمال کی تائید کر رہا ہے۔ حافظ صاحب نے ان صاحب سے کہا وہ صاحب حافظ جی کو لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب بیان کیا۔ مولاناؒ نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ خواب میں جس نے آپ سے کہا اس کی آواز میری جیسی تو نہ تھی حافظ جی نے کہا کہ تھی تو کچھ کچھ ایسی ہی۔ مولانا نے فرمایا کہ بس جب تم نے بیداری کی بات کو نہ مانا تو میں نے اس کو خواب میں کہدیا۔ ص ۵ م ۱۴ احسن العزیز جلد دوم۔

(۸) فرمایا کہ بقول مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ کے آجکل کے مولوی فوجیوں سے کم نہیں وہ پلٹن اور رسالہ سے لڑتے ہیں یہ کتاب اور رسالہ

سے۔ ص۱۱ م۱۹ جلد مذکور۔

(۹) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ایک ہندو منصف کو جن کے پلک اور بھنوؔں وغیرہ پر بھی بالکل بال نہ تھے فارغ البال کہا کرتے تھے (یعنی بالوں سے فارغ جامع عفی عنہ) پھر فرمایا کہ وہ ویسے بھی فارغ البال تھے کیونکہ معقول تنخواہ کے ملازم تھے۔ ص۱۵ م۲۱ جلد مذکور

(۱۰) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ایک مرتبہ گنگوہ تشریف لائے مولانا کے پاتجامہ میں بجائے کمر بند کے بان پڑا ہوُا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ بان کیوں ڈالا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نے جواب دیا کہ کمر بند تلاش کیا مگر اس وقت ملا نہیں اس لئے بان ڈال لیا۔ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا اچھا میرا کمر بند جو الگنی پر پڑا ہے ڈال لو۔ چنانچہ کمر بند باندھنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ اُس میں روپیہ بھی بندھا ہوُا ہے حضرت سے کہا کہ اس کمر بند میں تو روپیہ بھی بندھا ہوُا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مع روپیہ کے کمر بند آپ کی نذر ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے روپیہ لے لیا اور کمر بند پاتجامہ میں بلا تکلف ڈال لیا۔ ص۲۲ م۱۶ جلد مذکور

(۱۱) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جب مخاطب کو افسردہ پاتے تو تقریر بالکل بند کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مدار المہام صاحب نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی مولانا نے بیان فرمائی وہ سنکر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا کہ آیا سمجھ گئے یا کچھ شبہ ہے مولانا بہت ناخوش ہوئے۔ ص۱۷ م۲۴۲ جلد دوم حسن العزیز

(۱۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے جنت کی تعریف میں کیسا فصیح و بلیغ جامع اور چھوٹا سا جملہ ارشاد فرمایا کہ بہشت میں چھوٹی سی خدائی ہوگی۔ یہ خدا کی شان ہے کہ کُن کہہ دیا اور ہو گیا۔ جنتی کی خواہش کا فوراً ہی ظہور ہو جانا اسی شان

کا ظہور ہے۔ پھر فرمایا کہ گراموفون کی ایجاد سے منکرین کی گردنیں پست ہوگئیں پس اسی طرح جنت میں اگر کواڑ اور چوکھٹ بولیں تو کیا بعید ہے۔ ص۸۹ م ۲۷۷ جلد مذکور۔

(۱۳) فرمایا مولینا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ کھٹمل کے معنے ہیں چارپائی کا پہلوان مل کے معنے پہلوان کے ہیں اور کھٹ ہندی میں کھاٹ کا مخفف ہے جس کے معنے چارپائی کے ہیں۔ ص۹۲ م ۲۹۲ جلد مذکور

(۱۴) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی نسبت حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا مقولہ سُنا ہے کہ ہر شخص کے اندر کچھ نہ کچھ روگ باطنی ہوتا ہے جو مجاہدہ سے رفع ہوتا ہے مگر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ میں کوئی روگ باطنی نہیں ہے۔ ص۹۸ م ۳۰۵ جلد مذکور۔

(۱۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب مولوی لٰسین سے کہنے لگے عام مجمع میں جہاں ان کے مرید اور شاگرد بھی موجود تھے کہ مجھ میں ذرا سی کسر رہ گئی ہے اور تمہارے پیر یعنے مولانا رشید احمد صاحب اسے پُورا کر سکتے ہیں مگر وہ پتہ ہی نہیں دیتے بخل کرتے ہیں۔ ص۹۸ م ۳۰۵ جلد مذکور۔

(۱۶) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے زمانہ میں ایک طالب علم نے ایک دوسرے بتندی طالب علم سے جس کی نئی شادی ہوئی تھی یہ کہلوا دیا طلقت امرأتی پھر ہنسا کہ جاؤ تمہاری بی بی کو طلاق ہوگئی۔ وہ بہت گھبرایا اور مولانا کو اطلاع کی تو اس کو خوب پیٹا مولانا کو شرارت پر غصہ آتا تھا تعلیم کے معاملات میں غُصّہ نہ آتا تھا۔ چنانچہ ایک طالب علم عائشۃ کو ہمیشہ عاشیتہ پڑھتے تھے مولانا ان کو ہر مرتبہ بتلاتے تھے اگرچہ ان سے کہا نہ جاتا تھا۔ ص۱۰۲ م ۳۲۲ جلد مذکور۔

(۱۷) فرمایا کہ سب میں خلقی روگ ہوتا ہے جو ریاضت و مجاہدہ سے جاتا ہے مگر مولانا بے روگ تھے ایک مرتبہ دیوبند سے گدھے پر سوار ہوکر اسی پر کتابیں رکھ کر

نانوتہ کو چل دیئے۔ ص۱۰۳ ام ۳۲۲ جلد دوم حسن العزیز۔

(۱۸) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی کھانا کھا رہے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تشریف لے آئے مولانا گنگوہی اپنے ہاتھ کا ٹکڑا دے کر گھر میں سے اور کھانا لینے کے واسطے چلے گئے مولانا نے وہ ٹکڑا کھانا شروع کر دیا پھر ہمارے حضرت (مولانا و مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ ان سب حضرات کا آپس میں ایسا برتاؤ تھا کہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان میں کون بڑا ہے مثل صحابہ کے آپس میں بے تکلف اور جاں نثار تھے ہر شخص دوسرے کو اپنے سے بڑا سمجھتا تھا۔ ص۱۰۳ ام ۳۲۴ جلد مذکور۔

(۱۹) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ وضو کرتے میں اقلیدس و مساحت کے سوالات حل کرتے جاتے تھے ایک وہاں اسکول تھا وہاں کے مدرس پوچھنے آ جاتے تھے۔ مولانا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اوّل مرتبہ ہی میں جہاں تک میرا ذہن پہنچا ہوتا ہے پہنچ جاتا ہے اگر نہیں پہنچتا تو سمجھ لیتا ہوں کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آوے گی باوجود اس کمال کے جب سمجھ میں نہ آتا تھا تو کسی کے پاس کتاب لے کر بلا تکلف جا بیٹھتے تھے۔ ص۱۱۴ ام ۳۵۸ جلد مذکور۔

(۲۰) فرمایا کہ ایک طالب علم جولاہہ مدرسہ دیوبند میں پڑھتے تھے۔ مولینا محمد یعقوب صاحب جب جولاہوں کی حکایت سناتے تو وہ کہتے کہ مولوی صاحب جولاہوں کے ہی قصے سنایا کرتے ہیں مگر وہ طالب بڑے گستاخ تھے جب مولانا کہیں چلے جاتے تو وہ مولانا کی درس گاہ پہ جا کر بیٹھتے تھے اور پیر حضرت مولانا سید احمد صاحب مدرس ثانی کی طرف کو کرتے تھے۔ ص۱۱۶ ام ۳۶۵ جلد مذکور۔

(۲۱) فرمایا کہ مولانا (حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) نے ناراضی میں ایک شخص کو سلب رزق کی بد دعا دی وہ مسلوب الرزق ہو گیا نیز اپنا کشف بلا تکلف

ظاہر فرما دیتے تھے۔ ص۱۲۳ م ۳۹۰ جلد مذکور۔

(۲۲) فرمایا کہ پہلے مدرسہ دیوبند کے کچے مکان تھے چھپر پڑے تھے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے خواب میں جنت میں کچے مکانات دیکھے جس سے تعجب ہوا کہ جنت میں اور کچے مکان پھر ان چھپروں پر دفعتہً نظر پڑی تعبیر سمجھ میں آئی کہ یہ مکانات مقبول ہیں۔ ص۱۳۵ م ۴۳۸ جلد مذکور۔

(۲۳) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں ایک تو تقریر میں لغت بولنا دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا مقصود تحریر و تقریر سے افہام ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔ ہمارے اکثر بزرگوں کے خط نہایت صاف تھے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا خط تو نہایت صاف تھا نقطے و شوشے تک سب پورے پورے ہوتے تھے۔ ص۱۴۲ م ۴۶۸ جلد مذکور۔

(۲۴) فرمایا کہ شہر والوں میں یہ عادت نہیں کہ اپنی غلطی کا اقرار کریں گاؤں والے بیچارے اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں شہر والے تو اور اس غلطی کو بناتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب میں یہ بات دیکھی کہ ادنٰے سے طالب علم نے اگر کوئی غلطی جتلا دی تو فوراً اقرار کر لیا کہ ہاں بھائی میری غلطی تھی مولانا سے بڑے بڑے بھی دیکھے مگر کسی اور میں یہ بات نہ دیکھی مولانا اپنے ماتحت مدرسین کے پاس کتاب لے کر جا بیٹھتے تھے اور جو بات سمجھ میں نہ آتی تھی اس کو پوچھ لیتے تھے۔ ص۱۵۳ م ۴۹۶ جلد دوم حسن العزیز۔

(۲۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ مدرسہ دیوبند میں کسی نے آم بھیجے سب طالب علم وہیں آم کھا رہے تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی وہیں کھا رہے تھے مگر مولانا نے طالب علموں کی طرف سے پشت کر لی تھی طالب علموں میں جو ثقہ تھے انہوں نے مولانا کی پناہ لے لی تھی کیونکہ طالب علم آپس میں چپکے چپکے رس وغیرہ ایک دوسرے

پر نچوڑ دیتے تھے پھر مولانا اُٹھ کر حجرے میں چلے گئے اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ طالب علموں کے ساتھ تماشا دیکھتے رہے۔ طالب علموں میں خوب گٹھلی بکل چلا پھر جب خوب چل پڑی تو مولانا محمد یعقوب صاحب باہر نکل آئے۔ مولانا کو دیکھ کر سب بھاگ گئے مولانا کی بڑی ہیبت تھی میں (یعنی اپنے حضرت مولانا سیدنا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) بھی مولانا کی پناہ میں تھا۔ بعد میں لوگوں نے بہت چاہا کہ میرے اوپر بھی رس اور گٹھلی بکلّ ڈالیں مگر میں نے اپنے حجرہ میں جا کر اندر سے زنجیر لگا لی تب لوگ مجبور ہو گئے۔ ہر چند کھلوانا چاہا مگر میں نے نہ کھولا۔ ص۱۵۳ ام ۴۹۶ جلد مذکور۔

(۲۶) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے خادم ایک شخص عبداللہ تھے ان سے مولانا کے گھر میں کہا کہ جاؤ یہ بات مولانا سے کہو بس اس قدر بھاگ کر گیا کہ سانس پھول گیا اور جا کر کہا کہ اجی حضرت یوں کہا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا کہا ہے کہنے لگے کہ میں تو بھول گیا مولانا نے فرمایا کہ بھاگنے کا تو اہتمام رہا اور اس بات کے یاد رکھنے کا اہتمام نہ ہوا۔ ص۱۶۶ ام ۵۳۲ جلد مذکور۔

(۲۷) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنی ہمشیرہ کے متعلق ایک کشف بیان کیا انہیں حج سے آنے میں اور نیز خبر پہنچنے میں دیر ہوئی مولانا فرماتے تھے کہ میں ان کے انکشاف حال کی طرف متوجہ ہوا ایک بڑا کاغذ خوشخط دیکھا جس میں جدولیں بنی تھیں ایک خانہ میں لکھا تھا العامل دوسرے میں العمل تیسرے میں الجزا، اس میں میں نے اپنی ہمشیرہ کا نام دیکھا۔ العمل میں لکھا تھا الحج، اور الجزا میں لکھا تھا۔ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ ص۱۷۸ ام ۵۶۳ جلد مذکور۔

(۲۸) فرمایا کہ مولانا نہ اپنا کشف چھپاتے تھے نہ دوسرے بزرگوں کا، اس واسطے اور بزرگ اس مجمع کے مولانا سے اپنے مکاشفات نہیں کہا کرتے تھے ایک

مرتبہ مولانا رفیع الدین صاحب نے کہدیا کہ رمضان شریف میں فلاں تاریخ بارش ہوگی قحط تھا۔ پس مولانا محمد یعقوب صاحب نے سب سے کہدیا کہ اطمینان رکھو فلاں تاریخ بارش ہوگی۔ پھر حضرت والا (سیدنا مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے فرمایا کہ بجز مخلصین حضرات کے اوروں کے مکاشفات کون بیان کیا کرتا ہے اپنی ہی دوکان جماتے ہیں۔ ص۱۷۸ م ۵۲۳ جلد مذکور

(**۲۹**) فرمایا کہ رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اس قدر تخویف سے نہیں ہوتا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا۔ لوگوں کی جان نکلتی تھی حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔ ص۱۷۹ م ۵۶۶ جلد مذکور۔

(**۳۰**) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بعض میں کبر بصورتِ تواضع ہوتا ہے ہم لوگوں کے الفاظ تواضع کے ہوتے ہیں لیکن واقع میں اپنے کو ایسا سمجھتا نہیں چنانچہ مدح کے جواب میں کہتے ہیں کہ میں اس قابل نہیں اس سے وہ زیادہ مدح کرتا ہے پس اچھے طریق وہ تھے جو مولانا ممدوح کا تھا کہ مداح کا رد نہیں کرتے تھے چپ رہتے تھے۔ مدح کے قطع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ چپ رہے اور مذمت کے وقت بھی خاموش رہے نہ اس کا اثر نہ اُس کا اثر بس تواضع یہ ہے۔ ص۱۸۱ م ۵۶۲ جلد مذکور۔

(**۳۱**) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتہ سے چلے اور لحاف کی تہ اس طرح سے کی ابرا اوپر اور استر نیچے رہا کسی صاحب نے اس کو اس طرح کردیا کہ ابرا نیچے اور استر اوپر اور یہ کہا کہ بزرگوں کو ایسے امور کا تجربہ نہیں جب مولانا نے ملاحظہ فرمایا تو کہا کہ یہ کس عقلمند نے تصرف کیا ہے لحاف کے ابرے کو تو گرد و غبار سے بچایا اور یہ خیال نہ کیا کہ یہ گرد و غبار میرے دماغ میں پہنچے گا لحاف اچھا ہُوا یا میرا دماغ۔ زینت مقصود نہیں ہے۔ آرام مقصود ہے۔ ص۱۹۱ م ۵۶۳

(۳۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو یہ تسلی کے واسطے فرمایا یعنی مجبوری کو ایسا ہی دوام کر لے۔

ص۲۳۳ م ۵۹ جلد مذکور

(۳۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ اکثر غیر مقلدوں کا مذہب تمام رخص کا مجموعہ ہے۔ وتر اور تراویح کی مختلف روایتوں میں سے ایک اور آٹھ والی لیلی اگر کوئی شخص اسی طرح رخصتیں ڈھونڈا کرے تو اتباع کیا ہوا۔

ص۲۳۹ م ۲ جلد مذکور

(۳۴) حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک رئیس کے یہاں سے لڈو آئے ایک میں لے کھا لیا وہ کھاتے ہی قلب میں سخت ظلمت پیدا ہوئی اور ہر وقت یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ کوئی خوبصورت عورت ملے کہ اس سے زنا کروں اسی حالت میں ایک مہینہ گزر گیا میں روتا اور توبہ کرتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ہو گیا۔ ص۱۱۹ اربعین مُصطفائی۔

(۳۵) فرمایا کہ ایک دفعہ ایک اور شخص نے دعوت کی یہ ایک بزرگ تھے، عبداللہ شاہ نام کہ جنگل سے گھاس کھود کر لایا کرتے تھے اور دو آنہ کو بیچدیا کرتے تھے اس میں سے دو پیسے خیرات کر دیتے تھے اور چھ پیسے بال بچوں میں خرچ کرتے تھے انہوں نے ایک دن کہا کہ آپ صاحبوں کی دعوت کرنے کو دل چاہتا ہے مگر کھانا پکا کر کھلانا تو ہمارے بس کا ہے نہیں دام لے لو اور اپنے گھر بیٹھے چاول پکا کر کھا لو (دعوت شیراز تو مشہور تھی مگر یہ اور انوکھی دعوت ہے کہ دام لے لو او۔ پکا کر کھا لو!) اور ہم کئی آدمی تھے مولانا محمد قاسم صاحب بھی تھے اور آپ کے ساتھ چند اور آدمی بھی تھے سب نے مل کر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ذمہ اس کا پکوانا۔ کھا وہ مولانا کے گھر پکا اور مولانا نے اس قدر احتیاط کی کہ کوری ہانڈی منگائی

اور پکانے والے کو وضو کرایا۔ جب چاول تیار ہوگئے تو سب نے مل کر دو دو لقمے کھا لئے مولانا فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ چاول حلق سے اُترے ایک رُوحانی لذّت اور نُور محسوس ہوا اور لطف یہ کہ اُس کا اثر مدّت تک رہا تو ہم نے کہا کہ ایک بار کے کھانے کا یہ اثر ہے تو اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو ہمیشہ ایسا ہی کھانا کھاتا ہے اور اس کے سوا دوسرا کوئی کھانا اس کے پیٹ میں جاتا ہی نہیں۔ ص۱۱۹ اربعین مُصطفائیؐ۔

(۳۶) ارشاد فرمایا جب مدرسہ دیوبند کی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بنا ڈالی ہے۔ تو بعض بانیان کالج علی گڑھ نے کہا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا سوائے اس کے کہ چند قل اعوذیئے اور بڑھ جائیں گے بھیک مانگیں گے۔ مولانا محمد یعقوبؒ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے یہ سُن کر حق تعالےٰ سے عرض کیا اے اللہ اس کا عملی جواب آپ ہی دیں گے تو فرماتے تھے کہ مجھ سے یہ وعدہ کر لیا گیا کہ جو یہاں سے نکلے گا اس کی ماہوار آمدنی دس روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ (حضرتِ مولائی مرشدی سیدی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے فرمایا) چنانچہ واقعی دس روپے سے کم آمدنی والا کوئی نہیں خواہ بلا واسطہ وہاں کا تعلیم یافتہ ہو یا بواسطہ غرض وہاں کے تعلیم یافتوں کو ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (پھر فرمایا) یہ لوگ بہت سادی وضع سے رہتے ہیں اس لئے قلیل آمدنی بھی کافی ہو جاتی ہے آج کل تو زیادہ خرچ فیشن ہی کا ہے ورنہ انسان کا تھوڑی آمدنی میں بھی گذر ہو جاتا ہے۔ ص۴ جلد چہارم حسن العزیز۔

(۳۷) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے۔ ہم بس اپنے مجمع میں بڑے ہیں باہر نکل کر کچھ بھی نہیں۔ جیسے رڑکی کالج کے کاریگر کہ جب تک کالج کے اندر ہیں سب کام کر سکتے ہیں کیونکہ وہاں مشین موجود ہے اور وہاں سے نکلے تو کچھ بھی نہیں گویا ہاتھ پیر وہیں رکھ آئے۔ مطلب یہ ہے مولانا کا، کہ ہم سے جو کچھ برکات اپنے

مجمع کو پہنچتے ہیں وہ ہم کو حق تعالٰے کی طرف سے طالبین ہی کی بدولت عطا ہوتے ہیں۔ ص۵۹ حسن العزیز جلد چہارم

(۳۸) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے تمام مجمع میں خوش پوشاک نازک مزاج نازک بدن تھے اور حسین بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا شہزادہ ہیں ان کی حکایت ہے کہ موضع البہا کے ایک شخص نے مولانا کی مع طالب علموں کے آموں کی دعوت کی وہ گاؤں دیوبند سے تین کوس ہے سواری بھی نہیں لایا مولانا مع رفقاء کے پیدل گئے اور وہاں آم کھائے جب چلنے لگے تو اُس نے بہت سے آم گھر لے جانے کے لئے دیئے اور بدتمیزی یہ کی کہ اُن کے پہنچانے کے لئے بھی مزدور تک نہ دیا۔ بس سامنے لا کر رکھ دیئے کہ ان کو لیتے جایئے۔ مولانا کا حصہ بھی اوروں سے زیادہ ہی دیا گیا سب اپنے اپنے آم کپڑے میں باندھ کر چلے مولانا بھی بغل میں لے کر چلے، ایک طرف کی بغل دُکھ گئی تو دوسری طرف لے لیا۔ جگہ تھی دُور بار بار کروٹیں بدلتے تھے یہاں تک کہ دیوبند پہنچے تو ہاتھ زیادہ تھک گئے مولانا نے اُس گٹھڑی کو سر پہ رکھ لیا اور فرماتے تھے کہ بھائی یہ ترکیب پہلے سے سمجھ میں نہ آئی اس وقت حالت یہ تھی کہ مولانا کو دونوں طرف سے بازار میں سلام ہو رہے تھے اور مولانا جواب دیتے جاتے تھے اور اس حالت سے مولانا کو ذرا بھی تغیر نہ تھا سبحان اللہ کیا تواضع ہے نفس ان حضرات میں تھا ہی نہیں۔ یہ قصہ میں نے مولوی ظفر احمد مرحوم تھانوی سے سُنا جو اس زمانہ میں وہاں طالب علمی کرتے تھے۔ ص۱۶۳ جلد چہارم حسن العزیز۔

(۳۹) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی اگر آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نکلتا کیونکہ جو ممانعت ان کو ہوئی تھی چونکہ وہ شجرہ قابل نہی تھا وہ ہی ممانعت ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بھی بہت لوگ کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے

جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خوب آباد ہوتی وہاں اس کے ماں باپ بھائی بیٹے بیوی سب ہی ہوتے ان سب سے علیحدہ کر کے اس کو دُنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ کے ہو جاتی اس لئے اللہ میاں نے وہاں سے سب کو رخصت فرمایا یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے سخت تکلیف ہوتی باقی خود حضرت آدمؑ کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لئے بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور عینی معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے آثار کا علم ہو جائے اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جائے تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی۔ جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا۔ لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا۔ مثلاً تواب کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے تو جنت سے علیحدہ کر کے خدا تعالےٰ کو حضرت آدمؑ کی تکمیل عرفان کی مقصود تھی پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی تکمیل تھی اور بعض قرائن سے حضرت آدم کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدم کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی ارشاد ہُوا کہ کہو الحمد للہ اور فرشتوں کو حکم ہُوا کہو یرحمک اللہ تو بعض روایت میں ہے کہ حضرت آدم روئے اور کہا کہ دُعاء رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی اور اس کمال رحمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا تھا کیونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

علی وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ ص۳ امثال عبرت حصہ اوّل۔

(۴۰) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی حکایت یاد آئی حدیث پڑھی گئی تھی کہ جو شخص تازہ وضو سے دو رکعت نماز پڑھے اور ان رکعتوں میں حدیث النفس نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت ایسا ہو سکتا ہے کہ نماز میں خیال نہ آوے۔ مولانا نے فرمایا کہ کبھی کر کے بھی دیکھا تھا یا ویسے ہی شبہ کرتے ہو۔ ص۵ حصہ اوّل امثال عبرت

(۴۱) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو قرآن و حدیث سے تمدن اور اخلاقی تعلیم کے استنباط کا بڑا ملکہ تھا ایک روز فرمایا کہ دیکھو حدیث سے ایک قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے شر سے بھاگے اور یہ چاہے کہ میں ہاتھ نہ آؤں تو بہت دور نہ جاوے نزدیک ہی کہیں جا کر چھپ جاوے۔ اس لئے ڈھونڈھ جب پڑتی ہے تو دور دور تو دیکھنے جاتے ہیں اور پاس کوئی نہیں دیکھتا اور اس قاعدہ کو ہم نے حضور کے فعل سے سمجھا ہے کہ حضور جو مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے ہیں تو تین میل پر جا کر غار ثور میں چھپے ہیں حالانکہ تمام عالم دشمن اور اونٹنیاں ایسی تیز موجود کہ اگر دھاوا فرماتے تو کم از کم مدینہ طیبہ کی آدھی منزل پر تو قیام فرماتے لیکن حضورؐ سے زیادہ کون دانشمند ہوگا آپ تین میل پر جا کر چھپ گئے لوگوں نے دور دور ڈھونڈا اور قریب کسی نے نہ ڈھونڈا جب لاچار ہو گئے تو ایک قائف کو لائے اس زمانہ میں قیافہ شناس غضب کے تھے۔ اس قائف نے غار ثور پر لا کر کھڑا کر دیا کہ اس سے آگے نہیں گئے حضرت صدیق اکبر اس موقع پر حضور کے ساتھ تھے جن سے حضرات شیعہ بہت خفا ہیں بلکہ ان میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ جن حضرت کی خاطر سے یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ سے خفا ہیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں یہ لوگ ان سے بھی ناراض ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے اس واسطے

کہ انہوں نے ان کا حق کیوں نہیں دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس واسطے کہ انہوں نے اپنا حق کیوں نہ وصول کیا۔ ایک جاہل متعصب شیعی کی حکایت ظرافت آمیز یاد آگئی کہ نماز کے واسطے سنیوں کی مسجد میں گیا وہاں لکھا دیکھا ؎

چراغ و مسجد و محراب و منبر ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

دیکھ کر بہت خفا ہوا کہ ہم تو تمہارے واسطے جان کھپاتے پھرتے ہیں اور تم کو جب دیکھتے ہیں ان ہی کے ساتھ بیٹھا دیکھتے ہیں اور غصہ میں چھری لے کر چڑھ گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک چھری سے چھیل دیا گویا اپنے نزدیک ان کو وہاں سے علیحدہ کر دیا۔ خدا بچائے جہل سے ایسی محبت سے بھی خدا محفوظ رکھے اور ایسی عداوت سے بھی مامون رکھے۔ غرض ایسے وقت بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا کوئی اُن سے پوچھے کہ اگر ابو بکرؓ دشمن تھے تو کیا ایسے وقت میں دشمن کو ساتھ رکھا کرتے ہیں۔ القصہ وہ لوگ غار پر آئے اور حضرت صدیقؓ نے اُن کو دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر یہ لوگ آپ کے قدموں کے دیکھیں تو ہم کو پالیں گے حضور نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہ معنا۔ حضرات شیعہ میں ایک شخص اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ شور و غل مت کرو اول تو حزن کے معنے شور و غل کے نہیں، دوسرے آگے ان اللہ معنا کے کیا معنے ہوں گے یہ توجیہ تو جب صحیح ہو کہ جب اللہ تعالےٰ کو بھی (نعوذ باللہ) دشمن قرار دیں اور معنی یہ کہے جاویں کہ شور و غل مت کرو۔ اللہ میاں ہمارے ساتھ ہیں وہ سن لیں گے، سبحان اللہ کیا اچھا حق ادا کیا ہے رسُول کا کہ اللہ تعالےٰ کو رسُول کا بھی دشمن گردانا۔ الحاصل ان لوگوں نے ادھر ادھر تلاش کیا ادھر حق تعالےٰ کی یہ قدرت ظاہر ہوئی کہ اسی وقت غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتر نے انڈے دے دیئے۔ اُنہوں نے قائف سے کہا تو احمق ہوا ہے اس غار میں تو کسی طرح

جا نہیں سکتے۔ اس لئے کہ اس کے منہ پر مکڑی کا جالا ہے اور کبوتر نے انڈے دے رکھے ہیں۔ کبوتر وحشی جانور ہے یہ انڈے بچے ویرانہ میں دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تو مجنون ہے قائف نے کہا کہ کچھ کہو واللہ آگے نہیں بڑھے حق تعالےٰ نے ان کی عقلوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ قائف کے اتنا سننے کے بعد بھی اتنا نہ ہوا کہ علیٰ سبیل الاحتمال ہی غار کے اندر دیکھ لیتے اگرچہ احتمال بعید تھا لیکن جو شخص کسی شئے کو تلاش کیا کرتا ہے تو ایسی ایسی جگہ بھی دیکھتا ہے جس میں بالکل احتمال نہ ہو۔ جیسے کسی بنئے کی تھالی کھو گئی تھی تو اس نے سب جگہ دیکھا حتیٰ کہ گھڑے کے اندر بھی کہ شاید اس میں نہ ہو حالانکہ اس میں کسی درجہ میں بھی احتمال نہ تھا تو احتیاطاً غار میں بھی دیکھ لیتے لیکن عقل اور وہم اور خیال سب قوتیں حق تعالےٰ کے قبضے میں ہیں جس طرف چاہیں ان کو پھیر دیں۔ دیکھ بھال کر چلے گئے۔ غرض اس قصہ سے یہ نکلا کہ اگر چھپنا ہو تو قریب جگہ چھپنا چاہیئے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیا علیہم السلام بھولے بھالے نہیں ہوتے۔ عقل کامل ان کو عطا ہوتی ہے۔ ص ۹۸ امثال عبرت حصہ اول

(۴۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے ابتدائی زمانہ میں اجمیر میں تشریف رکھتے تھے وہاں ایک شخص شریف سید فن موسیقی میں کامل تھے مولانا کو چونکہ ہر فن کی تحصیل کا شوق تھا اس لئے مولانا نے چندے ان سے اس فن کے اصول کو سیکھا تھا لیکن اللہ والے اگر کوئی نفع معمولی بھی کسی سے حاصل کر لیتے ہیں تو اس دوسرے کو بھی دینی نفع پہنچاتے ہیں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے سیکھا تو ہوگا ہفتہ ہی دو ہفتہ میں مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے بعد ان کی ہدایت کا سامان پیدا ہوا اسی طرح ان کے پاس ایک شخص آیا کہ وہ بھی اس فن میں ماہر تھا اس نے کچھ سنانے کی فرمائش کی انہوں نے سنایا جب سنا چکے تو وہ کہنے لگا سبحان اللہ کیا گلا پایا ہے یہ جملہ سنکر ان کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ افسوس اتنی محنت کا یہ صلہ

ملا کہ میری وہ تعریف کی گئی جو ایک ڈوم کی ہو سکتی ہے اور عہد کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی اس مہمل کام کے پاس بھی نہ جاؤں گا۔ پس مولانا کی برکت سے تائب ہو گئے اور اخیر راگ دین کا رہا۔ ص۲۳۳ امثال عبرت حصہ دوم۔

(۴۳) فرمایا کہ مجھے اپنی طالب علمی کا قصہ یاد ہے کہ جب حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں تشریف لائے تو ہم سب لوگ ادب سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک روز مولاناؒ نے فرمایا کہ مجھ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، تم میرے آنے کے وقت مت اُٹھا کرو اُس روز سے ہم نے اُٹھنا چھوڑ دیا، دل میں ولولہ پیدا ہوتا تھا لیکن یہ خیال ہوتا تھا کہ مقصود تو اُن کو راحت پہنچانا ہے ہے جس میں ان کی راحت ہو وہی کرنا مناسب ہے بعض لوگوں کو بزرگوں کے جوتے اُٹھا کر چلنے پر اصرار ہوتا ہے تو نفس اس فعل کا تو مضائقہ نہیں لیکن اگر کسی وقت منع کیا جائے تو فوراً رُک جانا چاہئے کیونکہ اصرار میں تکلیف ہے۔ ص۷۵ جلد مذکور۔

(۴۴) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری مثال تو ایسی ہو گئی کہ جیسے بخیل نے کوئی باورچی نوکر رکھ لیا اور اُس سے بوجہ بخل کے نفیس کھانوں کے پکوانے کا کام کبھی نہ لیتا تھا وہ باورچی کہتا ہے کہ جناب کبھی کبھی تو پکوا لیا کیجئے ورنہ میں آپ کے یہاں رہ کر اپنا فن بھی بھول جاؤں گا۔ وہ ہی مثال علماء کی ہے کہ جو ان کا کام ہے وہ ان سے نہیں لیا جاتا مولوی تو اب اس کام کے رہ گئے ہیں کہ جنازہ کی نماز پڑھا دی یا تعویذ گنڈہ کر دیا اُس نے یہ ریاضات اور مجاہدات تعویذ گنڈوں ہی کے لئے کئے تھے۔ ص۱۰۱ امثال عبرت حصہ دوم

(۴۵) فرمایا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کو کچھ تردد تھا کسی کام

ہیں کہ کس طرح کیا جاوے تو دماغ سے حضرت حاجی صاحبؒ کی صوت میں ایک کلام مکمل سنائی دیا کہ اس طریقہ سے کام انجام دو مگر باوجود اس کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کو اس واقعہ کی کچھ بھی خبر نہیں قال الجامع لیس ھذا النفی رجما بالغیب فانہ فھمہ من الکشف فانہ کان صاحب کشف او من القرائن الغالبہ الوقوع ولو کانت ظلیہ۔ الحاصل اس کا علم ہونا حاجی صاحب کو ضروری نہیں حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ ایسی امداد کسی بزرگ کی صورت سے کرتے ہیں۔ ص۷ م ۹ خبرت حصہ سوم۔

(۴۶) فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے جن اس وقت باقی نہیں رہے۔ ص۳۶ م ۱۲۵ جلد مذکور۔

(۴۷) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ جس شخص کے جسم ظاہری میں کوئی خلقی عیب ہوتا ہے وہ علامت ہے کسی عیب خلقی باطنی کی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ص۷ م ۲۳۶ جلد مذکور۔

(۴۸) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بہت بڑے ادیب تھے فرماتے تھے کہ عبادت میں قافیہ وغیرہ بالقصد نہیں لانے چاہئیں اس سے معنے تابع الفاظ کے ہوجاتے ہیں حالانکہ الفاظ کو معانی کے تابع رکھنا چاہیئے اگر بلا قصد کوئی قافیہ آجائے دوسری بات ہے تکلف نہ کرے۔ ص۲۶ م ۲۳ القول الجلیل۔

(۴۹) فرمایا۔ قیام فی المولد کی بناء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے یہ ارشاد فرمائی کہ یہ ایک کیفیت وجدیہ ہے پہلے کسی کو محفل میں خاص ذکر کے وقت وجد ہوا اور کھڑا ہوگیا آداب وجد میں سے یہ ہے کہ جب ایک قیام کرے سب کو قیام مناسب ہے اس کی مصلحت یہ ہے کہ وجد کی حالت میں اگر صاحب وجد کی موافقت

میں قیام نہ کرے تو اس کو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ مجھ پر طعن کریں گے اس سے انبساط نہیں رہتا قبض ہو جاتا ہے جس سے صاحب حال کو بدنی مضرت پہنچتی ہے۔ اس ادب کی بناء پر قیام مولد والے کی موافقت کے لئے سب اہل مجلس نے قیام کیا بعضوں کو یہ حالت اچھی معلوم ہوئی وہ بطور تواجد کے کھڑے ہونے لگے اس تواجد کی حکمت یہ ہے کہ کبھی صورت سے حقیقت پیدا ہو جاتی ہے وارد ہے کہ بکا نہ ہو تو بکا کی صورت اختیار کر لو اسی طرح سے یہ عادت ہو گئی۔ جب اس عادت سے فساد ہونے لگا یعنی عوام کے عقیدہ میں اس کا اثر ہونے لگا تو فقہاء کرام ضرور منع فرمادیں گے۔ البتہ بعضے غیر مقتدا صوفیہ اباحۃ اصلیہ کی بناء پر اس کو جائز کہتے رہے اور فساد منضم کے رفع کرنے کی کوشش فرماتے رہے باقی رسم پرستوں کا ذکر نہیں وہ کسی شمار میں نہیں۔ ص۲۴

(۵۰) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب باوجود محدث و مفسر ہونے کے ریاضی میں اعلیٰ درجہ کا دخل تھا سرکاری مدارس کے مدرسین لاینحل اشکالات مولانا سے حل کیا کرتے تھے اور مولانا سید احمد صاحب بھی بڑے ریاضی داں تھے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ مولوی سید احمد صاحبؒ کا ذہن اقلیدس سے کم نہیں ہے۔ ص۵۹ م۱۹۹ خبرت حصہ سوم۔

(۵۱) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنی غزل کسی کو سنائی اس نے ایک معمولی سے شعر کو مکرر پڑھوا کر سنا اور بڑی دیر تک مزے لیتا رہا مولانا نے پوچھا اس میں ایسی کونسی بات ہے جس سے تمہیں لطف آ رہا ہے۔ اس نے ایک ایسے معنے بیان کئے کہ مولانا کے ذہن میں کبھی نہ تھے۔ ص۱۱ روح الصیام

(۵۲) فرمایا کہ میں (سیدی مولائی مرشدی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اسی قسم کا مسئلہ پوچھا کہ لاش جلانے سے مردہ کو کچھ

تکلیف ہوتی ہے۔ مولانا (محمد یعقوب صاحبؒ) فقیہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ فرمایا کہ مردہ کو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسی تمہیں تمہاری رضائی جلانے میں۔ اگر کوئی پرانے سڑے گلے کپڑے کو چیرے پھاڑے تو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی ایسا ہی یہاں بھی ہے کہ جب بدن پرانا ہوجاتا ہے گل سڑ جاتا ہے تو پھر اس کے خاک میں ملنے اور کیڑوں کے کھانے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی ص۱۳ روح العج والثج۔

(۵۳) فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جنت جب خالی رہ جائے گی تو حق تعالےٰ سے عرض کرے گی کہ آپ نے مجھے بھرنے کا وعدہ کیا تھا۔ حق تعالےٰ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اسی وقت ایک مخلوق پیدا کر کے جنت کو بھر دے گا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے اس قوم کو جنت کا اتنا مزا نہیں آئے گا جتنا ہمیں آئے گا کیونکہ انہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی اور ہم دنیا کی مصیبتیں جھیل چکیں گے اس لئے ہمیں اس راحت کی پوری پوری قدر ہوگی۔ سچ ہے لذت انگور میوہ داند نہ خداوند میوہ (انگور کی لذت میوہ جانتا ہے نہ مالک میوہ ۱۲) ص۱۸ روح الصیام

(۵۴) فرمایا کہ میرے سامنے کا واقعہ ہے ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آکر سوال کیا کہ حیض میں عورت کو نمازیں تو بالکل معاف ہیں ان کی قضا بھی واجب نہیں لیکن روزے بعد کو رکھنے پڑتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس مسئلہ پر عمل نہ کروگے تو اتنے جوتے قیامت میں لگیں کہ سر پر بال بھی نہ رہیں۔ بس یہی وجہ ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد مولانا" سے ایک طالب علم نے اس کی وجہ دریافت کی تو مولانا نے فرمایا کہ اس میں حرج ہے اس میں حرج نہیں۔ اور بعضے اور نکات بھی بیان فرمائے اور جاہل کو یہ جواب دیا کہ اگر عمل نہ کروگے تو اتنے جوتے لگیں گے کہ سر پر ایک بال بھی نہ رہے گا۔

ص۱۹ آثار المربج

(۵۵) فرمایا کہ دیوبند میں ایک ذی علم پر تخیل کا غلبہ تھا کہ یُوں کہتے تھے کہ سوکھے ٹکڑے بھی اگر پلاؤ کے تصور سے کھاؤں تو پلاؤ کا لطف آتا ہے ۔ مجھے بھی ان کی زیارت ہوئی ہے ان ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ رضائیاں اور لحاف اپنے سر پر باندھتے تھے انہیں یہی وہم سوار ہو گیا تھا کہ میرا سر نہیں رہا ہے اس لئے سر کی جگہ وہ اُن چیزوں کو باندھتے تھے ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد تھے طبیب بہت اچھے تھے ۔ طب میں اچھی خاصی عقل تھی لیکن اس خبط میں مبتلا ہو گئے تھے کہ میرا سر نہیں رہا مولاناؒ کو اطلاع کی گئی ۔ مولانا علاج کے لئے تشریف لے گئے حال پوچھا تو وہی ہانکا کہ سر نہیں رہا ۔ مولانا نے نکال کے جوتہ سر ہی پر مارنا شروع کیا وہاں اس کا بہت خسج تھا چلّانے لگے کہ مولوی صاحب چوٹ لگی چوٹ لگی ۔ مولانا نے فرمایا چوٹ کہاں لگی بولے سر میں فرمایا سر تو ہے ہی نہیں ۔ کہنے لگے اجی ہاں ہے اب معلوم ہوا کہ واقعی ہے ۔ بس جاتا رہا مالیخولیا ۔ اسی طرح جب کوئی آ کر شکایت کرتا کہ میرے فلاں عزیز پر اللہ بخش جن کا اثر ہے تو مولانا فرماتے کہ یہ میرا جوتا لے جاؤ اور جا کر چار پانچ سر پر لگا دو ۔ دیکھیں تو کیسا اللہ بخش ہے اور مولانا کا یہ مطلب نہ تھا کہ واقع میں اللہ بخش کا اثر نہ ہوتا تھا محض مکر ہی ہوتا تھا ۔ نہیں بلکہ اگر سچ مچ بھی اثر ہوتا تھا تو وہ بھی مولانا کے جوتہ کی برکت سے جاتا رہتا تھا ۔ کیونکہ کالوں سے سب ڈرتے ہیں اللہ بخش بھی خدا بخش بھی ۔ ص ۴۸ آثار المربع ۔

(۵۶) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ عورتوں کے معمولی ایام میں جو روزے فوت ہوں اُن کی تو قضا ہے اور نمازوں کی قضا نہیں ۔ اس کی کیا وجہ ؟ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خلاف کرو گے تو اتنی جوتیاں پڑیں گی کہ سر کے بال نہ رہیں گے اور مولانا کا مذاق ان کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں :

الوعظ ینفع لو بالعلم والحکم   والسیف ابلغ وعاظ علی القمم

اور فرمایا کرتے تھے کہ وانزلنا الحدید فیہ باس شدید میں حدید سے نعلدار جوتہ مراد ہے سلسلہ التبلیغ ۱۴۶ ص۳۴ وعظ ازالۃ الغین۔

(۵۷) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مرحوم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ میں حالت مکاشفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہم مرتبہ پاتا ہوں تو مولانا نے فرمایا کہ اس کو ایسا سمجھو کہ جیسے (ج) ہے اور اس کا نقطہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس نے (ج) لکھی ہے اسی نے نقطہ بھی لگایا ہے مگر تاہم دائرہ جیم اور نقطہ جیم میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ تابع و متبوع کا فرق ہے، اب یہاں پر یہ سمجھنا چاہیئے کہ تخلیق میں تم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں برابر ہو اور تم نے اسی رتبہ کو دیکھا ہے ورنہ تمہارے در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ میں بڑا فرق ہے جیسا کہ لفظ جیم اور اس کے نقطہ میں حالانکہ کاتب دونوں کا ایک ہی ہے مگر تاہم دونوں میں بڑا فرق ہے۔

دعوات عبدیت حصہ ہشتم مجادلات معدلت ص۲۲۶ م ۱۹

(۵۸) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ تو کتاب سے کچھ کہتے ہی نہ تھے اُس فہم خداداد سے کہتے تھے جس کی نسبت وارد ہے من یرد اللہ بہ خیر الفقھہ فی الدین۔ اور ہمارے بعض حضرات کی نظر بہت وسیع تھی جیسے مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کہ فرماتے تھے کہ ایک ہزار کتابیں میں نے دیکھی ہیں۔ مولانا ہر وقت کتابیں دیکھا کرتے تھے اور ذکی اس قدر تھے کہ کوئی گھنٹہ دو گھنٹہ چادر اوڑھ لے تو اُس کو سونگھ کر بتا دیتے کہ مرد نے اوڑھی ہے یا عورت نے پھر ایک دفعہ مولانا گھوڑے پر سے گر گئے تھے اور سر میں چوٹ آئی تھی جب سے یہ بات جاتی رہی تھی۔

حسن العزیز جلد چہارم ص۳۰۴ م۔

(۵۹) قیام میلاد کی اصل۔ قطب عالم حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت شیخنا و مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے بعض حضرات نے محدثین دہلی میں سے بعض حضرات کی (غالباً حضرت اسحاق صاحب کی) حکایت نقل کی کہ اس راوی نے حضرت موصوف سے محفل میلاد میں قیام کرنے کے جواز وعدم جواز کے متعلق دریافت کیا تو حضرت موصوف نے یہ جملہ ارشاد فرمایا (شیخ مجلس کو دیکھنا چاہیئے) راوی کہتے ہیں کہ اس کا کچھ مطلب نہ اس وقت سمجھا اور نہ اب تک کچھ خیال آیا۔ حضرت مولانا مدظلہم نے اس حکایت کو نقل کرکے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق ایک تحقیق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند سے سنی تھی اس لئے میں ایک جملہ کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ تحقیق یہ ہے درحقیقت محفل میلاد میں قیام کرنے کی اصل یہ پیش آئی ہے کہ کسی صاحب باطن بزرگ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر وجد کی کیفیت پیدا ہوئی اور وہ غلبہ حال سے کھڑے ہوگئے۔ عام لوگوں نے ان کی نقل کی بعد میں عوام نے اس کو ذکر میلاد کا رکن ضروری بنا دیا حضرت مولانا دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس تحقیق سے جملہ مذکورہ کا مطلب اس طرح واضح ہو گا کہ دراصل شیخ مجلس پر مدار ہے اگر واقعی صاحب حال ہے اور غلبہ حال میں کھڑا ہوگیا ہے تو وہ اپنے مغلوب ہونے کی وجہ سے معذور ہے اور ادھر صوفیہ کے یہاں آداب مجلس میں سے ہے کہ صاحب حال آدمی اگر کھڑا ہو جائے تو ساری مجلس کو کھڑا ہو جانا چاہیئے تاکہ قوم کو اپنے خلاف ہیئت پر دیکھ کر اس پر قبض کی کیفیت طاری نہ ہو جائے۔ الغرض اگر شیخ مجلس صاحب حال ہے اور غلبہ حال کی وجہ سے کھڑا ہوا ہے تو ایسی صورت میں سب اہل مجلس بھی اگر اس کے ساتھ شرکت قیام کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ رسالہ القاسم ص ۴

(۶۰) فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بہت بڑے عالم کسی مرض میں مبتلا ہوئے اور باوجود

جوازِ تیمم و اضطرار وضو کے وضو کرتے تھے ۔ مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لائے اور فرمایا مولانا آپ اس کو بڑا تقویٰ سمجھتے ہوں گے ذرا خیال کیجئے اس کے کیا معنے ہوئے اس کے معنے تو یہ ہیں کہ تیمم طہارت ناقصہ ہے اور وضو کاملہ ۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو بھی کامل قرار دیا ہے پس جس کو آپ اپنا کمال سمجھتے ہیں وہ نقص ہے ۔ ملفوظات ہفت اختر ص ۵۲ م ۸۳

(۶۱) فرمایا (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے) ہمارے حضرت استاد علیہ الرحمۃ کو ایک شخص نے تسخیر کا عمل بتلایا تھا اور مولانا کو کمالات کا ایسا شوق تھا کہ ہر قسم کی ایک چیز کو سیکھ لیا کرتے تھے اسی طرح یہ عمل بھی سیکھ لیا جس سے مقصود محض علم تھا عمل مقصود نہ تھا کیونکہ مخلوق کو مسخر کرنے کی تدبیر نہیں کرتے تھے جیسا بعض لوگوں کو بزرگوں پر شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو تسخیر کا عمل آتا ہے اور انہوں نے کوئی عمل ایسا کیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف جھکے چلے آتے ہیں ۔ میں اس کی نفی نہیں کرتا بلکہ آپ کے اس کی حقیقت بتلاتا ہوں غور سے سنو کہ واقعی انہوں نے تسخیر کا ایک عمل کیا ہے وہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بندہ خدا کا محبوب ہو جاتا ہے پھر مخلوق کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمٰن ودا ۵ اور حدیث میں اذا احب اللہ عبدا نادی جبرئیل انی احب فلانا فاحبہ ثم ینادی جبرئیل فی السمٰوت ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ ثم یوضع القبول فی الارض (او کما قال) جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو ندا ہوتی ہے کہ میں فلاں کو چاہتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو پھر جبرئیل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو پھر

زمین میں بھی اس کے لئے قبول رکھ دیا جاتا ہے یعنی اہل قلب کے دلوں میں اس کی محبت ڈالدی جاتی ہے اہل کلب کے دلوں میں نہیں۔ اس میں اعتبار ان لوگوں کا ہے جن کو کوئی غرض اس شخص سے وابستہ نہ ہو نہ نفع کی نہ ضرر کی یعنی کسی دنیوی غرض سے نہ دوست ہوں نہ دشمن، بلکہ خالی الذہن ہوں کیونکہ جن لوگوں کو اس شخص سے کچھ دنیوی ضرر پہنچتا ہے، مثلاً اس کی وجہ سے ان کی شہرت میں کمی آگئی ہو، وہ تو خواہ مخواہ اس کے دشمن ہوں گے اور جن کو اس سے کچھ نفع پہنچ رہا ہے وہ خود بخود دوست ہوں گے ان دونوں کا اعتبار نہیں بلکہ اعتبار ان کا ہے جن کو نہ اس سے کچھ ضرر پہنچا ہو نہ نفع کوئی غرض دنیوی اس کے ساتھ متعلق نہ ہو تو ایسے لوگوں کے دلوں میں متقی کی محبت ضرور ہوگی بشرطیکہ وہ اہل قلب ہو اہل کلب نہ ہو کیونکہ بعض کا قلب کلب ہوتا ہے اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا ایک شخص نماز پڑھتے ہوئے اپنے آگے کتا باندھ لیا کرتے تھے کسی نے اس سے وجہ پوچھی تو آپ نے کہا حدیث میں آیا ہے لاصلوٰۃ الا بحضور الکلب ظالم نے قلب کو کلب بنا دیا اور یہ مطلب سمجھا کہ بدون کتے کے سامنے ہوئے نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس نے قاف کو کاف سے بدلا جیسے بعض طلبہ لے جو قاف کو غلطی سے کاف پڑھتا تھا اور قال قال کو کال کال کہتا تھا۔ بخاری ختم کر کے استاد سے پوچھا کہ بخاری تو سمجھ میں آگئی مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لکھا تو ہے لال لال اور پڑھا جاتا ہے کالا کالا۔ اصل اس کی یہ ہے کہ بعضے قلمی نسخوں میں قال قال کو امتیاز کے لئے سرخی سے لکھ دیتے ہیں اس کو ان عقلمندوں نے کالا کالا پڑھا اور یہ اشکال کیا کہ لکھا تو جاتا ہے لال لال اور پڑھا جاتا ہے کالا کالا۔ اسی طرح ان امام صاحب نے قلب کو کلب پڑھا اور کتے کو سترہ بنا لیا۔ یہ تو لطیفہ تھا میں کہہ رہا تھا کہ بعض مریدوں کو اپنے مشائخ پر شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو تسخیر حب کا عمل آتا ہے اور انہوں نے کوئی عمل کیا ہے جس سے لوگ

ان کے مسخر ہو گئے چنانچہ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب پر بھی بعض لوگوں کو ایسا گمان تھا مولانا صاحب کشف تھے ان کو اس خطرہ پر اطلاع ہو گئی فرمایا استغفراللہ بعض لوگوں کو ایسا خیال ہے کہ اہل اللہ عملیات سے لوگوں کو مسخر کرتے ہیں ارے یہ بھی خبر ہے کہ عمل سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے وہ ایسا کبھی نہیں کرتے تو مولانا محمد یعقوب صاحب نے تسخیر و حب کا عمل محض اس لئے سیکھ لیا تھا کہ مولانا کو ہر چیز کے جاننے کا شوق تھا عمل کرنے کے واسطے نہیں سیکھا تھا چنانچہ جس شخص نے آپ کو یہ عمل بتلایا تھا اس نے اخفار کے اہتمام کے لئے جنگل میں لے جا کر تعلیم کیا تھا جب مولانا نے اس عمل کو محفوظ کر لیا تو اس شخص نے مولانا کو زیادہ معتقد بنانے کے لئے یہ کہا کہ حضرت یہ عمل بہت تیز ہے میں نے ایک ایسی امیرزادی پر اس عمل کا امتحان کیا تھا جس کی ہوا بھی پردہ سے باہر نہ نکلی تھی، مگر اس عمل سے وہ فوراً میرے پاس حاضر ہو گئی۔ یہ سن کر مولانا اس عمل سے گھبرا گئے۔ فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ نفس کا کیا اعتبار ہے۔ نہ معلوم کس وقت وہ بدل جائے۔ اس لئے میں نے اس عمل کو ذہن سے بھلانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اب اس کا ایک لفظ بھی یاد نہیں۔ واقعی یہ بڑا کمال ہے کہ یاد کی ہوئی چیز کو اس طرح بھلا دیا جائے۔ اس کو کرامت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایک حالت مولانا کی اس سے بڑھ کر یاد آئی مجھ سے خود فرمایا کہ ایک بار خط لکھ کر دستخط کرنا چاہتا تھا تو اپنا نام یاد نہیں آیا۔ یہ واقعہ اگر میں خود حضرت سے نہ سنتا تو راوی کو کاذب سمجھتا تو ایسے حالات اور کرامات تو مستثنیٰ ہیں۔ لیکن عادتاً یہ امور اختیار سے باہر تھے (افنار المحبوب ص ۱۹)

(۶۲) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو ایک دفعہ کسی حاجت میں رقم کی ضرورت تھی حق تعالیٰ سے دعا کی تو روپیہ مل گئے۔ پھر خواب میں جنت نظر آئی

اور ایک محل بھی دیکھا۔ حاضرین سے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے۔ انہوں نے مولانا کا نام بتلا دیا مگر دیکھتے ہیں کہ اُس کا ایک کنگرہ ٹوٹا ہوا ہے۔ مولانا نے پوچھا کہ یہ کنگرہ ٹوٹا ہوا کیوں ہے۔ جواب دیا کہ انہوں نے دُنیا میں مانگ لیا۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ حق تعالےٰ سے عرض کرتے ہیں کہ حضور اگر جنت کے کنگرہ ہم کو یہاں ملنے لگیں گے تو ہم تو اپنا سارا محل یہاں ہی کھا جائیں گے۔ آپ کے یہاں کیا کمی ہے یہاں الگ دیجئے اور وہاں الگ دیجئے۔ مولانا مقام ناز میں تھے۔ اس لئے حق تعالیٰ سے وہ ایسی باتیں کرلیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ غالباً حضرت مولانا نانوتویؒ نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا ایک ناز کا فقرہ سُن لیا تھا تو گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ اور فرمایا کہ یہ انہیں کا مقام ہے کہ ایسی باتیں کہہ گئے کوئی دوسرا کہتا تو کان پکڑ لیا جاتا۔ (وعظ الوصل و الفصل ص ۲۴

(۶۳) فرمایا (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ نے) ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میاں لا الٰہ الا اللہ سے زیادہ کیا چیز آسان ہوگی۔ مگر کفار کے لئے یہ سب سے زیادہ دشوار ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں کو آسان ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہے۔ ورنہ ہم لوگ اپنی قوت سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس کو آسان نہ کردیں (الواعظ اکمال العدۃ و انسلاخ رمضان ص ۱۲)

(۶۴) مجھے (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کو) مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا مقولہ یاد آیا کہ آپ نے ایک مدرس کو مدرسہ سے الگ کرنا چاہا اور مہتمم صاحب نے اُن کی سفارش کی کہ یہ محنتی بہت ہیں تو مولانا نے فرمایا کہ اگر محنت ہی مطلوب ہے تو مجھے چالیس روپے تنخواہ دے کر مدرس اوّل کیوں بنایا بلکہ ایک پسنہاری کو چکی دے کر درسگاہ میں بٹھلا دو وہ مجھ سے زیادہ محنت کریگی۔

اور مزدوری صرف دو آنے لے گی۔ پس مجاہدہ میں افراط بھی مذموم ہے۔ بلکہ اعتدال کی رعایت لازم ہے۔ اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید — نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

(المجاہدہ ص۲۱)

(۶۵) فرمایا کہ اس پر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا ایک مقولہ یاد آیا۔ مولانا نے فرمایا حق تو یہ تھا کہ ہم حضور کے سامنے مرتے۔ قدموں میں جان نثار کرتے اور آپ ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے۔ مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ نہیں ہوا تو اب یہ تو ہوگا کہ بجائے ہمارے جنازے پر تشریف لانے کے حضورؐ قبر ہی میں تشریف لائیں گے۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

کشتۂ کہ عشق دارد نگذاردت بدیں ساں — بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

یہ کسی کی بہت اچھی غزل ہے۔ اس میں ایک اور شعر بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا چسپاں ہے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف — بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع میں حضور نے سو اونٹ قربانی کئے تھے جن میں سے ترسیٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمائے تھے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقیر و مفلس نہ تھے جیسا کہ بعض جاہل واعظ بیان کیا کرتے ہیں۔ آپ سخی تھے کہ سخاوت کی وجہ سے گھر میں کچھ نہ رکھتے۔ مفلس نہ تھے ورنہ غریب و مفلس بھی کہیں سو اونٹ کی قربانی کیا کرتے ہیں۔ آپ کا فقر اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا۔ اسخیاء کو مفلس و غریب کون کہہ سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کے ہاتھ میں قوت کس قدر تھی کہ ترسیٹھ اونٹوں کی قربانی تنہا اپنے ہاتھ سے فرمائی۔ ہم سے تو ایک چڑیا بھی نہ کٹے۔ کانپور میں ایک اونٹ کو چودہ آدمیوں

نے مل کر قربانی کیا تھا۔ پھر بھی وقت سے قابو میں آیا اور حضور نے لٹا کر ذبح نہ کیا تھا۔ بلکہ ایک پیر کو تسمہ بندھوا کر کھڑا کر کے سب کو نحر کیا تھا۔ تو حدیث میں آیا ہے کلھن یزدلفن الیہ کہ ذبح کے وقت ہر اونٹ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا کر اپنی گردن کو آپ کے برچھے کی طرف بڑھاتا تھا کہ پہلے مجھے نحر فرمایئے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی کہ جانور عاشق تھے۔ اور آپ کے ہاتھ سے سب سے اول ذبح ہونا چاہتے تھے۔ بس اس وقت ان کی یہی حالت تھی ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور یہ حالت تھی ؎

سر بوقت ذبح اپنا اُس کے زیر پائے ہے　　کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

(وعظ نور النور ص۵)

(۶۶) بعض دفعہ قبض میں سالک یوں سمجھتا ہے کہ فرعون مجھ سے افضل ہے گو وہ کافر تھا مگر اُس کو تو ایک دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے نجات ہو جاتی۔ اور مجھے ہزار دفعہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہنے سے بھی اس مصیبت سے نجات نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض نے اس حالت میں خودکشی بھی کر لی ہے۔ ان کو مستہلکین کہا جاتا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ان کو عذاب ہوگا۔ فرمایا جا ظالم وہ تو خدا کی محبت میں شمشیر عشق سے جان دے رہا ہے اور تجھے فتوے کی سوجھی ہے۔ اس شعر میں اسی کا فیصلہ ہے ؎

گر خطا گوید ورا خاطی مگو　　گر شود پر خوں شہید او را مشو
خون شہیداں را ز آب اولیٰ تر است　　ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

(وعظ المرابطہ ص۲۵)

(۶۷) فرمایا کہ تحت اُم [illegible]

دارالکفر دارالامن ہو وہاں سے ہجرت فرض نہیں۔ تو جاہلوں کا یہ شبہ دور ہو گیا اگر ہندوستان دارالکفر ہے تو یہاں سے ہجرت کیوں نہیں کی جاتی۔ اس شبہ کا جواب ہمارے اُستاد محقق و مدقق مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دیا تھا کہ مکہ معظمہ سے جبکہ وہ دارالحرب تھا پہلی ہجرت صحابہ نے حبشہ کی طرف کی ہے۔ جہاں اُس وقت تک اسلام موجود نہ تھا۔ پس حبشہ بھی دارالحرب تھا اور وہاں جانے والوں کو مہاجر کہا گیا اور صحابہ وہاں ہجرت کر کے اسی واسطے گئے کہ وہ دارالامن تھا اور اُن کی یہ ہجرت معتبر ہوئی اور اُن کو ہجرت کا ثواب بھی ملا پھر ان صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اُن کا لقب ذوالہجرتین ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ دارالامن گو دارالایمان نہ ہو بلکہ دارالکفر ہی ہو۔ وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں بلکہ وہ تو خود ہجرت گاہ بن سکتا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ دارالایمان کی طرف ہجرت کرنا افضل ہے۔ مگر ادار فرض کے لئے دارالامن کی طرف ہجرت بھی کافی ہے جو شخص دار خوف سے دارالامن کی طرف بھی ہجرت نہ کرے وہ تارک فرض ہے اور اسی لئے سخت وعید ہے۔ ان الذین توفہم الملئکۃ ظالمی انفسہم قالوا فیہم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا لم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا فاولئک ماواہم جہنم وساءت مصیرا الا المستضعفین من الوجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃً ولا یھتدون سبیلا فاولئک عسی اللہ ان یعفوا عنہم وکان اللہ عفوا غفورا۔ ترجمہ:۔ جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں، کہ وہ اپنی جانوں پر (ترک ہجرت سے) ظلم کرنے والے تھے اُن سے ملائکہ نے کہا کہ تم کس کام میں تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس سرزمین میں محض مغلوب اور کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا خدا کی سرزمین فراخ نہ تھی کہ تم اُس کے کسی

ـه پ ۵ رکوع ۱۰

حصہ میں ہجرت کر جاتے (اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا) ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور وہ بُری جائے بازگشت ہے۔ ہاں اگر وہ مرد اور وہ عورتیں اور بچے جو واقعی مغلوب اور کمزور تھے جو نہ کوئی تدبیر (ہجرت کی) کر سکتے تھے نہ ان کو کوئی راہ ملتی تھی۔ ان کو امید ہے کہ خدا تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے والے مغفرت کرنے والے ہی ہیں (وہ عذاب کے بہانہ نہیں ڈھونڈھتے بلکہ اُسی کو عذاب کرتے ہیں جو بلا وجہ گناہ کا مرتکب ہو) (وعظ الحج ص۲۰)

(۶۸) فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے شکایت کی کہ حضرت اعمال پہ دوام نہیں ہوتا۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اس مجموعہ پر ہی دوام کر لو کہ کبھی ہو گیا کبھی نہ ہُوا۔ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے۔ یہ حضرت کا فرمانا ان کے حکیم ہونے پر دال ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ گو یہ دوام مطلوب نہیں مگر اس کو دوام میں داخل کر دینے سے طالب کا دل بڑھے گا۔ اُس سے دوام مطلوب نصیب ہو جائے گا۔ غرض یہ جواب تحقیقی نہیں علاج ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اگر تہجد کے لئے ہمت نہ ہو اُٹھنے کی تو اتنا ضرور کر لے جس کو فرماتے ہیں تتجافی جنوبھم عن المضاجع جب لیٹے سے اُٹھ کر بیٹھ گئے تجافی تو صادق آ گیا پھر اُٹھ کر زیادہ ذکر کی توفیق نہ ہو کوئی چھوٹی سی دُعا ہی کر لو۔ دو تین بار لا الہ الا اللہ ہی پڑھ لو انشاء اللہ تعالیٰ اگلے روز اُٹھنا آسان ہو جائے گا۔ یہ سب تدابیر ہیں جو آئندہ کام کرنے کی ہمت میں معین بن جاتی ہیں۔ (الافاضات الیومیہ حصہ سویم ص ۱۶۶/۵۱)

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی

مہتمم مدرسہ دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

(۱) فرمایا کہ نقشبندیہ کی توجہ میں ایک ٹھنڈک سی محسوس ہوتی ہے۔ حرارت نہیں ہوتی۔ مَیں (یعنی سیدنا و مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے حلقہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ کچھ طالب علموں کے اصرار سے توجہ دیا کرتے تھے۔ چونکہ عمر زیادہ ہوگئی تھی توجہ کے تعب سے بیمار پڑ گئے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جب معلوم ہوا تو منع فرما دیا کہ لوگ پڑھنے آتے ہیں یا درویشی کرنے۔ پھر فرمایا کہ توجہ کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ شیخ سے علیحدہ ہونے پر کیفیت نہیں رہتی۔ صہ ۱۹۰ حسن العزیز جلد اوّل۔

(۲) فرمایا کہ میں (یعنی سیدنا و مرشدنا و مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کے ہمراہ سرہند کے سفر میں موضع براس گیا (انبالہ سے آگے بنجارہ کی سرائے اسٹیشن) اور اس مقام میں مجدد صاحبؒ کا کشف ہے کہ انبیاء کی قبریں ہیں اور فرمایا مولانا رفیع الدین صاحب کا کشف ہے کہ تیرہ حضرات ہیں ایک اُن میں ایک باپ بیٹے بھی ہیں۔ باپ کا نام حضرت ابراہیم ہے اور بیٹے کا نام حضر ہے (نہ معلوم بالضاد ہے یا بالذال) مولانا نے اُن سے اُن کی بعثت کا زمانہ پوچھا تو ایک راجہ کا نام لیا (اُس راجہ کا نام کرن ہے) کہ اُس کے زمانے میں ہم تھے (تقریباً اب سے دو ہزار برس پہلے ہوا ہے) اور فرمایا حضرت والا نے کہ مولانا نے مجھ سے یہ مراقبہ کا قصہ نہیں بیان کیا بلکہ اپنے ایک مرید سے بیان کیا اور انہوں نے مولانا کے داماد صاحب سے بیان کیا اور داماد صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور اُن مرید صاحب کا نام حاجی حسینی ساکن بسی ضلع سرہند ہے اور داماد کا نام ضیاالحق ہے (حسن العزیز چہارم صہ ۹۶)

حضرت مولانا فرید الدین صاحبؒ والد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

(۱) فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے والد (مولانا فرید الدین صاحب) کامل تھے، ریاضیات میں ایک بدمذہب ریاضی دان آپ سے ملنا چاہتا تھا وہ کسی بدمذہب سے ملتے نہ تھے بلکہ مسلمانوں سے بھی بے ضرورت نہ ملتے تھے۔ حتیٰ کہ بلا حاجت کسی کی طرف نظر نہ کرتے تھے کہ یہ بھی اسراف ہے اور اُس کے ملنے کی ایک والیٔ ملک نے سفارش کی۔ رات کو دُعا کی کہ اے اللہ پاک میں آپ کے دشمنوں سے نہیں ملنا چاہتا۔ لیکن اگر نہیں ملتا ہوں تو نوکری جاتی ہے اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے اس عہد کو تباہ کرنا۔ پس اُس کے گردے میں درد اُٹھا اور وہ مر گیا۔ اس پر (حضرت والا سیدنا و مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی نے) فرمایا کہ انہوں نے قصد ہلاک کا نہیں کیا۔ دُعا کی سو اجابتِ دُعا حق تعالیٰ کے اختیار میں تھی اور اگر کوئی شخص قصداً ہلاک کرے تو تصرف ہے جیسے کہ ہاتھ سے قتل کیا۔ لوگ اس کو بھی داخل کرامت کرتے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی شخص مباح الدم نہ ہو تو معصیت کبیرہ ہے یہ کرامت نہیں ہے۔ صـ ۲۴۲ م ۸۲، حسن العزیز جلد دوم۔

(۲) فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد مولانا فرید الدین صاحب کی نسبت سُنا ہے کہ وہ بہت ہی کم بولتے تھے اور بلا کسی شدید ضرورت کے نگاہ کبھی اوپر نہیں اٹھاتے تھے حتیٰ کہ اگر ان سے کوئی بات پوچھتا تو زبان سے جواب دے دیتے لیکن منہ نہ اُٹھاتے صرف اس لئے کہ بلا ضرورت کیوں نگاہ کو صرف کیا جائے۔ صفحہ ۲۔ امثال عبرت حصہ دوم۔

(۳) فرمایا کہ دیوبند میں ایک بزرگ تھے مولانا فرید الدین صاحب اور ان کے

زمانہ میں ایک مجذوبہ تھی وہ ننگی پھرا کرتی تھی۔ اُس سے کسی نے پوچھا کہ تو پردہ کیوں نہیں کرتی اُس نے کہا بیلوں اور گدھوں سے پردہ کا حکم نہیں ہے ایک روز حسبِ عادت ننگی پھر رہی تھی اس حالت میں اُس نے کہا کپڑا لاؤ مرد آگیا۔ تھوڑی دیر میں مولانا فریدالدین صاحب تشریف لائے پس حقیقت میں تو آدمی فرمانبردار ہی ہے باقی تو سب جانور ہی ہیں۔ ص۱۴۰ امثال عبرت حصہ دوم

(۴) فرمایا کہ مجھ کو ثقہ راوی سے پہنچا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا تھا اور غالباً ایک صاحب نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا بھی ہے کہ وہ کمالات باطنیہ میں مولانا رشید احمد صاحب رحؒ گنگوہی سے کم نہیں صرف فرق یہ ہے کہ وہ ظاہری عالم بھی ہیں یہ عالم نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مرتبہ دیوبند میں مدرسہ کا بہت بڑے پیمانہ پر جلسہ ہونے والا تھا۔ میرا (یعنی سیدنا و مولانا حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) طالب علمی کا زمانہ تھا میں نے دیکھا کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحؒ نہایت اطمینان سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ اس طرح اطمینان سے ٹہل رہے ہیں۔ اور اتنا بڑا انتظام در پیش ہے۔ فرمایا کہ یہ انتظام کون بڑی چیز ہے اگر سلطنت بھی ہمارے سپرد کی جائے اسی طرح اطمینان سے اُس کا بھی انتظام کر سکتے ہیں۔ ص۴ الافاضات الیومیہ

جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کی حکایات

(۱) فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب کو قطرہ کا عارضہ تھا اس وجہ سے وہ ڈھیلہ نہ لیتے تھے صرف پانی سے استنجا کر لیتے تھے کسی متعصب شیعی نے طعن کے طور پر کہا کہ اب تو آپ بھی پانی سے استنجا کرنے لگے ہیں۔ اس کا سبب دریافت کیا۔ مولوی صاحب نے فی البدیہہ جواب فرمایا کہ جب سے مجھے سلسل بول کا مرض ہو گیا

ہے تب سے میں شیعوں کے مذہب پر پیشاب کرنے لگا ہوں۔ پھر فرمایا کہ اہل علم کے دل میں کسی کی ہیبت نہیں ہوتی۔ یوں کسی مضرت کی وجہ سے ڈر جاویں وہ اور بات ہے۔ ایسے تو آدمی کٹ کھنے کتے سے بھی ڈرتا ہے۔ مگر ان کے دل پر کسی کی ہیبت نہیں ہوتی۔ ص ۱۴۷ م ۲۰۸ حسن العزیز جلد دوم۔

(۲) فرمایا کہ گنگوہ کے کسی صاحب علم نے تقویۃ الایمان کا رد لکھا تھا وہ مولوی فضل حق صاحب کو جب وہ دورہ میں تھے دکھلایا مولوی صاحب نے ان کو بہت ڈانٹا اور کہا کہ تم تقویۃ الایمان کا رد لکھ سکتے ہو تمہارا اس قابل منہ ہے وہ شخص بہت شرمندہ ہوئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی شہادت کی خبر سن کر مولوی فضل حق صاحب نے جو کتاب۔ اس وقت میں لکھ رہے تھے اس کا لکھنا بند کر دیا تھا۔ ص ۱۳۵ م ۲۴۰ حسن العزیز جلد دوم۔

(۳) فرمایا کہ مولوی فضل حق صاحب نے ایک بار اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر میں مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے گفتگو کرتا تو کاہے میں کرتا۔ انہوں نے جواب دیا معقول میں، فرمایا ہرگز نہیں معقول میں کیا رکھا ہے میں ان سے یہ کہتا کہ ارسطو نے یہ کہا ہے وہ کہتے کہ ارسطو نے گو کھایا اس لئے میں ادب میں گفتگو کرتا کیونکہ ادب نقلیات میں سے ہے اور اس پر ان کی نظر کم ہے۔ ص ۲۰۸ م ۶۵۴ جلد مذکور۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر علوم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

(۱) مجھ احقر شہاب الدین سے مولوی لطیف الرحمٰن صاحب سلمہ کاندھلوی فرماتے تھے کہ سنہ ۱۹۲۰ء کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے تھے اور احقر (لطیف الرحمٰن کاندھلوی) بھی ان کے ہمراہ تھا اور ایک خانصاحب

آبہ کے رہنے والے بھی تھے اور دیگر اور لوگ بھی تھے جب سب لوگ معہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بمبئی پہنچے تو سب سامان معہ ٹکٹ جہاز خرید کر لیا گیا اور بہت خوشی کے ساتھ گودی پر (جہاز کے کھڑے ہونے کی جگہ کا نام ہے) جہاز کو دیکھنے کے لئے سب لوگ گئے ۔ جہاز کو دیکھ کر خانصاحب کو دہشت طاری ہو گئی اور کچھ ایسے خوفزدہ ہو گئے کہ جہاز پر سے واپس ہوتے کہنے لگے کہ میں حج کو نہ جاؤں ۔ سب لوگ ہر چند سمجھاتے تھے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ میں حج کو نہ جاؤں حضرت کی خدمت میں لے گئے تو حضرت سے بھی یہی کہا کہ میں حج کو نہ جاؤں حضرت نے بھی بہت سمجھایا مگر وہ یہی کہتے تھے کہ میں حج کو نہ جاؤں ۔ حضرت نے کہا بھائی ٹکٹ وغیرہ سب بیکار ہو جائے گا اس نے کہا کہ پڑا بیکار ہو جاوے میں حج کو نہ جاؤں جہاز میں بیٹھتے ہی مر جاؤں گا ۔ حضرت نے ان خانصاحب سے کہا آپ کو تو حج پر انشاء اللہ ضرور لے جاؤں گا اور آپ نے اپنے پچھلے حج کا ایک قصہ ان خانصاحب کو سنایا کہ ایک شخص (جن کا نام اور گاؤں یاد نہ رہا) تمہاری ہی طرح کے تھے جدہ پہنچ کر مکان کے زینہ میں پیر پھسل کر گر گئے اور ٹانگ ٹوٹ گئی ہسپتال میں اُن کی مرہم پٹی کرائی گئی ۔ قافلہ کے چلنے کا سامان ہونے لگا تو اس شخص نے کہا کہ میں تو یہاں سے ہندوستان واپس جاؤں گا اور حج کو نہ جاؤں گا ۔ میں تو خدا کا کام کرنے کے لئے جا رہا تھا اس نے میری ٹانگ توڑ دی اب میں حج کو نہیں جاتا اس کو ہر چند سمجھایا مگر وہ نہ مانتا تھا آخر میں نے مجبور ہو کر ہمراہیوں سے کہا کہ اس کو اونٹ پر بٹھا دو اس کو اونٹ پر بٹھا دیا مگر وہ اونٹ پر سے اپنے آپ گرا گیا اور وہ کہتا تھا کہ میں حج کو نہ جاؤں گا ۔ آخر میں نے ہمراہیوں سے کہا کہ اس کے اسباب کیساتھ اونٹ پر باندھ دو ۔ چنانچہ باندھ دیا گیا اور وہ شخص راستہ بھر مجھے گالیاں دیتا گیا ۔ منزل پر پہنچ کر اتار لیا گیا تو اس نے مجھے رات بھر

گالیاں دیں مگر میں نے بھی اس کو نہ چھوڑا اور تکہ لے ہی گیا اب تمہیں بھی ایسے ہی لے جاؤں گا تو یہ سنکر خانصاحب بولے نا حضرت میں تو نہ جاؤں۔ حضرت یہ سنکر خاموش ہو گئے کچھ دیر کے بعد خانصاحب سے کہا بھائی ذرا میرے قریب کو تو ہو جاؤ وہ قریب کو ہو گئے حضرت نے ان کی چھاتی پر اپنا ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھا اور خانصاحب سے کہا کہ خیر آپ نہ چلیں مگر ہم لوگوں کو تو رخصت کر کے جائیے گا تو کہنے لگے بہت اچھا اور سب سے کہا کہ بھائی ان کا اسباب علیحدہ نکال کر رکھ دو۔ مگر ہمراہیوں سے کہہ رکھا تھا کہ ان کا اسباب جب یہ میرے ساتھ جہاز پر جانے لگیں تو اپنے اسباب کے ساتھ رکھ لینا اور جب جہاز پر سوار ہونے کا وقت آیا تو حضرت نے خانصاحب سے کہا کہ بھائی جہاز پر ہماری جگہ وغیرہ تو ٹھیک کرا دو کیونکہ تم تو جانے سے بے فکر ہو ہی گئے ہو ہم لوگوں کو تو فکر لگی ہوئی ہے تو خاں صاحب حضرت کے ساتھ جہاز تک گئے جب حضرت جہاز پر چڑھنے لگے تو کہا خانصاحب ذرا اوپر آ کر اسباب اور جگہ تو ٹھیک کرا جاؤ تو خانصاحب اوپر گئے اور جب جگہ وغیرہ سب ٹھیک ہو گئی تو حضرت نے کہا کہ خانصاحب اب کیا ارادہ ہے تو خانصاحب کہنے لگے حضرت اب تو چلوں گا مگر میرا تو سامان وہیں رکھا ہوا ہے اور یہ کہہ کر خانصاحب کے چہرہ پر اضطراب اور فکر مندی کے آثار ہو گئے حضرت نے فرمایا کہ خانصاحب فکر نہ کیجئے آپ کا اسباب وغیرہ سب آ گیا ہے سب خوش و خرم حج کو چلے گئے۔

(۲) نیز احقر شہاب الدین سے مولوی لطیف الرحمٰن صاحب کاندھلوی سلمہ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جب کوہ نینی تال سے واپس آنے لگے تو دیوبند سے کچھ حضرات حضرتؒ کو راستہ میں غالباً میرٹھ اسٹیشن پر ملے اور حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت دیوبند کھانا تناول فرما کر سہارنپور تشریف لے جاویں ہم نے کھانے کا انتظام کر لیا ہے تو حضرت نے منظور فرما لیا اور مولانا حافظ

عبد اللطیف صاحب و مولانا زکریا صاحب و حضرت پیرانی صاحبہ وغیرہ سے فرمایا کہ آپ لوگ سہارنپور چلیں اور میں پچھلی گاڑی سے آجاؤں گا اور حضرت دیوبند اُترے اور مدرسہ دارالعلوم تشریف لے گئے وہاں دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھانا چُنا گیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ مہمانوں کے ہاتھ کیوں نہیں دھلوائے تو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا کہ حضرت دیر ہونے کی وجہ سے ایسا کیا تو حضرت نے فرمایا۔ بھائی تکلف کی کیا ضرورت ہم سے کہدیا جاتا ہم خود اُٹھ کر ہاتھ دھو لیتے آج علماء کی جماعت میں ایک سُنت کیوں ترک کی جاتی ہے کیا فرشتے آسمان سے اُتر کر عمل کریں گے۔ جب علماء ہی سنت ترک کریں گے تو عوام کا کیا کہنا۔ اتنا سُنکر کھانا اُٹھانے لگے تو حضرت نے فرمایا۔ بھائی کھانا اُٹھانے کی کیا ضرورت ہم خود اُٹھ کر ہاتھ دھوئے لیتے ہیں اور اُٹھ کر ہاتھ دھو لئے۔

(۳) فرمایا کہ رام پور (منیہاران) میں (جو تھانہ بھون سے دو اسٹیشن ہے) ایک تقریب میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب۔ اور مولانا خلیل احمد صاحب بھی مدعو تھے وہاں جا کر معلوم ہُوا کہ یہاں تو دعوت کے مجمع کا بڑا اہتمام ہے جس میں تفاخر کا رنگ ہے طبیعت پریشان ہوئی اور میں (یعنے سیدی مولائی مرشدی حکیم الامتہ شاہ محمد اشرف علی صاحب علی صاحب مدظلہم) اس وقت ایک علیحدہ جگہ اپنے ایک دوست کے یہاں مقیم تھا صاحب خانہ سے میں نے کہا مجھے اپنے باغ میں پہنچا دو اور کسی کو پتہ نہ دو میں آٹھ نو بجے کے قریب تک وہاں رہا پھر بالا بالا اسٹیشن پہنچ کر تھانہ بھون آگیا اس پر بڑے اعتراض ہوئے ایک یہ کہ تم کیا ان حضرات سے زیادہ دیندار تھے دوسرا یہ کہ اگر شرکت گناہ تھی تو اُن حضرات نے کیوں اختیار کی۔ میں (یعنے حضرت مدظلہم) نے سب کے جواب میں یہ کہا کہ جو جواب ہمارے حضرات

نے اس سوال کا دیا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ شرکت مولود کو جائز رکھتے ہیں اور تم بدعت قرار دیتے ہو وہی جواب ان سوالوں کا سمجھا جائے۔ اس واقعہ کے متعلق ان حضرات نے بھی میری عدم شرکت کی وجہ پوچھی گئی لیکن بزرگ ہی ہوتے ہیں کیسا عمدہ جواب دیا۔ مولانا دیوبندیؒ نے تو یہ جواب دیا کہ ایسے موقع میں وہ تقویٰ کو اختیار کرتے ہیں اور ہم فتویٰ کو۔ لمعان الدین ص۲۴ م۷۶۔

(۴) فرمایا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ میں) ایسا انصاف تھا کہ بعض دفعہ اپنے کسی طالب کے اُلجھے ہوئے سوالات میرے (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) پاس بھیجدیا کرتے تھے۔ القول الجلیل ص۴۸ م۴۸

(۵) فرمایا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ظرافت میں ایک لڑکے کا تاریخی نام "مرغ محمد" رکھا تھا۔ ایک شخص نے اعتراض کیا یہ کیسا نام ہے۔ مَیں (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) نے کہا "کلب علی" سے تو اچھا ہی ہے (کلمۃ الحق م۳۲۱ ص۱۱۸)

(۶) فرمایا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ نے بھاولپور کے سفر میں مجھ (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ) سے فرمایا کہ مولوی رحیم بخش صاحب کی عادت ہے کہ جب ہم بہاولپور جاتے ہیں تو وہ کچھ ہدیہ دیا کرتے ہیں اور اس عادت کی وجہ سے پہلے سے کبھی یہ خیال بھی ہو جاتا ہے کہ وہ ہدیہ دیں گے اب اس خیال کے بعد ان کا ہدیہ قبول کرنا اشراف و انتظار کی وجہ سے خلاف سنت تو نہیں۔ سبحان اللہ! (یہ تدقیق اتباع سنت کی کسے نصیب)! یہ حضرت ہی کا کمال تھا کہ ان کی اتنی دقیق باتوں پر نظر تھی، اور دوسرا کمال یہ تھا کہ اپنے چھوٹوں سے اشکال کا حل چاہا۔ میرا کیا رتبہ تھا کہ حضرت کے اشکال کو حل کرتا مگر محض ارشاد کی وجہ سے جواب عرض کیا اس

جواب کا حاصل یہی تھا کہ میں نے کہا حضرت انتظام) مذموم یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف کا وقوع ہو تو اس سے رنج ہو۔ فرمایا یہ تو بحمد اللہ نہیں ہے اگر وہ عمر بھر بھی خدمت نہ کریں تو مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔ میں نے عرض کیا پھر یہ اشراف نہیں بلکہ محض احتمال ہے اس پہ مولانا بہت مسرور ہوئے اور تحقیق کو پسند فرمایا، اور مجھے دعائیں دیں۔ (وعظ التعرف بالتصرف صـ)

(۷) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں حضرت مولینا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نرالی شان تھی۔ چہرہ سے انوار برستے تھے۔ ایک مرتبہ میری نسبت فرمایا تھا۔ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے یہ روایت بیان کی تھی، کہ مجھ کو اشرف علی سے اس وقت سے محبت ہے کہ وہ مجھے جانتا بھی نہ تھا میں نے سنکر کہا اور میرے پاس ہے ہی کیا چیز سوائے اہل اللہ کی محبت کے یہی ایک چیز میرے پاس ہے۔ صفحہ ۶۱ م ۱۵۰ ج ۴، الافاضات الیومیہ۔

(۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اصل میں بدعتی لوگوں کو عناد ہے اہل حق سے اس عناد کے سبب ان کی عبارات سے بعید بعید سے لزوم ثابت کرتے ہیں، کہ یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے، صریح عبارات میں تحریفات کر کے اس پہ کفر کو چسپاں کرتے ہیں مولوی ابراہیم صاحب دہلوی نے اس کی مثال میں خوب کہا۔ اکثروا عنا ظریف ہوتے ہی ہیں کہ ان کا لزوم ایسا ہے۔ جیسے ایک شخص یک چشم تھا۔ ایک شخص سے راہ میں ملا۔ اور کہا کہ تو حرامزادہ تیرا باپ حرامزادہ اس نے کہا کہ میاں یہ کیا واہیات ہے راہ چلتے گالیاں دیتے ہو۔ میں نے آخر تم کو کہا کیا تھا۔ کہنے لگا کہ یہ مشہور ہے کانا حرامزدہ تو تم نے جب مجھکو دیکھا ہوگا ضرور دل میں کہا ہوگا کہ کانا حرامزادہ۔ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تو حرامزادہ تیرا باپ حرامزادہ اب ایسے لزوم کا کسی کے پاس کیا علاج صفحہ ۸۹ م ۱۹۸ ج ۴۔ الافاضات الیومیہ۔

شیخ العالم حضرت مولینا محمود الحسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دار العلوم دیوبند قدس سرہٗ کی حکایات

(۱) فرمایا کہ ہندو کہتے ہیں کہ مسلمان بڑے سخت دل ہیں اُنہیں جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے درد نہیں آتا اُن کا یہ کہنا غلط ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے ایک گائے پالی تھی قصائی اس کے اسّی روپے دیتے تھے جب وہ ذبح کی گئی تو مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب دل دکھا تو جب ہی تو آنسو جاری ہوئے۔

ص۱۱۳ م ۳۵۶ حسن العزیز جلد دوم۔

(۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے ایک طالب علم اس بارہ میں جھگڑ رہے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں اور اونٹ اس طرح تقسیم فرمائے کہ ایک شخص کو ایک اونٹ اور دوسرے کو دس بکریاں دیں اُن طالبعلم نے کہا کہ یہ عدل کہاں ہوا ایک اونٹ کے مقابل ایک بکری ہونی چاہیئے مولانا نے فرمایا کہ کیا اونٹ اور بکری برابر ہوتی ہے انہوں نے کہا کہ جی ہاں اور یہی بانکتے رہے

ص۲۰۷ م ۶۴۸ جلد مذکور

(۳) فرمایا کہ دیوبند کے بعض لوگوں کا یہ خیال ہوا تھا کہ جب سے مدرسہ ہوا ہے ہم لوگوں پر غربت آگئی۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں کہ مدرسہ تمہاری غربت کا سبب ہے بلکہ بات یہ ہے کہ پہلے تم لوگ خدا کے احکام کو نہیں جانتے تھے تو جرم میں بھی تخفیف ہوتی تھی۔ اب چونکہ تم مدرسہ کی وجہ سے احکام خداوندی کو جان گئے ہو اور جہاں جان کر عمل نہیں کرتے اس لئے تم پر خدا کا غصہ ہے۔ اگر عمل کروگے پھر خوشحال ہوجاؤ گے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے تو علم کا نہ پڑھنا ہی اچھا ہے تو جاہل رہنا خود ایک جرم ہے۔ دیکھو

اگر کسی کو کھانا کھا کر ہیضہ ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کھانا کھانا ہی چھوڑ دو۔ ص۶۸ م ۱۳۶ مزید المجید۔

(۴) فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ایک رسالہ میں مولانا نے غیر مقلدوں کا رد کیا ہے تو اس میں ان کے اس الزام کا کہ مولانا تو غیر مقلدوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، عجیب لطیف رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مولانا تو ان کے پیچھے نہیں پڑے رہتے وہ خود ہی آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ص۳۷ وعظ روح القیام۔

(۵) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی حیات میں حضرتؒ کو دہلی ایک جلسہ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا۔ حضرتؒ بعض اعذار کی وجہ سے دہلی تشریف نہ لے جا سکے، اور ایک مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا اور یہ ہدایات فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف اور مداہنت کے ظاہر کر دو اس وقت قربانی گاؤ کے بند کر دینے پر زور دیا جا رہا تھا حضرت نے فرمایا کہ یہ مقاصد شریعہ کے بالکل خلاف ہے ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذرا سی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے خواہ وہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی کرتے رہیں گے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے اور عقیدت کا دم بھرنے والے حضرت کے اس فرمان سے سبق حاصل کریں کہ ادنیٰ ترمیم کو بھی شریعت مقدسہ میں گوارا نہیں فرماتے نہ یہ کہ سر سے پیر تک شریعت مقدسہ کے خلاف باتیں کی جائیں احکام اسلام کی کھلم کھلا مخالفت کی جائے اور اس کو حضرت مولانا قدس سرہ کی طرف منسوب کیا جائے ان باتوں کو حضرتؒ کے مقاصد میں سے بتا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جائے۔ ص۹۱ الافاضات الیومیہ ملفوظ ۱۱۷۔

(۶) فرمایا کہ) حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی حیات میں میں حضرت حکیم الامت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی اپنے مسلک پر آزادی

سے عمل کرتا تھا۔ حضرت کی وفات کے بعد سے دیکھ بھال کر عمل کرتا ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ حضرتؒ اختلاف کی حقیقت سے واقف ہیں حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر بھی گرانی نہ تھی پانی پت کے ایک مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مرض الموت میں دہلی حضرت کے پاس جب زیادہ اختلاف کی خبریں پہنچیں تو یہ فرمایا کہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں حضرت کی نظر میں اختلاف کا یہ درجہ تھا۔ ص۹۲ الافاضات الیومیہ۔

(۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانہ میں حضرت کی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے میرے (حضرت حکیم الامت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم) متعلق برے بھلے الفاظ کہہ رہے تھے کچھ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑ گئے باہر تشریف لے آئے بہت خفا ہوئے اور یہ فرمایا کہ تم اسی شخص کے باب میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں اور یہ فرمایا خبردار جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کئے اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کوئی وحی آتی ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ وہ سب ٹھیک ہے میری بھی ایک رائے ہے اس کی بھی ایک رائے ہے ایک مرتبہ حضرت نے یہ فرمایا کہ ہمیں تو اس پر بھی فخر ہے کہ جو شخص تمام ہندوستان سے یہ متاثر نہ ہوا اور کسی کی بھی پرواہ نہ کی وہ بھی ہماری ہی جماعت سے ہے ص۹۲ م۱۱۷ الافاضات الیومیہ۔

(۸) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی عجیب شان تھی کوئی ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتا مولوی محمود صاحب رامپوری نے مجھ سے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی ایک حکایت بیان کی مجھ کو تو حیرت ہوگئی اور لوگ تو اپنا احترام اپنی خدمت اپنی پرستش چاہتے ہیں اور ان حضرات کی یہ حالت ہے کیا ٹھکانا ہے اس بےنفسی کا انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں اور میرے ساتھ ایک ہندو ایک مقدمہ کے

سلسلہ میں دیوبند آئے دیوبند پہنچ کر اس ہندو نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں ٹھہرو گے میں نے کہا کہ میں مولانا کے یہاں قیام کروں گا وہ ہندو بولا مولانا جی میں روٹی تو اپنے اقارب میں کھا لوں گا باقی سونے کے واسطے اگر کوئی چھوٹی سی چارپائی مجھ کو بھی مل جائے تو وہاں ہی ٹھہر جاؤں گا میں نے کہا کہ مل جائے گی تو روٹی کھا کر آجانا ایسا ہی ہوا میں نے حضرت مولانا کی بیٹھک میں ایک چارپائی اس کے لئے الگ بچھا دی ایک چارپائی پر میں لیٹ گیا وہ ہندو تو پڑتے ہی سو گیا اور میں جاگ رہا تھا کہ حضرت مولانا دبے پاؤں زنان خانہ سے تشریف لائے اور اس ہندو کی چارپائی پر بیٹھکر اس کے پیر دبانے لگے میں ایک دم چارپائی سے کھڑا ہو گیا اور جا کر عرض کیا کہ حضرت چھوڑ دیں میں دبا دوں گا فرمایا کہ یہ تمہارا حق نہیں میرا مہمان ہے یہ خدمت میرے ذمہ ہے میں نے اصرار کیا اس پر فرمایا کہ جاؤ تم کون ہوتے ہو گڑبڑ مت کرو۔ بیچارے کی آنکھ کھل جائے گی تکلیف ہو گی۔ پس وہ ہندو تو پڑا ہوا خرخر کر رہا تھا اور مزاحاً فرمایا کہ اس کا مقدر تھا اور مولانا پاؤں دبا رہے تھے اب مدعی تو بے نفسی کے بہت ہیں مگر ذرا عمل کر کے تو دکھائیں تب حقیقت معلوم ہو۔ ایک مرتبہ اسٹیشن مراد آباد پر حضرت مولانا محمود حسنؒ کا اور میرا حضرت حکیم الامّت مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ اجتماع ہو گیا۔ سیوہارہ کے بھی کچھ حضرات تھے۔ انہوں نے مجھے اور حضرت مولانا کو سیوہارہ اتارنا چاہا۔ میں نے اضمحلال طبع کا عذر کر دیا اور حضرت مولانا نے قبول فرما لیا لوگوں نے میرے عذر پہ کہا کہ وعظ کی درخواست نہ کریں گے جس سے اضمحلال کی تکلیف ہو میں نے کہا بدوں وعظ کہے تو مجھ روٹی کھاتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے مولانا بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ ہاں بھائی ایسے بے شرم تو ہم ہی ہیں کہ بلا کام کئے کھا لیتے ہیں میں اس وقت بہت شرمندہ ہوا اور کسی معذرت پیش کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔

گر مولانا بشاش تھے۔ (الافاضات الیومیہ ص۲۵ ع۱۲۴)

(۹) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سبحان اللہ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی عالی حوصلگی قابلِ دید ہے کہ میرا مسلک جو حضرت مولانا کے مسلک سے ظاہراً مختلف تھا ڈھکا چھپا نہ تھا مگر حضرت مولانا ذرا بھی دلگیر نہ ہوئے، بڑے اور چھوٹوں میں یہ فرق ہوتا ہے (الافاضات الیومیہ ص۵۹ ع۲۳۹)

(۱۰) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اکثر لوگ حضرت مولانا کو (محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کو فخر سے شیخ الہند کہتے ہیں اور لکھتے ہیں یہ مجھ کو اس قدر ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ شیخ العالم کو شیخ الہند کہتے ہیں اگر ایسا ہی تھا تو شیخ العرب کہنا چاہئے تھا۔ نسبت بھی کی تو کفر کے ملک سے یہ کونسے فخر کی بات ہے اصل میں یہ نیچریوں کا لقب تجویز کیا ہوا ہے مگر افسوس اپنی جماعت کے لوگ بھی بڑے فخر سے شیخ الہند کہتے ہیں۔ بس افسوس ان کی سمجھ پر ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ وائسرائے کو کوئی کانسٹیبل کہے کیا یہ اہانت نہیں ہے یہ تعریف ایسی ہی ہے جس کو مولینا رومیؒ کہتے ہیں ؎

شاہ را گوید کسے جولاہا نیست
این نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

نئے نئے لقب ایجاد ہو رہے ہیں امام الشریعت امام الہند ہمارے بزرگوں کو ہمیشہ ایسی باتوں سے اجتناب رہا ان حضرات کی زندگی سلف کا نمونہ تھی مگر آج کل وہ باتیں پرانی اور دقیانوسی خیال کی جاتی ہیں۔ (حصہ سوم الافاضات الیومیہ ص۹۶/۲۸۵

حکایات حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہی میں متانت بہت تھی بعض کو خود داری کا شبہ ہو جاتا تھا ایک دفعہ میں (حضرت مولانا مرشدی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم) مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے آدھی رات کو استنجے کی ضرورت ہوئی اوّل شب میں دریافت کرنا یاد نہ رہا۔ پس خدا کی قدرت کہ مولانا خود اندر سے تشریف لائے کہ کوئی حاجت ہے۔ میں نے کہا کہ جی ہاں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس وقت دونوں کو تکلیف نہ ہوگی اندر زنانہ مکان میں چلو اور خود استنجے کے ڈھیلے اور پانی رکھ آئے۔ میں نے کہا یہ تو آب زمزم ہے اب استنجا کاہے سے کروں اللہ اکبر کیا اخلاق ہیں۔ (حسن العزیز جلد دوم صفحہ ۲۲۰ م ۱۹)

(۲) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب میں سفر کر رہے تھے۔ کسی اسٹیشن پر کسی ضرورت سے اُترے اور چند طلبہ انگریزی خوان سوار ہوئے اور ان کے اسباب کو منتشر کر دیا۔ انہوں نے آ کر کہا کیا آپ لوگوں کی یہی تہذیب ہے خیر وہ شرمائے اور انہوں نے اسباب بدستور رکھ لیا لیکن اپنی شرمندگی کے انتقام میں انہیں بنانا چاہا موقع کے منتظر رہے۔ مولوی صاحب نے اتفاق سے نماز پڑھی بعد الفراغ ان طلبہ نے کہا ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا ہاں۔ پوچھا نماز فرض ہے؟ اتنا تجاہل ظاہر کیا کہ گویا ہم جانتے ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ ہاں فرض ہے۔ پوچھا پنجگانہ نماز فرض ہے اور ہر جگہ فرض ہے؟ کہا پنجوقتہ اور ہر مقام پہ فرض ہے انہوں نے سوال کیا کہ جہاں چھ ماہ کا روز اور چھ ماہ کی شب ہوتی ہے جس کو عرض تعین کہتے ہیں وہاں کس طرح نماز ادا کریں گے کیا سال بھر میں پانچ ہی نمازیں پڑھیں گے؟ مولوی صاحب

نے کہا کہ تم وہاں سے آ رہے ہو؟ کہا نہیں۔ کیا تم جا رہے ہو؟ کہا نہیں، فرمایا بس ہم فضول باتیں نہیں بتاتے۔ اس پر طلبہ نے اور ایک اور صاحب میانہ عمر کے تھے انہوں نے قہقہہ لگایا اس سے مولوی صاحب کو خفیف ہونا پڑا۔

مولانا احمد حسن صاحب امروہی بھی اس گاڑی کے متصل گاڑی میں بیٹھے تھے اور سب واقعہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان میانہ عمر صاحب کے ہنسنے پر غصہ آیا۔ اسٹیشن پہ پہنچ ان کی گاڑی میں تشریف لے گئے اور موقع کے منتظر تھے۔ اتنے میں وہی میانہ عمر صاحب نماز کے واسطے اٹھے اور طلبہ اتر گئے مولانا بھی خوش ہوئے کہ یہ تو نمازی آدمی ہیں ان کا سمجھنا سہل و آسان ہوگا جب نماز پڑھ چکے مولوی صاحب موصوف نے پوچھا کہ میں کچھ دریافت کر سکتا ہوں، نہایت بد دماغی سے جواب دیا ہاں۔ کیونکہ مولوی صاحب سادہ وضع تھے گو طبقہ علماء میں رنگین طبع و شوقین شمار کئے جاتے تھے۔ دریافت فرمایا، آپ کا دولت خانہ کہاں ہے اس کا بھی جواب دے دیا۔ پوچھا آپ کس عہدے پر ممتاز ہیں بتا دیا دریافت کیا کس وقت سے کس وقت تک روزانہ کام کرنا پڑتا ہے؟ وہ مقدار وقت بھی بتائی۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے سوال کیا کہ اگر گورنمنٹ کی حکومت عرض تسعین میں ہو جاوے اور وہاں آپ کو بھیج دے تو وہاں یہ وقت کس طرح ملے گا۔ یہ سن کر سنبھلے اور ملتفت ہوئے۔ فرمایا وہاں اندازہ کر لیا جائے گا۔ مولوی صاحب نے فرمایا بہت حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ ایک حاکم مجازی کے قانون کی تو یہ عظمت کہ اس پر جو اشکال واقع ہوا اس کی تو آپ اس طرح سے توجیہہ کر لیں اور حاکم حقیقی کے قواعد و ضوابط پر تمسخر کریں مضحکہ اڑا دیں جاہل اعتراض کریں اور آپ ہنسنے میں ان کا ساتھ دیں اور اس کے جواب میں ایسے چست و چالاک ہوں وہاں آپ سے یہی جواب نہ سمجھا گیا۔ خیر وہ تو بچّے

تھے افسوس آپ پر ہے، بیچاروں نے بنچ سے اتر کر مولوی صاحب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور خوب روئے اور کہا مجھے انہیں دیکھ کے ہنسی آ گئی تھی۔ مولوی صاحب فرمایا عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ سے کوئی گستاخی کرنے لگے تو آپ کو اسے دیکھ کر ہنسی آئے گی یا قہر و غضب سے آپ تھرا جائیں گے، تو افسوس ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت ماں کے برابر بھی آپ کی نگاہ میں نہ ہوئی (ملفوظات ہفت اختر ص۳۳ م۵۶)

حضرت مولٰینا عبدالعلی صاحب

صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلوی قدس سرہٗ کی حکایت

(۱) حضرت مولانا عبدالعلی صاحب مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی کا خط سالانہ جلسہ کی شرکت کے لئے حضرت والا (سیدنا و مولانا حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم) کی خدمت میں آیا۔ اس پہ فرمایا کہ میں نے مولینا سے مقامات حریری سبعہ معلقہ اور کچھ نسائی پڑھی ہے مگر برتاؤ سے مولینا کے پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ اُستاد ہیں۔ چنانچہ جب میں دہلی سے چلتا ہوں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے ہیں۔ بے لوث اور بے تعلق ہیں کسی سے کچھ مطلب نہیں خود بھی مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں۔ مقدار چندہ کی سب سے زیادہ ہوتی تھی ۱۵۰ روپے یا زیادہ تک۔ مولانا صاحب جائداد ہیں سال میں جو کچھ بچاتے ہیں سب خرچ کر دیتے ہیں۔ مولانا سے کوئی ملنے جاتا ہے بہت خاطر کرتے ہیں۔ چائے شربت پلاتے ہیں۔ دیوبند جب تشریف رکھتے تھے تو طلبہ کی خوب تادیب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے سبق پڑھتے میں ادلٹے لیٹ کر پاؤں پیچھے کو پھیلا لئے۔ بس مولانا چلّا اٹھے بدتمیز بے ادب صرف اصلاح کی وجہ سے تنبیہ فرمائی

یہ نہیں کہ اپنا ادب کرایا۔ پھر فرمایا کہ مولوی صاحب کے پاس بیٹھنے سے ایک کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ہر شخص کے پاس بیٹھنے سے جدا فرق معلوم ہوتا کہ اُسے تعبیر نہیں کر سکتے ۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست بسیار شوہاست بتاں را کہ نام نیست

(ص ۲۲۷ م ۳۴، حسن العزیز جلد دوم

حکایت حضرت مولٰینا صدیق احمد صاحب انبھٹوی رحمۃ اللہ

(۱) فرمایا کہ مولوی صدیق احمد صاحب انبہٹوی نے جو ایک مُسَلّم بزرگ ہیں ایک لطیف گفتگو فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ یجتبی الیہ من یشاءُ و یھدی الیہ من ینیب سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتبار یعنے جذب محض فضلِ الٰہی پر موقوف ہے اور ہدایت میں اعمال کا بھی دخل ہے جس کو انابت سے تعبیر کیا ہے سو پہلے زمانہ میں تو ریاضات و مجاہدات کثرت سے ہوتے تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے اجتبار ہو جاتا تھا گو من حیث العلیۃ و سببیۃ ان اعمال کو اس میں دخل نہ تھا اور اس زمانہ میں بوجہ قصور ہمت و قلت قوت کے ریاضات میں نہایت درجہ کمی ہے سو اس کا قائم مقام حق تعالیٰ نے اتباع سنت کو کر دیا ہے کہ گو مجاہدات کم ہوں مگر اتباع سُنت ہو جو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہو تو اس سے اجتبار ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ہمارے حضرات مجتبے ہیں۔ اگر ان کے اَتباع اتباع سنت میں کمی کریں تو پھر اجتبار کی کوئی وجہ نہیں۔ (ملفوظات خیرت حصہ سوم صہ ۱۵ م ۔)

مولینا عبدالحی صاحب لکھنوی صاحب تصانیف کثیرہ رحمۃ اللہ کی حکایات

(۱) فرمایا کہ مولینا عبدالحی صاحبؒ لکھنوی تقلید کے متعلق علمی تحقیق میں تو ذرا ڈھیلے تھے یعنی تقلید کو واجب کہنے میں متشدد نہ تھے مگر عملاً کبھی حنفیت کو نہیں چھوڑا۔ شہرت زیادہ ہونے اور مرجع بن جانے میں یہ بڑی آفت ہے کہ آدمی کو دعوٰی پیدا ہو جاتا ہے عجیب نہ تھا کہ مولانا کو اجتہاد کا سا دعوٰی پیدا ہو جاتا اور تقلید سے نکل جاتے مگر ان پر فضل یہ ہوگیا کہ مولوی صدیق حسن خان صاحب سے گفتگو ہو گئی اس سے غیر مقلدی کے مفاسد کھل گئے ورنہ چل نکلے تھے۔ میں نے (حضرت سیدنا مولانا مرشدنا حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے) مولانا کو دیکھا ہے۔ متقی پرہیزگار تھے اور نظر بہت تھی گو بہت عمیق نہ تھی اور بقدرِ ضرورت عمیق بھی تھی۔ بڑی خوبی یہ تھی کہ مولانا کے سب کاموں میں للّٰہیت تھی۔ خدا اُن کی مغفرت فرماوے۔ صہ ۴۹ حسن العزیز جلد چہارم

(۲) فرمایا کہ غیر مقلدوں کے متعلق مولوی عبدالحی صاحب لکھنویؒ کی رائے اوّل نرم تھی مگر اس مناظرہ سے جو نواب صدیق حسن خاں صاحب سے ان کا خود ہوا سخت ہو گئے تھے ورنہ بہت ہی نرم تھے بڑے صاحب کمال تھے عمر تقریباً ۳۸ یا ۴۰ سال کی ہوئی کسی نے جادو کرا دیا تھا۔ مولوی صاحب کے سرہانے سے ایک شیشی خون کی دبی ہوئی نکلی تھی۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی نے سحر کیا اُس میں انتقال ہوگیا اس تھوڑی سی عمر میں بہت کام کیا سمجھ میں نہیں آتا وقت میں بہت ہی برکت تھی ہر فن سے مناسبت تھی اور ہر فن کی خدمت کی۔

(صہ ۱۸۴ الافاضات الیومیہ)

حکایات حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم مدرسہ دیوبند

(۱) مہتمم صاحب دیوبند (حضرت مولانا محمد احمد صاحب رح) تھانہ بھون تشریف لائے تھے روانگی کے وقت جو سواری اسٹیشن تک جانے کے لئے کرایہ کی گئی اس کے کرایہ کی نسبت میاں نیاز (خادم حضرت والا ظلہم) سے حضرت قبلہ و مولٰنا مرشدی حکیم الامۃ شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ یکہ والے سے کہہ دینا کہ کرایہ یہاں آکر مجھ سے لے جا اس پر مہتمم صاحب نے فرمایا کہ حضرت وہ پیسے مجھے دے دیجئے تاکہ میں تبرکاً انہیں اپنے پاس رکھوں چنانچہ حضرت والا نے پیسے منگا کر فرمایا کہ "کرایہ پیش ہے۔ یہ تو بے ادبی" پھر تبسم سے فرمایا کہ ٹم ٹم والے کو دے دیجئے (مگر مہتمم صاحب نے تبرکاً وہ پیسے اپنے ہی پاس رکھے اور کرایہ اپنے پاس کے اور پیسوں سے دیا) اس موقع پر حضرت والا اس طرح جھکے جھکے اور دبے دبے عاجزی و ادب کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے جیسے کوئی اپنے بزرگوں سے نہایت ادب و خجلت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ جامع عفی عنہ) حسن العزیز جلد دوم ص۴۷ م ۱۳۴

(۲) جناب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے لڑکے کے نکاح میں شرکت کے لئے حضرت والا (حضرت مولانا مرشدی حکیم الامۃ شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم) سے زبانی دیوبند میں یہ فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ رامپور (جہاں کہ مہتمم صاحب کے لڑکے کا عقد ہوگا) فلاں قاضی صاحب کے یہاں مہمان ہوں اور صرف مجلس نکاح میں تشریف لاکر اس کے نکاح کا خطبہ آپ پڑھ دیں۔ حضرت والا نے مہتمم صاحب کا یہ مقولہ بیان فرما کر فرمایا اس سے جی خوش ہوا کس قدر رعایت منظور ہے۔ جلد مذکور ص۵۰ م ۱۴۶

(۴) ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ آجکل دوستی کا نام ہی نام رہ گیا ہے یہ حقیقت میں تو قریب قریب مفقود کے ہے۔ فرمایا حضرت مولانا گنگوہیؒ کی مجلس میں حافظ احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب حاضر تھے جن کی دوستی مشہور و معروف تھی حضرت نے ان سے دریافت کیا کہ کبھی تم میں اور ان میں بے لطفی اور لڑائی بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ یہ دوستی پائیدار ہے درخت وہ مستحکم ہوتا ہے جس پہ آندھی آ چکی ہے۔ پھر اپنی جڑوں کو نہ چھوڑا ہو بس دوستی بھی وہی ہے کہ باہم لڑائی بھی ہو جائے پھر تعلقات باقی ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دوست دوسرے سے کہے کہ قرض دیدو اور وہ دریافت کرلے کہ کتنا وہ بزرگ کہتے ہیں کہ وہ دوستی کے قابل نہیں اس سے قطع تعلق کہ دد دوست وہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہو سب لاکر سامنے رکھ دے۔ یہ ہیں اس کے حقوق پھر ایک دوسری حکایت فرمائی کہ ایک دوست نے اپنے دوست کو رات کے وقت مکان پر جاکر آواز دی وہ ذرا تاخیر سے آیا وہ اس حیثیت سے کہ ہتھیاروں سے مزین ایک حسین و جمیل لونڈی شمع لئے ہوئے، اور ایک غلام اور ایک توڑا روپوں کا کندھے پر لادے ہوئے اس نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہا کہ جب تم نے آواز دی تو مجھ کو خیال ہوا کہ بے وقت دوست نے آواز دی ہے نہ معلوم کیا واقعہ ہے اور مجھ کو کئی احتمال ہوئے، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ کسی دشمن کا مقابلہ ہو تو ہتھیاروں سے ٹھیک ہو کر آیا دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی حسین کی ضرورت ہو تو یہ لونڈی لایا اس کو رکھو نکاح کرا دوں گا اور ممکن ہے کسی خادم کی ضرورت ہو تو یہ غلام موجود ہے اور ممکن ہے کہ روپوں کی ضرورت ہو تو روپیہ کی رت ہو تو روپیہ بھی حاضر ہے۔ اس نے کہا، مجھ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہمارے

دیکھنے کو دل چاہتا ہے تو حضرت دوستی تو یہ ہوتی ہے محض آپس میں دوستی کر لینے کا نام دوستی نہیں۔ (الافاضات الیومیہ حصہ سوم ص ۱۷ م ۱۴۷)

جناب مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات

(۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا (فتح محمد صاحبؒ) ظہر کے وقت مسجد میں تشریف لائے۔ مولانا کی آنکھیں چونکہ ہمیشہ مریض رہتی تھیں۔ اس لئے مولانا چادر آنکھوں کے سامنے ڈال کر چلا کرتے تھے مسجد میں آکر ایک لوٹا اٹھانے لگے جو ایک طالب علم انہیں کے واسطے جھکا ہوا بھر رہا تھا اس نے دیکھا تو ہے نہیں سمجھا اور کوئی ہے اس نے مولانا کی انگلی دبا کر جھڑک کر کہا کہ رکھ کہاں لئے جاتا ہے مولانا نے وہیں رکھ دیا۔ پھر اس نے دیکھا تو خود مولانا تھے نہایت شرمندہ ہوا اور معافی چاہنے لگا مولانا پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔

(ص ۹۵ م ۱۳۲ حسن العزیز - جلد اوّل)

(۲) فرمایا کہ، لوگ خدمت کرنے کا طریقہ نہیں جانتے ایک بار میں (پیرو مرشد سیدنا مولانا حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) گنگوہ بہلی میں بیٹھا جا رہا تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ مولٰینا (فتح محمد صاحب) بھی پیدل چلے جا رہے ہیں میں نے فوراً اتر کر عرض کیا کہ حضرت بہلی حاضر ہے فرمایا کہ میں تو پیدل ہی جایا کرتا ہوں۔ اس پر میں نے کچھ اصرار نہیں کیا اور میں بھی پیدل ساتھ ہو لیا اور لوگ جو میرے ساتھ تھے ان لوگوں نے اصرار کرنا چاہا لیکن میں نے روک دیا کہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیئے پھر حاضرین سے حضرت والا نے فرمایا کہ بزرگوں سے کہیں اس طرح کام ہوتے ہیں کہیں اصرار اور مناظرہ سے کام چلتا ہے کیونکہ اوّل تو اہل اللہ مناظرہ میں

ہیں بھی کسی سے نہیں ہارتے اور اگر ساکت بھی ہو گئے تو وہ کسی کے کہنے سے اپنے مذاق کے خلاف کیوں کرنے لگے اس لئے میں نے مولانا سے اصرار نہیں کیا۔ لیکن خود ساتھ ساتھ پیدل ہو لیا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا بٹھلانا تو آپ کے اختیار میں ہیں خلاف مذاق اصرار نہیں کرتا لیکن میں بھی پیدل چلوں گا۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ بھائی یہ تو اصرار سے سے بھی بڑھ کر ہے بھلا مجھ کو تمہارا پیدل چلنا کیسے گوارہ ہو سکتا ہے پھر مولانا ہم لوگوں کے ساتھ بہلی میں سوار ہو لئے۔ میں نے مولانا کے بٹھلانے کی یہ ترکیب چلی۔ صـ۹۵ م ۱۳۲ جلد مذکور

حکایت مولینا محمد یٰسین صاحب والد مفتی مولوی محمد شفیع صاحب

دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ روایت سُنی ہے مولوی محمد یٰسین صاحب یعنی مولوی محمد شفیع صاحب کے والد نفل روزے بہت رکھا کرتے تھے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح کے یہاں جا کر افطار کیا کرتے تھے ایک روز مولاناؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب یہ نہ سمجھنا کہ میں روزے رکھتا ہوں اور یہ نہیں رکھتے ہم نے بھی بہت رکھے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ صـ۱۸۴ م ع۴۰۰)

حکایت مولوی سالار بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱) فرمایا کہ مولوی سالار بخش صاحب گو صحیح الادراک نہ تھے مگر ذہین بڑے تھے ان کی باتیں عجیب وغریب ہوتی تھیں باہر جب نکلتے تھے تو منہ پر نقاب ہوتا تھا کہ کہیں کافر کو ان کا چہرہ نظر نہ آجائے ایک شخص تھا قمرالدین نام اس سے

کچھ خفا ہو گئے تھے ایک روز وعظ میں بیان کیا کہ اس کو بعضے لوگ کہتے ہیں کمرو یعنی بھونڈا منہ، بعض کہتے ہیں خمرو یعنی ٹیدھا (ٹیڑھا) بعضے کہتے ہیں قمرو یہ اصل میں ہے قُم رَو یعنی اُٹھ چلا جا۔ عالم کے مجلس ہی سے ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ مولوی صاحب سالار بخش کیا نام ہے جس کے معنے ہیں سالار کا بخشا ہوا یہ تو شرک ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا نام ہے یہ اصل میں ہے سال آر یعنی سال کا لانے والا تو وہ کون ہے بجز اللہ تعالٰے کے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی طرف سے خیال تھا کہ یہ بے بتلائے مسائل پر ناحق کے اعتراضات کیا کریں گے بس یہ تدبیر کی کہ ایک مرتبہ مولوی سالار بخش صاحب گنگوہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج کل مولوی سالار بخش صاحب آئے ہوئے ہیں وہ ہم سب کے بڑے ہیں ہم اُن کے ہوتے ہوئے مسئلہ کیا بتائیں انہیں سے جاکر دریافت کرو یہ شخص وہاں پہنچا اور جاکر مولوی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا اور حضرت کا یہ مقولہ بھی نقل کر دیا مولوی صاحب اس کو سُنکر بہت خوش ہوئے اور یہ کہا کہ وہ بھی بڑے عالم ہیں بس انہیں سے جاکر دریافت کرو ہم نے یہ کام انہیں کے سپرد کر دیا۔ اب یہی سلسلہ ہوگیا کہ جو مولوی صاحب کے پاس مسئلہ پوچھنے آتا حضرت کا نام بتلا دیتے یہ حضرت کی فراست تھی کس لطیف تدبیر سے کام نکال لیا۔ سچ یہ ہے کہ اس زمانہ کے مجانین بھی اچھے ہی تھے آجکل کے تو مجانین بھی شاید ایسے نہ ہوں۔ ایسا کوئی کہکے تو دکھائے اور ہمیشہ حضرت کے ثناخوان رہے۔ (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص۲۴ م۳۷)

حکایات حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مرشدی و مولائی و سیدی و سندی جناب مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی

(۱) میں اپنی ایک حکایت بیان کروں کہ میں شاہجہان پور سے آتا تھا تو جس درجہ میں میں بیٹھا تھا۔ اس کے پاس کے درجہ میں ایک صاحب جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس ان کا نوکر آیا اور کہا کہ وہ نہیں ٹھہرتا انہوں نے کہا کہ اچھا اسے یہیں پہنچا دو۔ نوکر ان کے پاس ایک کتے کو پہنچا گیا۔ آجکل کے فیشن میں کتے کا رکھنا بھی لازمی ہوگیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ صاحب کتا ایسا وفادار جانور پھر کیا وجہ کہ اس کا پالنا ناجائز ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر قومی ہمدردی نہیں ہے۔ پہلا جواب تو ان کو پسند نہ آیا۔ لیکن دوسرا جواب سنکر پھڑک گئے کہنے لگے کہ ہاں صاحب یہ ہے جواب۔ میں نے کہا کہ خاک۔ پتھر ہے۔ جواب تو اصل وہی ہے کہ نہانا عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم تو حضور کے غلام ہیں ہمارا مذہب تو یہ ہونا چاہیئے کہ ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علت از کار تو

اور ہماری یہ حالت ہونی چاہیئے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شادہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

وعظ اجابۃ الداعی ۲۲ ۔

(۲) حکیم معین الدین صاحب نانوتوی میرٹھ میں حافظ عبدالکریم صاحب رئیس کے یہاں اتفاقاً تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب موصوف نہایت ہی بھولے بھالے تھے کسی کو بار ہا دیکھ کر بھی دیر میں پہچانتے تھے چنانچہ میں بچپن سے اپنے والد صاحب کے ساتھ میرٹھ انہیں کے یہاں رہا مگر جب ان کے بڑے بھائی کا انتقال ہُوا تو میں تعزیت کے لئے میرٹھ گیا اور حافظ صاحب سے جا کر ملا اس وقت اور لوگ بھی تھے تو وہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کی تعریف کسی نے کہا کہ اشرف علی ہیں۔ تب وہ مجھ سے ملے اسی طرح حکیم معین الدین صاحب حافظ صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو حافظ صاحب نے اُن سے بھی دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ میں جولاہا ہوں۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا مکان کہاں ہے۔ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ پھوٹے شہر۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی رعایت الحق صاحب جو ان کی ریاست کے مدار المہام تھے تشریف لائے جو حکیم صاحب کو پہچانتے تھے وہ حکیم صاحب سے تپاک سے ملے اس وقت حافظ صاحب کو شُبہ ہُوا کہ یہ کون صاحب ہیں جن سے اس قدر تپاک سے مولوی صاحب نے ملاقات کی چنانچہ اُنہوں نے دریافت کیا مولوی صاحب نے کہا کہ یہ حکیم معین الدین صاحب ہیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے۔ تب حافظ صاحب کو پتہ لگا اور حکیم صاحب سے فرمایا کہ آپ تو یہ فرماتے تھے کہ میں جولاہا ہوں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ جب جناب نے مجھ سے دریافت کیا تو بھلا میں اپنے منہ سے کیا کہتا کہ میں فلاں ہوں اگر آپ نہ پہچانیں تو کیا کہوں۔ دیکھئے حکیم صاحب چونکہ خود صاحبِ کمال تھے تو ان کو جولاہا کہنے سے عار نہ آیا ورنہ اپنے کو جولاہا کون کہتا ہے الا ماشاء اللہ۔ ہمارے حضرات کا تو یہی مذاق ہے مگر بعض کا دوسرا مذاق ہے وہ ایسے مواقع میں تواضع کو نامناسب سمجھتے ہیں چنانچہ مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی

ایک امیر کے یہاں مہمان ہوئے۔ مولوی صاحب کو کسی وقت رات میں رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ میزبان کے یہاں دو پاخانہ تھے ایک عام دوسرا خاص، چونکہ مولوی صاحب مہمان خاص تھے خاص پاخانہ میں جانے لگے محافظ نے ٹوکا کہ کون۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اگر اس وقت تواضع کرتا تو نہ معلوم کیسی پریشانی ہوتی اس لئے میں نے ذرا سخت لہجہ میں جواب دیا کہ ہم ہیں مولانا صاحب دہلی والے تو ہمیں جانتا نہیں۔ دیکھ صبح کو تیری کیسی خبر لی جاتی ہے۔ وہ ہاتھ جوڑنے لگا کہ معاف کر دیجئے میں نے پہچانا نہیں۔ اس کے بعد مولوی صاحب فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر اسی طرح بے باکانہ بات کہنا چاہیئے اور دیوبند کے مولویوں کی طرح تواضع نہ کرنا چاہیئے ورنہ اس وقت اگر میں کہتا کہ میں ہوں حقیر فقیر ذرہ بے مقدار تو گو بعد میں کچھ ہی ہوتا مگر اُس وقت تو پریشانی ضرور ہوتی۔ مگر صاحبو! ایسی ہمت مولوی صاحب کی ہی تھی۔ ہر شخص اپنے منہ سے اس طرح نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ مجھے بھی کانپور میں ایک مرتبہ اتفاق ہوا۔ صاحب جنٹ کے اجلاس میں جانے کا کیونکہ ایک فتویٰ پر میں نے دستخط کر دیئے تھے وہ مقدمہ اٹھارہ برس سے عدالت میں تھا اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تھا دستخط کرنے والے علماء میں سے جس عالم پر ایک فریق رضامند ہوتا تو فریق ثانی انکار کر دیتا تھا مجھ پر فریقین نے رضامندی ظاہر کی چنانچہ میرے نام سمن آیا اور مجھے جانا پڑا مجھ سے سوال کیا گیا کہ آپ عالم ہیں اس وقت مجھے بیحد خلجان ہوا اگر انکار کروں تو وکلاء اور حکام تواضع کو کیا جانیں کہ یہ انکار تواضعاً ہے چنانچہ ایسے اتفاقات ہوئے ہیں کہ لوگوں نے تواضعاً انکار کیا اور وہ واقعی انکار سمجھے اور اگر یہ کہوں کہ عالم ہوں تو اوّلاً تو اپنی وضع کے خلاف ہے اور ثانیاً یہ ہے کہ عالم ہوں کہاں ان دونوں پہلوؤں پر نظر کر کے میں نے جواب دیا کہ مجھے مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں اور چند سوالات ایسے ہی پیچیدہ کئے گئے میں نے سب کے جواب میں مصلحتِ وقت کو

اور اپنی وضع کو پوری طرح ملحوظ رکھا ۔ وکلاء نے باہر آکر مجھ سے کہا ماشاء اللہ بہت اچھا جواب دیا اس وقت تو ہم بھی چکر میں آ گئے تھے کہ دیکھئے اس کا کیا جواب ہوتا ہے ۔ غرض اپنے منہ سے تو مولوی عبدالرب صاحب کی طرح یہ کہنا کہ میں عالم ہوں مجھے بہت مشکل تھا ہاں ایسی بات کہدی جس سے دعویٰ علم بھی نہ ہوا اور مصلحت بھی فوت نہ ہوئی اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ باوجود قلت تجربہ کے ضروری مصالح کے طریقے ذہن میں آجاتے ہیں غرض ہماری جماعت کے لوگ سیاح تو نہیں ہیں گوشہ نشین ہیں ۔ باوجود گوشہ نشینی کے ضروریات دنیویہ کا علم بھی حق تعالیٰ نے عطا فرمادیا ہے اور اس سے غفلت نہیں ہم لوگوں پر گوشہ نشینی کی وجہ سے عیب لگایا جاتا ہے اور اس گوشہ نشینی پر یہ کہا جاتا ہے کہ بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہیں ۔ چنانچہ ایک مرتبہ کانپور میں مجھے ایک صاحب سے گفتگو کا اتفاق ہوا ۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ کو دنیا کی کیا خبر، آپ تو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہیں ۔ میں نے کہا کہ تم شیطان کے گنبد میں بیٹھے ہو ۔ تہذیب سے گفتگو کرو کیا ان الفاظ سے بسم اللہ کی اہانت نہیں ہوتی توبہ کرو اور بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے سے جو یہ مقصود ہے کہ دنیا کی ضرورتوں کی خبر نہیں اول تو یہ مسلم نہیں کہ گوشہ نشینوں کو دنیا کی ضروری خبر بھی نہیں بلکہ گوشہ نشینی میں بھی دنیا کی ضروری خبر ہو سکتی ہے ثانیاً علیٰ تقدیر التسلیم خود دنیا کی خبر ہی کی کیا ضرورت ہے جیسے کسی نے کہا تھا کہ تشدید بضرورت شعر آگیا دوسرے نے کہا کہ شعر گفتن چہ ضرور اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ؎

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است
چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

لیکن باوجود ایسی خبروں کی حاجت نہ ہونے کے واقعہ یہی ہے کہ ان عارفین

گوشہ نشینوں کو دنیا کا بھی علم بقدر ضرورت ہوتا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ خلوت نشینی اور مراقبات سے قلب میں توجہ الی اللہ اور اس سے نور پیدا ہوتا ہے اور جب قلب میں نور پیدا ہوگا تو قلب کے سامنے جو شئے واقع ہوگی وہ منور اور روشن ہوجاوے گی۔ ملخصاً وعظ اعانۃ النافع ص ۵

(۳) فرمایا کہ مراد آباد میں ایک صدر اعلیٰ مولوی صاحب نے میری ضیافت کی میں نے ایک عذر سے قبول نہ کی وہ تفسیر کبیر میرے پاس لائے جہاں ضیافت کا مسنون ہونا مذکور تھا وہ مقام مجھ کو دکھلایا اور کہا کہ مجھ کو یہاں کچھ شبہ ہے میں نے کہا کہ آپ نے مولوی ہوکر ایسی بے عنوانی اختیار کی میری ضیافت کے لئے مجھ ہی پر احتجاج اگر میں آپ کے نزدیک واقف و متدین ہوں تو یہ احتجاج کیوں کیا میں اتنا بھی نہیں جانتا کہ ضیافت کا قبول کرنا سنت ہے اور اگر متدین نہیں ہوں تو آپ ضیافت کیوں کرتے ہیں۔ بیشک دعوت کا قبول کرنا مسنون لیکن بعذر انکار بھی جائز ہے۔ پھر اس کے بعد مولوی شاہ روشن خاں صاحب رح خلیفہ و تلمیذ مولانا شاہ رشید احمد صاحب قدس سرہ سے ملاقات ہوئی جو ظریف بھی تھے اور میں نے یہ قصہ بیان کیا فرمایا کہ اگر مجھ سے ایسا قصہ پیش آتا تو میں شکر بجالاتا کہ حق تعالیٰ نے لوگوں کے دل میں ہم کو ایسا محبوب کردیا ہے کہ کتابوں سے احتجاج کرکرکے ہم پر ضیافت لازم کرتے ہیں پھر حضرت نے فرمایا کہ مجھے اس لطیفہ کی بڑی قدر ہوئی کہ واقعی صحیح امر تو یہی ہے اور اپنے اس زجر پہ ندامت ہوئی۔ ملفوظات خیرت حصہ سوم ص ۱۵ م ۱۷۷۔

(۴) فرمایا زمانہ تحریکات (خلافت) میں ایک مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دوسرے مولوی صاحب نے میرے متعلق یہ کہا کہ یہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہے راوی نے ان سے پوچھا کہ سچ کہو کہ کیا واقعی تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ

گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔ کہنے لگے کہ حاشا وکلا میرا یہ ہرگز خیال نہیں کہا پھر کیوں کہتے ہو۔ کہنے لگے کہ اپنی آواز کو زور دار بنانے کی غرض سے، القول الجلیل حصہ اوّل ص۱۱۱ م ۱۳

(**۵**) جناب مولینا شبیر علی صاحب زاد مجدہم۔ احقر سے بیان فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں حضرت کانپور سے تشریف لائے تھے تو سوزش و حرارت عشقیہ کی یہ حالت تھی کہ پاس بیٹھنے والے بیان کرتے تھے کہ جب ہم حضرت کے پاس جاکر بیٹھتے ہیں تو ایسی حرارت محسوس ہوتی ہے کہ جیسے تنور کے پاس بیٹھ کر اور جس وقت حضرت گفتگو فرماتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ برس رہی ہے راتوں کو حضرت کو نیند نہ آتی تھی بس شب کو خانقاہ میں حوض کے برابر آرام کرسی پر تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھے رہا کرتے یا لیٹے رہا کرتے تھے اور ایک خادم حفاظت کے لئے شب کو پاس سویا کرتا تھا اور چاقو وغیرہ اس قسم کی چیزیں حضرت کے پاس سے علیحدہ کر دی گئیں تھیں کیونکہ اس زمانے میں حضرت دام ظلہم العالی پر حالات باطنی کی اس قدر شدت تھی کہ متعدد بار حضرت کو خودکشی کے خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ جلد مذکور ص۳۲ م ۳۲

(**۶**) حضرت مولانا گنگوہی رحمہ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو ساری عمر کی محنت و کوشش کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ مجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوا تو اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ کا قول ہے کہ ہم کو ساری عمر کے پڑھنے پڑھانے کے بعد اپنے جہل کا علم ہو گیا، اور حضرت میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر مقامات طے بھی ہو گئے تو ان کے طے ہونے میں وہ حظ نہیں کہ جتنا اس سمجھنے میں ہے کہ ہم نے ابھی کچھ بھی راستہ قطع نہیں کیا گویا تیلی کے بیل کی طرح ہیں کہ چکر کاٹنے کے بعد میں بھی وہ جہاں پہلے تھا وہیں رہتا ہے، گو چکر تو کاٹتا ہے مگر رہتا ہے

وہیں، تو اس سمجھنے میں بھی حظ ہے کہ ہم ابھی تک وہیں ہیں کچھ ترقی نہیں کی اور یہ حظ ہے انکسار اور افتقار، اور عجز اور عبدیت کا۔ جلد مذکور ص ۳۸ م ن ۴

(۷) بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ خلافت کے زمانے میں جب مخالفین کا بہت زور وشور ہُوا یہاں تک کہ ایک کمیٹی ہوئی جس کے اندر میرے متعلق بہت دُور تک تک کا انتقام تجویز ہُوا تو ایک خاص عزیز کی زبانی مولانا خلیل احمد صاحب نے میرے پاس یہ کہلا بھیجا کہ یہاں ایک ایسی کمیٹی ہوئی ہے، میری رائے میں کچھ نرمی اپنے مسلک میں کر لینا مناسب ہے، اور انگریز بادشاہ ہیں جو کچھ کریں گے قاعدہ اور قانون کے مطابق کریں گے، اور پبلک کا کچھ ٹھیک نہیں بے سری فوج ہے جو چاہے کر گزرے، اس لئے اس وقت عوام زیادہ خوفناک ہیں بہ نسبت حکام کے اُن عزیز نے آکر مجھ سے کہا تو میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک عوام کے ضرر سے بچنا آسان ہے کیونکہ اُن کو کوئی قانونی قدرت نہیں صرف حسّی قدرت ہے جس سے حفاظت ہو سکتی ہے اور حکام کو قانونی قدرت ہے، اس سے بچنا دشوار ہے تو جو وجہ مولانا نے پبلک کے ساتھ موافقت اختیار کرنے کی بیان کی ہے، وہی میرے نزدیک پبلک کے ساتھ عدم موافقت کی ہے۔ رہا انتقام کا قصہ سو اگر کوئی شخص اس کے تحمل کے لئے بھی تیار ہو، تو جو ضرر اس سے زیادہ ہو وہ بتلایا جاوے، پھر حضرت حکیم الاُمۃ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ آخر ہمارے بھائی انگورہ میں جان دے رہے ہیں ہم کنگوروں ہیں جان دے دیں گے، خیر میرا جواب جب مولانا خلیل احمدؒ صاحب کے پاس پہنچا تو فرمایا کہ جو شخص اتنا قوی القلب ہو اس کو حق ہے کہ جو چاہے طرزِ عمل رکھے، اور اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میرا ہمیشہ سے معمول ہے کہ میں صبح کے وقت جنگل جایا کرتا ہوں اسی زمانہ کا قصہ ہے کہ ایک بار جب میں عیدگاہ کے

پاس پہنچا تنہا تھا۔ تو میں نے عیدگاہ کے اندر سے ایک مجمع کی آواز سُنی اور اُس میں کوئی شخص میرا نام لے رہا ہے گویا میرے متعلق کوئی ناگوار مشورہ ہو رہا تھا میں حسبِ معمول آگے چلا گیا سُننے کی کوشش نہیں کی اسی زمانہ کا قصّہ ہے کہ ایک بار جب میں حسبِ معمول جنگل گیا تو قصبہ سے دُور نکل کر ایک بوڑھا ہندو راجپوت ملا کہنے لگا کہ اجی ایک بات کہوں ہوں اگر ناراض نہ ہو۔ میں نے کہا نہیں تم کہو، کہنے لگا کہ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ لوگوں کا تمہارے واسطے کیا خیال ہے میں نے کہا کہ ہاں مجھ کو وہ خیال بھی معلوم ہے، اور ایک بات اس کے علاوہ اور بھی معلوم ہے کہنے لگا وہ کیا ہے میں نے کہا وہ یہ کہ بدوں اُس کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تو میرا یہ جواب سُن کر اس پہ ایک اثر ہوا اور کہنے لگا کہ میاں جب یہ بات ہے تو بے فکر جہاں جی میں آئے پھرو۔ ایک بار اسی زمانہ میں بعض احباب نے اس کا انتظام کیا تھا کہ جب یہ شبکو خانقاہ سے گھر جایا کریں (تو چونکہ چھوٹا گھر خانقاہ سے فاصلہ پر ہے اور میں تنہا جایا کرتا تھا) تو اُن کا راستہ میں تنہا جانا مناسب نہیں بلکہ ہم میں سے راستہ میں کوئی ساتھ جانا چاہیے۔ مگر مجھ کو اس مشورہ کی اطلاع نہیں کی گئی پھر خود ہی اُن لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ گویا ہم پر حفاظت منحصر ہے۔ بغیر ہمارے حق تعالےٰ حفاظت کر ہی نہیں سکتے۔ بس جی حق تعالےٰ کے سپرد کرنا چاہیئے، چنانچہ اس تجویز کو ملتوی کر دیا۔ مجھ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو میں بڑا خوش ہوا کہ بحمد اللہ تعالےٰ میرے احباب عارف ہیں (احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اسی زمانہ کا حضرت دام ظلہم العالی کا ایک واقعہ احقر نے مولانا شبیر علی صاحب زاد مجدہم تھانوی سے سُنا ہے اس لئے احقر اس کو بھی تحریر کرتا ہے)۔

(۸) مولانا شبیر علی صاحب زاد مجدہم فرماتے تھے کہ چونکہ اس زمانہ میں بھی،

حضرت مولانا جنگل تنہا تشریف لے جاتے تھے، اس لئے میں نے احتیاطاً ایک گپتی پیش کی کہ جنگل جاتے وقت اس کو ساتھ لے جایا کریں تو میرے پیش کرنے پر حضرت مولانا نے بلا پس و پیش قبول فرمالی۔ مگر جب جنگل تشریف لے جاتے تو اس کو ہمراہ نہ لے جاتے، مَیں نے عرض بھی کیا تو فرمایا کہ چونکہ عادت نہیں اس لئے اس کے ہاتھ میں رکھنے سے تکلف ہوتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر مجھ کو واپس فرما دیجئے چنانچہ واپس فرمادی۔

(۹) ایک بار حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے اسی زمانۂ مخالفت کا ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں یہاں یہ بھی تجویز ہوئی تھی کہ ان سے خانقاہ و مدرسہ خالی کرانا چاہیئے اور میں اس پر ہر وقت تیار تھا۔ اگر ایک بچّہ نے بھی مجھ سے کہا میں فوراً بلا مزاحمت خانقاہ خالی کر دوں گا۔ احباب کو یہ سوچ تھی کہ پھر یہ مجمع کہاں رہے گا، خدا کی قدرت اسی زمانہ میں یہ عجیب قصہ پیش آیا کہ فلاں جگہ (حضرت نے ایک دور دراز مقام کا نام لیا تھا) ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس شخص نے چار ہزار کی رقم کے متعلق وصیت کی کہ یہ رقم تھانہ بھون کے فلاں مدرسہ و خانقاہ کو بھیجی جاوے، چنانچہ اس رقم کی یہاں اطلاع آئی اور وہ رقم اتنی تھی کہ کہ اگر خانقاہ از سر نو تعمیر کرانا تب بھی اس سے ممکن تھا مگر اس رقم میں شرط یہ تھی کہ سب رجسٹرار کی تصدیق ہو میں نے انکار کر دیا۔ پھر خط آیا کہ کسی آنریری مجسٹریٹ کی تصدیق ہو مجھ کو یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوا میں نے پھر انکار لکھدیا۔ ان کا پھر خط آیا کہ اچھا صاحب آپ دو طالب علموں کے دستخط کرا کر بھیجدیجئے۔ ہم نے کہا ہاں ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ان بیچاروں کا خلوص کہ اتفاق سے اُس دن ہمارے یہاں دو حاکم مہمان آئے ہوئے تھے۔ ایک حضرت خواجہ

عزیز الحسن صاحب (دام ظلہم) ڈپٹی کلکٹر اور ایک (جناب میاں) عبد الکریم صاحب (زاد مجدہم) سب جج ، میں نے کہا لو بھائی دستخط کر دو تم کو اللہ تعالیٰ نے یہاں اس موقعہ پر بھیجدیا ، انہوں نے دستخط کر دیئے وہ لوگ جنہوں نے یہ رقم ارسال کی تھی بہت ہی خوش ہوئے کہ ان کی تصدیق تو ہماری مجوزہ تصدیق سے بھی زیادہ باوقعت ہے ، میں نے طالب علموں سے کہا لو بھائی اب ہم دوسرا مدرسہ بھی بنا سکتے ہیں ، چنانچہ میں نے اس کی ایک جگہ بھی تجویز کر لی تھی ، مگر بفضلہ تعالیٰ سب کی گردنیں نیچی رہیں ، بعد میں ان کے بعض سرغنہ آکر درخواست کرنے لگے کہ یہاں سے نہ جائیے ورنہ ہماری بڑی رسوائی ہوگی میں نے اس وقت یہ کہنا (جوکہ امر واقعی بھی ہے) مناسب سمجھا کہ میں تو (اس خانقاہ میں) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بٹھلایا ہوا ہوں میں کیسے جا سکتا ہوں ، پھر فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہم لوگ مولانا کہلاتے ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہم تو اس حالت میں بھی تارک موالات رہے اور عدالتوں میں کسی طور پر بھی جانا پسند نہیں کیا ، اور یہ لوگ زبان سے تو کہتے تھے کہ عدالتوں کا بائیکاٹ کرو اور پھر عدالتوں میں جا کر مقدمات کی پیرویاں بھی کرتے تھے ۔ القول الجلیل ح۱ م ص۴۳ و ۴۴ و ۴۵

(۱۰) فرمایا کہ ایک بار تحریک خلافت کے زمانہ میں کوئی شخص مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مردانہ مکان میں بیٹھا ہوا میری برائی کر رہا تھا اور مولانا اندر کے درجہ میں تشریف رکھتے تھے تو مولانا باہر تشریف لے آئے اور بہت ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ہم کو یہ بھی فخر ہے کہ اس تحریک کا مخالف بھی ہم ہی میں سے ہے ، مطلب یہ تھا کہ ایسا قوی القلب شخص کہ جو سارے ہندوستان کی بھی پرواہ نہیں کرتا وہ بھی ہماری جماعت میں سے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اوپر کیا کوئی وحی اُتری ہے ، میری بھی محض رائے ہے ممکن ہے دوسری رائے صحیح ہو ، پھر حضرت

حکیم الامتہ نے فرمایا کہ اگر حضرت مولینا مجھ کو تحریک میں شامل ہونے کے لئے حکم فرماتے تو چونکہ میں اُن کا چھوٹا تھا اس لئے مجبور ہو جاتا، مگر حضرت مولانا کو کبھی اس کا خطرہ بھی نہ ہوا بلکہ خیال آیا تو یہ آیا کہ اپنے ایک خادم خاص پانی پتی سے یہ فرمایا کہ بھائی اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ پھر میں ہی اپنی رائے سے رجوع کر لوں (یہ مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے، احقر جمیل احمد) سبحان اللہ حضرت اکابر کس قدر حدود کی رعایت فرماتے ہیں جلد مذکور ص ۵ م ۵۱

(۱۱) سفر بمبئی میں ایک شخص نے حضرت والا (حکیم الامتہ مدظلہم العالی) سے دریافت کیا کہ کوّے کی کے قسمیں ہیں۔ حضرت والا نے یہ فرمایا کہ کوّے کی قسمیں تو مجھ کو معلوم نہیں اگر آپ فرمائیں تو آدمی کی قسمیں بیان کر دوں اور یہ بھی عرض کر دوں کہ آپ کونسی قسم میں داخل ہیں بس یہ شخص تو ایسے خاموش ہوئے کہ بول کر نہیں دیئے، ان کے بعد ایک شخص اور تشریف لائے کہ اہل بدعت میں سے تھے اور پڑھے لکھے بھی معلوم ہوتے تھے، مسائل مختلف فیہ میں حضرت والا (حکیم الامتہ مدظلہم العالی) سے سوال کئے اور عرض کیا کہ آپ کی ان مسائل میں کیا رائے ہے۔ حضرت والا (حکیم الامتہ دام ظلہم العالی) نے ارشاد فرمایا کہ کہئے تو جواب باقاعدہ دوں اور کہئے تو بے قاعدہ دوں مگر بے قاعدہ جواب میں نفع نہ ہوگا اور باقاعدہ جواب میں نفع ہوگا۔ یہ میں پہلے ہی عرض کئے دیتا ہوں ان صاحب نے عرض کیا کہ جناب باقاعدہ ہی جواب فرمایئے جس سے نفع بھی ہو، فرمایا تو آپ فرمایئے کہ ان مسائل کی تحقیق ضروری ہے یا نہیں، ان صاحب نے عرض کیا کہ میرے نزدیک بہت ہی ضروری ہے، حضرت والا (حکیم الامتہ دام ظلہم) نے اس پر ارشاد فرمایا کہ شرعاً بھی ضروری ہے یا نہیں یہ عجیب بات ہے کہ مسئلہ تو شرعی دریافت کرتے ہیں اور رائے اپنی لگاتے ہیں اے صاحب یہ تو بہت صاف بات میں نے عرض کی ہے اس میں سمجھنے کی کونسی بات

ہے، اب پھر میں عرض کرتا ہوں کہ ان مسائل کی تحقیق شارع کے نزدیک بھی ضروری ہے یا نہیں، ان صاحب نے پھر یہی کہا کہ میرے نزدیک ضروری ہے اس پر فرمایا کہ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" اور فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک بھی یہ تحقیق ضروری ہے تو یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہاں کے علماء سے بھی تحقیق کی ہے یا نہیں، تو ان صاحب نے کہا کہ یہاں تو نہیں کی اس پہ فرمایا کہ جب ایسی ضروری بات ہے تو آپ کو خاموش بیٹھنے سے بے چینی نہیں ہوتی۔ کبھی آپ بھوک پیاس کی حالت میں بھی ایسے خاموش بیٹھے رہتے ہیں اب تو وہ صاحب بہت ہی پریشان ہوئے اور کچھ جواب نہ دے سکے اس پر حضرت والا (حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے فرمایا کہ جائیے اگر اس کی تحقیق آپ کے نزدیک ضروری ہے تو میں آپ کو ایک رائے دیتا ہوں، چند روز کے لئے آپ کسی محقق کے پاس رہیں پھر انشاء اللہ تحقیق ہو جائیگی۔
(مزید المجید ص۳ م ۱۰)

(**۱۲**) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے میرے اوپر نہایت منکر فتویٰ دیا ہے۔ وہ فتویٰ میرے ایک دوست کے ہاتھ آگیا وہ یوں فرماتے تھے کہ اگر آپ فرماویں تو وہ فتویٰ میں آپ کے پاس بھیجدوں۔ میں نے کہا کہ نہیں بھائی مجھے کیوں لوگوں سے بدگمان کرتے ہو۔ اب تو احتمال ہی ہے پھر دیکھ کر خط پہچان کر طبعاً یقین ہو جائے گا اور شرعاً یہ یقین جائز نہیں اور فرمایا کہ میں تو یہ شعر پڑھ دیا کرتا ہوں ؎

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق　　ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے　　پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

اور فرمایا کہ یہ پڑھ دیا کرتا ہوں ؎

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلا　　کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

اور فرمایا کہ میری تو یہ حالت ہے کہ ؎

خود گِلا کرتا ہوں اپنا نہ سُن غیروں کی بات
میں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

جب میں اپنے کچے چٹھے کو خود شائع کر دیتا ہوں تو اوروں کے کہنے سُننے کی کیا ضرورت رہ گئی، مزید المجید ص۱۵ ام ع۴۵

(۱۳) فرمایا کہ ایکبار میرا اتفاق کانپور جانے کا ربیع الثانی میں ہُوا میں نے وعظ میں گیارہویں کا بدعت ہونا بیان کیا بعد وعظ ایک سب انسپکٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایسے مسائل وعظ میں نہیں بیان کرنے چاہئیں، اس سے مسلمانوں میں تفریق ہوتی ہے، میں (حضرت حکیم الامتہ مدظلہم العالیٰ) نے کہا کہ بانی تفریق تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ بدعت ایجاد کی کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس کی اصل کتاب وسنت سے ثابت نہیں، یہ فعل بعد ہی کو ایجاد ہُوا ہے تو جنہوں نے اس کو مشروع کیا اُنہوں نے در اصل تفریق ڈالی وہی لوگ ذمہ دار اس تفریق کے ہیں نہ کہ منع کرنے والے، نہ آپ اس رسم کو نکالتے نہ ہم منع کرتے، اب آپ لوگ اس کو کرنا چھوڑ دیجئے ہم لوگ منع کرنا چھوڑ دیں گے یہ سُن کر وہ چُپ رہ گئے، کچھ جواب نہ بن پڑا، بہت سوچنے کے بعد اُنہوں نے یہ کہا کہ آپ ہی جیسے مولوی یہ بھی کہتے ہیں کہ گیارہویں سے یوں برکت ہوتی ہے، یُوں ثواب ہوتا ہے، اس کا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک نہایت لطیف جواب ڈالا۔ میں نے کہا کہ میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کبھی یہ سوال آپ نے اُن مولویوں سے بھی کیا کہ آپ ہی جیسے مولوی وہ لوگ بھی تو ہیں جو اس فعل سے منع کرتے ہیں پھر تم جائز کہتے ہو کیا سارے جواب ہمارے ہی ذمہ ہیں ان کے ذمہ کوئی بھی جواب نہیں۔ بس اسی سے ثابت ہو گیا کہ آپ نے خود ہی پیشتر سے اس کا کرنا تجویز کر لیا ہے ورنہ اگر تردد ہوتا تو جس طرح ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ مولوی ہی لوگ اس کو برکت اور ثواب کا فعل کہتے ہیں، اسی

طرح ان سے بھی تو کبھی یہ سوال کیا جاتا کہ صاحب وہ بھی تو آخر مولوی ہی ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمیں سے سبب پوچھا جاتا ہے، پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے اس اصول پر کہ تفریق نہ ڈالنی چاہیئے خود بہت آسانی کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں کیونکہ اس فعل کو آپ فرض اور واجب تو سمجھتے ہی نہیں محض برکت اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور منع کرنے والے اس کو بدعت سمجھ کر روکتے ہیں، اس صورت میں آپ تو مستحب کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اور وہ واجب یعنی منع کرنے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہاں جب آپ ترک کر دیں گے۔ پھر منع کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ حسن العزیز جلد اوّل ص۳۵ م ۵۰

(۱۴) فرمایا کہ مئو ضلع اعظم گڈھ میں دوران وعظ میں ایک شخص نے ایک پرچہ لا کر مجھ کو دیا اور دیتے ہی چلا گیا۔ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم) نے بعد وعظ وہیں پر چراغ میں بلا پڑھے اس کو جلا دیا ایک صاحب کہنے لگے کہ بلا پڑھے جلا دینے کو آپ کا جی کیسے مانا ہم کو تو پڑھے بغیر کبھی صبر نہ آتا میں نے کہا کہ جی عقل کی تو یہی بات ہے کیونکہ اگر جواب کی ضرورت ہوتی تو وہ دینے والا بلا جواب لئے کیسے چلا جاتا پھر میرے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نہ معلوم اس میں گالیاں لکھی تھیں یا نہ جانے کیا بلا لکھی تھی۔ جلد مذکور ص۹۳ م ۱۳۰

(۱۵) فرمایا کہ شاہ ولایت کے عرس میں ہر سال صوفیوں کے لئے والد صاحبؒ دیگ بھیجا کرتے تھے۔ بعد انتقال والد صاحب کے بعض صوفیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ شخص (حضرت حکیم الامۃ مولائی مرشدی مدظلہم العالی) بند کر دے گا۔ چنانچہ پیشین گوئی صحیح نکلی (ہنس کر فرمایا) بڑے صاحب کشف تھے والد صاحب کی وفات کے ایک سال بعد جب میں یہاں آیا تو میں نے موقوف کیا کہ یہ کیا واہیات ہے (جس زمانہ میں میں نے موقوف کرنا تجویز کیا ایک شب کو میں نے خواب دیکھا

کہ بہت سی قبریں پختہ بنی ہوئی ہیں جیسے عرسوں کی جگہ ہوتی ہے ۔ پھر یہ شعر سُنائی دیا ۔

در کار خانۂ عشق اگر کفر ناگزیرست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

میں نے سوچا کہ ایسی باتوں کے بھی بہت پیچھے نہ پڑنا چاہیئے ان امور میں بھی تکوینی مصالح ہوتے ہیں ۔ البتہ تبلیغ احکام ضروری ہے ۔ پھر فرمایا کہ اس وقت تو یہی ذہن میں آیا تھا لیکن مصلحت شرعیہ اُسی کی مقتضی ہوئی کہ موقوف کر دیا جاوے تکوینی مصلحت کے احتمال پر تشریع کو نہ چھوڑا جاوے گا جو مصلحت ہونے والی ہوگی آپ ہو رہے گی ۔ جلد مذکور صـ ۳۲۴ م ۵۳۸

(۱۶) فرمایا کہ رائے پور کے سفر میں بہٹ کے قریب سے پیدل گیا گو شاہ زاہد حسین نہایت محبت سے پیش آتے ہیں اور نہایت خوشی سے سواری کا انتظام کر دیتے لیکن مجھے شرم آئی ۔ حافظ فصیح الدین صاحب بہٹ میں اُتر پڑے کیونکہ وہ پیدل نہ چل سکتے تھے ان کے ساتھ میں نے شیخ رشید احمد صاحب کو بھیجا کہ بلا اطلاع کئے دروازہ تک پہنچا کر چلے آؤ کیونکہ وہ بڑے آدمی ہیں تنہا جانے میں ان کی سُبکی بھی ہے اور خوف بھی ہے کہ کہیں کوئی کتا وغیرہ پریشان نہ کرے میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) امرا کی خوشامد تو نہیں کرتا لیکن اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ان کی شان کے خلاف نہ ہو ۔ حافظ صاحب سے میں نے کہہ دیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد میری اطلاع کرنا تاکہ میں دُور پہنچ جاؤں ۔ گاڑی شیخ صاحب کے انتظار میں وہیں کھڑی رہی لیکن میں اُتر کر پیدل چلنے لگا تاکہ بہٹ سے جتنا بڑھ جاؤں اچھا ہے ۔ غرض اس کا بڑا اہتمام کیا کہ شاہ صاحب کو اطلاع نہ ہونے پاوے ۔ گو وہ بہت مخلص اور بڑے رئیس ہیں ۔ ان

کے نزدیک ایک چھکڑہ کر دینا کچھ بھی نہیں تھا لیکن مجھے خود اس کا سبب بننا ہرگز گوارا نہ ہوا۔ شرم آئی کہ اُن سے ملنا تو گویا خود سواری مانگنا ہے۔ ہاں لوٹتے وقت ملنے کا ارادہ تھا پھر اگلے روز وہ خود رائے پور آ گئے اور واپسی میں انہوں نے خود اپنی ٹمٹم میں بٹھلایا اس میں مَیں نے ذرا عذر نہیں کیا۔ کیونکہ خود مانگنا تو تذلل تھا اور کہنے پر نا جانا تکبر ہے۔ یہ دونوں برے۔ بعد میں ایک موقع پر فرمایا کہ الحمدللہ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت ہے۔ یہاں تک کہ اس پر بھی غیرت آئی کہ شاہ صاحب کو میری غیرت کا بھی حال معلوم ہو، اور اس غیرت کو بھی میں نے ان سے چھپایا تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو بلکہ اُن سے اور کچھ عذر کر دیا تھا۔ جلد مذکور ص ۲۴۶ م ۵۸۴

(۱۷) فرمایا کہ بہت بچپن میں مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرا رکوع سُنکر فرمایا کہ میرے بعد یہ لڑکا ہوگا۔ مجھ سے اُنہیں بہت محبت تھی۔ حالانکہ والد صاحب سے احیاناً مقدمے بھی رہا کرتے تھے اور باوجودیکہ دونوں صاحبوں میں کچھ شکر رنجی بھی تھی۔ والد صاحب مولانا کے لئے ایک مرتبہ میرٹھ سے پان لائے اور مجھے کہا کہ تم جا کر دے آؤ۔ میرے دینے سے نہ لیں گے۔ چنانچہ میں لے گیا پہلے بہت دیر تک سوچتے رہے پھر لے لئے کہ میرا دل برا ہوگا۔ اب یہ باتیں کہاں۔ اب اگر کسی سے رنج ہو تو اس کی اولاد سے بھی رنج رکھتے ہیں۔ انہوں نے والد صاحب کے بارہ میں بھی رنج کو جاری نہیں کیا۔ پہلے سے اخلاق اب کہاں ہیں الا ماشاءاللہ۔ جلد مذکور ص ۲۰۴ م ۲۰۷۔

(۱۸) کانپور کا ذکر ہے ایک صاحب میرے پاس آئے۔ میرا معمول تھا کہ جیسا وقت ہوتا تھا اس کے مناسب وعظ میں احکام بیان کرتا تھا۔ چنانچہ محرم میں بدعات وغیرہ کا بیان کیا ان میں یہ بھی تھا غالباً شہادت نامہ محرم میں پڑھنا بدعت ہے وہاں تھوڑا زمانہ ہوا ایک بزرگ تھے ان کا معمول تھا کہ وہ محرم میں شہادت نامہ پڑھا کرتے تھے

وعظ کے بعد ایک گاؤں کے رئیس آئے اور بطور مشورہ مجھ سے کہا کہ عوام میں زیادہ تذکرہ تھا خصوص شہادت نامہ کا یہ عوام ایسے ہوتے ہیں کہ اگر پیشتر ان کی تالیف قلب کی جاوے پھر منکرات پر انکار کیا جاوے تو اُن کو وحشت نہیں ہوتی ورنہ اس طرح یہ لوگ متوحش ہو جاتے ہیں۔ مجھے ان کا یہ مشورہ دینا بُرا معلوم ہوا۔ میں نے انہیں اِس قسم کا جواب دیا کہ افسوس غیر اہل علم اہل علم کو امورِ علمیہ میں مشورہ دیں۔ پھر میں نے کہا کہ آپ یوں سمجھتے ہوں گے کہ ہم لوگوں کا عوام پر دارومدار ہے۔ میں نے ذرا تند لہجہ میں کہا وہ بھی منقبض ہو گئے اور ناخوش ہو کر چلے۔ معذرت نہیں کی تھوڑی دُور چلے تھے کہ پھر لوٹ کر آئے اور کہا کہ آپ نے کیا کر دیا مجھ کو۔ میرا قدم نہیں اُٹھتا تھا۔ واقعی آپ کی بات مجھ کو گراں گزری تھی۔ مگر میں اُٹھ کر جو چلا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے سینکڑوں من کا لوہا پیروں میں باندھ دیا ہے۔ قدم نہیں اُٹھتا تھا۔ بیشک معلوم ہوا ہے کچھ بات۔ اللہ کے واسطے۔ رسول کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے۔ میں نے کہا خانصاحب آپ کس خیال میں ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ میں نے بہت تسلّی دی کہ کوئی بات نہیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ بس آپ کچھ ہی کہیں میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اب کیا گنجائشِ انکار باقی ہے۔ آج معلوم ہُوا کہ ہیبت کیا چیز ہوتی ہے۔ رُعب کیا چیز ہوتا ہے۔ خوف کیا چیز ہوتا ہے۔ (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم) نے ہر چند کہا کہ یہ آپ کا گمان ہے لیکن اُنہوں نے کہا کہ آخر گمان اوروں کے ساتھ بھی تو ہے وہاں ایسا کیوں نہ ہوا۔ جلد مذکور ص۴۰۵ م ۶۱۳

(۱۹) حضرت (حکیم الامۃ سیدی مرشدی مدظلہم العالی) کے خلیفہ ارشد جناب مولوی حکیم محمد مصطفٰے صاحب عم فیوضہم فرماتے تھے کہ جب قادیانیوں سے بمقام رامپور مناظرہ ہوا تھا تو ہمارے حضرت بھی تشریف لے گئے تھے۔ ایک دن علماء اہل سُنّت والجماعت کو نواب صاحب نے بلوایا۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ سب علماء کی طرف سے نواب صاحب سے گفتگو فرماتے تھے۔ اتفاق سے ہمارے حضرت

(حکیم الامۃ مدظلہم العالی) کی نشست نواب صاحب کے پاس واقع ہوئی بعد رخصت کے نواب صاحب اپنے ایک مصاحب سے جو حضرت (حکیم الامۃ مدظلہم العالی) کے ملنے والے تھے فرمانے لگے کہ یہ کون شخص تھا جو میرے پاس بیٹھا تھا اس شخص کی جانب خواہ مخواہ قلب کھنچتا تھا یہ کوئی صاحب اثر شخص معلوم ہوتا ہے۔ جلد مذکور ۴۴۸ م ۶۴۳

(۲۰) فرمایا کہ میں نے بھوپال میں وہاں کے اسکول کے لڑکوں کی درخواست پر وعظ کہا تھا وہاں کا ہیڈ ماسٹر جو مرہٹہ تھا وہ بھی شریک تھا۔ تقریر سُنکر وہ بہت متحیر ہوا اور اپنے مجمع میں کہا کہ ہر شبہ کا جواب اور ہر دعوے کی دلیل بیان کرتے تھے اور نہایت مسلسل اور مدلل تقریر تھی، کوئی مضمون بے ربط نہ ہونے پاتا تھا حالانکہ کوئی کاغذ یادداشت کا بھی پاس نہ تھا کہتا کہ ہمنے بہت سے لیکچر سُنے ہیں لیکن ایسی تقریر کبھی سُننے میں نہیں آئی ایسا شخص تو ولایت میں بھی نہ ہوگا۔ اس کو بلا یادداشت کے ایسی مسلسل اور مدلل تقریر کرنے پر بہت تعجب تھا کیونکہ اکثر لیکچر دینے والے یادداشت لکھکر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور اس میں ایک ایک مضمون کو دیکھتے جاتے ہیں اس کے متعلق تقریر کرتے جاتے ہیں اس بیچارہ کو یہ خبر نہ تھی کہ بفضلہ تعالے مسلمانوں کے علماء کے لئے یہ ایک معمولی بات ہے چنانچہ میں نے سُن کر یہی کہا کہ اس بیچارہ نے علماء کو دیکھا ہی نہیں ایک آدنے طالب علم کو دیکھا ہے۔ جلد مذکور ۴۵۹ م ۶۵۱

(۲۱) فرمایا کہ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) ایک مرتبہ میرٹھ گیا جن کے یہاں میں اُسوقت بیٹھا تھا وہیں ایک صاحب حضرت حاجی صاحبؒ سے اجازت یافتہ اور صاحب سلسلہ شخص ہیں مرید بھی کرتے ہیں مقیم تھے اُنہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی عطیہ کی چادر نکال کر سب کو دکھلائی اور لوگوں نے اُس کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا شروع کیا۔ میں بہت پریشان ہُوا کہ اگر میں بھی یہی عمل کرتا ہوں تو لوگوں کے واسطے سند ہوتی ہے اور منع کرنے کو دل گوارا نہیں کرتا کہ اپنے شیخ کا ملبوس بے کس

دل سے کچھ کہوں آخر کار وہ صاحب میرے پاس بھی لائے اور کہا کہ بزرگوں کا تبرک ان کا تذکرہ ہوتا ہے وغیرہ۔ میں نے کہا کہ جی ہاں اور اس کو دیکھ کر ویسے ہی چھوڑ دیا مندرجہ بالا قسم کی کوئی تعظیم ظاہری نہ کی۔ میرے اس عمل سے کچھ مجلس پھیکی پڑ گئی۔ اور وہ بات جو مقصود ان کا تھا حاصل نہ ہوئی۔ حسن العزیز جلد دوم ص۱۸ م۴۸۔

(۲۲) فرمایا مجھے اپنا قصہ بچپن کا خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نکلا ہوا جا رہا تھا۔ دو شخص آپس میں میری بابت کہنے لگے کہ اس نے تو بالکل خاندان کی عزت ڈبو ہی دی۔ نائی کو السلام علیکم۔ قصائی ملے اس کو بھی السلام علیکم۔ سقہ کو بھی السلام علیکم۔ غرضیکہ ہر شخص کو السلام علیکم ہی کہتا ہے خواہ کوئی ہو اس نے تو بالکل عزت خاک میں ملا دی۔ پھر فرمایا کہ لوگ تو بس اس کو عزت سمجھتے ہیں کہ فرعون سے بڑھ کر آپ کو سمجھے۔ جلد مذکور ص۳۰ م۵۳۔

(۲۳) فرمایا کہ جب میں کانپور میں تھا تو وہاں جامع مسجد میں روزانہ مسافر آتے رہتے تھے۔ لوگ کہاں تک کھانوں کا انتظام کرتے۔ بعض مرتبہ دقت ہوتی تھی میرے پاس تعویذ لکھانے والے اکثر آتے رہتے تھے میں نے خیال کیا کہ اس سلسلہ میں کھانے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے جو تعویذ لینے آیا اس سے کہا کہ بھائی اس تعویذ کی بھینٹ ہے ایک آدمی کا کھانا یہاں پہنچا دینا۔ بس پھر کیا تھا سب نے آنا چھوڑ دیا۔ جلد مذکور ص۲۵ م۶۶

(۲۴) فرمایا کہ ایک غیر مقلد نے میرے ایک مضمون میں میرے نام کے ساتھ لفظ حنفی لکھا ہوا دیکھ کر مجھ سے سوال کیا کہ اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھنے کی کیا ضرورت ہے میں (حضرت حکیم الامتہ مدظلہم العالی) نے جواب دیا کہ ہندوستان میں اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھنے کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ لوگ غیر مقلد نہ سمجھیں نہ جواب سنکر وہ خاموش ہو گئے۔ جلد مذکور ص۶۷ م۲۰۲۔

(۲۵) سہارنپور کے جلسہ میں حضرت والا (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) وعظ فرما رہے تھے۔ حضرت والا (حکیم الامۃ مدظلہم العالی) کا بباعث مشغولی کے ایک ہی سمت کو ابتدائے وعظ سے اُسوقت تک رُخ رہا تھا ایک شخص نے نہایت بے تہذیبی کے ساتھ حضرت والا کو رُخ پھیرنے کے لئے مخاطب کیا وہ الفاظ یہ تھے کہ اتنی دیر ہوگئی اس طرف کو مُنہ ہی نہیں کرتے یہاں تو لوگ تڑپ رہے ہیں۔ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ جناب آپ کو مجھ پر ایسی حکومت کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ کوئی مَیں آپ کا ملازم تو ہوں نہیں۔ آپ کو اس طرز پر کلام کرنے کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آپ تو اچکن پہنے ہوئے ہیں اور مَیں کرتا پہن رہا ہوں اگر میں بھی عبا قبا پہنے ہوئے ہوتا تو آپ کی ہمت اس طرح مجھ سے کلام کرنے کی نہ ہوتی اگر آپ کرتہ والوں کو حقیر سمجھتے ہیں تو ہم اچکن والوں کو مسخرا خیال کرتے ہیں جب سے اپنے اللہ کی غلامی اختیار کی ہے تب سے اور کسی کی غلامی نہیں ہو سکتی اگر آپ کو اسی طرح سُننا ہے تو سنیئے ورنہ چلے جایئے یہ سُنکر وہ فوراً جلسہ سے اُٹھ کر چلے گئے پھر حضرت والا (حکیم الامۃ سیدی ومرشدی مدظلہم العالی) نے فرمایا کہ لیجئے یہ آپ کا شوق اور یہ آپ کی محبت تھی جو ذرا دیر میں ختم ہوگئی پھر اُن صاحب کے چلے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ قوم کے لوہار تھے ذرا مالدار ہوگئے ہیں اس کے متعلق فرمایا کہ بعض نو دولتوں کی حالت ترفع میں خراب ہو جاتی ہے جب ہی ٹھیک رہتے ہیں جبکہ نیچے رہیں ان کے چلے جانے کے بعد ہی لوگوں نے ان کو بُرا بھلا کہا کہ یہ سخت بیجا حرکت انہوں نے کی۔ حسن العزیز جلد دوم ص۱۳۲ م ۲۹۲۔

(۲۶) فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا دیا تھا جس سے فتوحات مکیہ کے دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی ہیں (حضرت حکیم الامۃ سیدی ومرشدی مدظلہم العالی) حضرت حاجی صاحبؒ کو شیخ اکبرؒ سے کم نہیں سمجھتے رہے

بڑے علوم اور معارف حضرت کی زبان مبارک سے نکلتے تھے اور پھر شریعت مطہرہ کے مطابق ۔ جلد مذکور ص۱۵۱ م ۴۹

(۲۷) فرمایا کہ ہمارے (یعنی حضرت حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مدظلہم العالی کے) دیوان خانہ میں ایک بزرگ دھومی شاہ رہتے تھے والد صاحب نے ان کو مکان کی آبادی کی وجہ سے رکھ لیا تھا ان کی بہت خاطر کرتے تھے وہ بھی ہم لوگوں سے بہت محبّت کرتے تھے اُن کے عقائد تو اچھے تھے مگر ذرا کھیل تماشوں میں اُن کے مزاج میں وسعت تھی بہت واہیات قصے ہوتے تھے مرغ بازی ، بیٹر بازی شطرنج وغیرہ کا کھیل ہوتا تھا میری (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم) بابت اس جلسہ کے لوگوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ اس مکان کو ویران کرے گا ۔ جب ہم حج سے واپس آئے تو ان بزرگ کا انتقال ہُوا اور زمزم کے بھیگے ہوئے کپڑے کا کفن دیا گیا اور وہ پیشین گوئی بھی صحیح ہوئی کہ پھر اس مکان میں ان خرافات کا نام بھی نہ رہا جن سے وہ اُس وقت آباد تھا ۔ جلد مذکور ص۵۵ م ۵۰۱

(۲۸) فرمایا کہ ڈھاکہ کے نواب کے تین یا چار بیبیاں تھیں جب میں وہاں گیا تو بیگمات اپنے ہاتھ سے کھانے طرح طرح کے پکا کر بھیجتی تھیں ۔ وہ کھانے بہت تکلف کے ہوتے تھے مگر آب و نمک درست نہ ہوتا تھا اس وجہ سے میرا جی بھلا نہ ہوتا تھا ان کھانوں میں گھی بہت کثرت سے پڑا ہُوا ہوتا تھا ۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ اس قدر گھی کھانے کے عادی نہیں ہیں علاوہ اس کے قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ گھی زیادہ مرغوب ہونے کے قابل نہیں ہے کیونکہ جنت میں چار نہریں بتلائی گئی ہیں مگر یہ نہیں بتلایا گیا کہ ایک گھی کی بھی نہر ہوگی ۔ جلد مذکور ص۱۶۴ م ۵۲۴

(۲۹) فرمایا کہ کانپور میں ایک صاحب نے جو نہر کے ڈپٹی مجسٹریٹ تھے ۔ مجھ

سے مولد پڑھنے کی درخواست کی اور یہ کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ بیان کریں اور جو امور منکرہ ہیں اُن کو نہ کریں میں (حضرت حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مدظلہم العالی) نے کہا کہ اکثر دو امر منکر ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ روایات بیان کرنے میں گڑبڑ کرتے ہیں اور قیام کا التزام کرتے ہیں۔ سو یہ تو میرے قبضہ میں ہے اور ایک امر آپ کے اختیار میں ہے یعنی مٹھائی بانٹنا۔ سو آپ مٹھائی تقسیم نہ کرنا اس پر وہ راضی ہو گئے لیکن مٹھائی آ چکی تھی میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم) نے کہا کہ مٹھائی کو قفل لگا کر کنجی مجھے دے دی جاوے چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم) نے بیان کر دیا۔ صبح کو لوگوں نے کہا مٹھائی تقسیم کر دیجئے اب رسم کا کوئی وقت نکل گیا ان صاحب نے کہا کہ میں نے اُن کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہے اگر وہ اجازت دیدیں گے تب تو تقسیم ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ چنانچہ مجھ سے دریافت کیا گیا میں نے کہا کہ اس کا زیادہ حصہ تو مساکین کو دے دیجئے اور اس کا ثواب روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیجئے اور باقی احباب کو تقسیم کر دیں اُنہوں نے سب مساکین کو تقسیم کر دی اور کسی کو نہیں دی اور میں اس سے زیادہ خوش ہوا کہ انہوں نے میرا حصہ بھی نہیں دیا۔ جلد مذکور ص ۳۶ م ۵۳۶

(۳۰) فرمایا کہ قنوج میں ایک نئے مکان میں مولود پڑھنے کی درخواست کی گئی مجھ (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) سے۔ میں نے کہا میرے مولود پڑھنے سے خوش نہ ہو گے۔ صاحبِ مکان نے کہا میں ہر طرح خوش ہوں گا۔ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے وعدہ کر لیا وہاں ایک کٹر غیر مقلد بیٹھے ہوئے تھے اُن سے بھی لوگوں نے کہا کہ تم بھی آنا اُنہوں نے کہا لاحول ولا قوۃ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے کہا ان الفاظ میں ایسی کیا بات ہے جو آپ نے لاحول پڑھی صرف مولود کا نام سُن کر یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم مجلس میں آنا اور جب کوئی بدعت شروع ہو اُٹھ

کر چلے جانا وہ اس پر راضی ہو گئے پھر میں نے بیان کیا وہ غیر مقلد بیٹھے تھے میں نے سورۃ ابراہیم کی آیتیں بیان کیں وہ غیر مقلد بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسے مولد سے کسے انکار ہے پھر کھانا کھلایا گیا۔ سب حاضرین کو میں نے کہا یوں بھی تو مولود ہو سکتا ہے۔ جلد مذکور ص ۱۶۸ م ۵۳۹/

(۳۱) فرمایا کہ جب میں (حضرت اقدس حکیم الامۃ سیدی و مرشدی شاہ مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی) اول اول کانپور آیا تھا تو میری عمر بیس برس کی تھی لوگوں نے مولد متعارف کو پوچھا میں نے کہہ دیا کہ بدعت ہے وہاں لوگ مولد کو بدعت بتانے والے کو ایذا پہنچاتے ہیں مگر مجھ سے کسی کو وحشت نہیں ہوئی لوگوں نے کہا کہ کسی طرح بھی جائز ہے میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم) نے کہا کہ ہاں میں بتاؤں گا کہ ہاں اس طرح جائز ہے چنانچہ ایک مجلس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے۔ وہاں کے بعض مشاہیر علماء بھی شریک تھے عوام میں کانا پھوسی ہوئی کہ قیام تو ہوا ہی نہیں یہ کیسا مولد ہے افسوس ہے کہ ان علماء نے میری تائید نہ کی ایک پنجابی نے غزل پڑھی جس میں ایک یہ شعر تھا ؎

تعظیم کھڑے ہو کے بجا لاؤ ادب سے
اس کام کا انکار بڑی بے ادبی ہے

سب لوگ کھڑے ہو گئے مگر میں بیٹھا رہا۔ اب مجھ کو اگر ایسا اتفاق ہو تو بوجہ خوف فتنہ کے قیام کر لوں مگر اس وقت میں جوانی کا جوش تھا برابر بیٹھا رہا۔ ایک طالب علم نے مجھ کو موافقت کرنے کی آہستہ سے رائے دی۔ میں نے زور سے کہدیا۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق صبح کو چرچا ہوا کہ ایک مولوی صاحب دیوبند سے آئے ہیں خوش بیان تو بہت ہیں مگر وہابی ہیں۔ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) ایک مرتبہ ان ہی مولوی صاحب کے یہاں مولد میں چلا گیا اور یہ سمجھا

کہ وہاں قیام نہ ہوگا۔ مگر وہاں بھی قیام ہوا اور میں وہاں بھی برابر بیٹھا رہا مگر مجھے کسی نے گزند نہ پہنچائی۔ آخر جب نرمی آئی تو میں قیام کرنے لگا لیکن کبھی کرتا تھا اور کبھی نہیں مجھ کو اس سے توقع اصلاح عوام کی تھی مگر معلوم ہوا کہ لوگ یہ طمع کرنے لگے کہ یہی بالکل ہماری موافق ہو جاوے۔ آخر میں نے پھر بالکل ترک کر دیا اور دوبارہ پھر مجھ سے مخالفت ہوئی۔ جلد مذکور ص۱۶۹ م ۵۴۰

(۳۲) فرمایا کہ جب میں (حضرت اقدس حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی) کانپور سے تھانہ بھون آیا تو جامع مسجد میں وعظ کہا کرتا تھا جس میں اکثر رسوم کا رد ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے میں نے ایک وعظ میں کہہ دیا کہ میری تو صرف مصلحت یہ ہے کہ ثواب ملتا ہے لیکن اگر مجھے ثواب ہی مقصود ہوگا اور اس طرح سے مل سکتا ہے مثلاً نوافل و ذکر شغل سے باقی زیادہ مصلحت تمہاری ہی اصلاح کی ہے سو جب تم ہی اپنا نفع نہیں چاہتے تو مجھ کو کیا ضرورت پڑی۔ اب تم لوگ خوش ہو جاؤ کہ آج سے وعظ بالکل بند میری بلا سے چاہے کہیں جاؤ۔ یہ سن کر پھر تو سب لوگ عاجزی کرنے لگے کہ خطا کسی کی اور سزا بھگتیں سب۔ میں نے کہا جسے وعظ کہلوانے کا شوق ہو اپنے گھر لے چلو وہاں کہوں گا۔ یہاں جامع مسجد میں نہ کہوں گا۔ اس پر لوگ خوش ہو گئے پھر تو خوب دل کھول کر وعظ کہا۔ بس لوگ ایسی باتوں پر شاکی ہوتے ہیں مگر میں خوش ہوں۔ حدیث شریف میں ہے رحم اللہ عمر ما ترک الحق لہ من صدیق یعنی حق گوئی نے عمر کا کوئی دوست نہ چھوڑا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق گوئی کا یہ اثر ہے سنتا ہے ہم بھی فاروقی ہیں پھر جب فاروق نے یہ اختیار کیا تو فاروقی کیوں اختیار نہ کریں جی چاہتا ہے کہ حق پھیل جاوے حق غالب ہو خواہ کسی کے پاس ہو اپنے گھر کا کام تو ہے نہیں کہ ہم سے نہ ہو سکے تو دوسرا نہ کرے۔ ایک عورت روٹی ٹیڑھی بھیڑی

پکا رہی ہے اگر کوئی کہے کہ تو خراب پکاتی ہے تو وہ پکا دے اچھا ہُوا کہ وہ چولھے کی آگ سے بچی۔ جلد مذکورہ ص۱۹۷ م۶۲۷

(۳۳) فرمایا کہ میں (حضرت حکیم الامۃ سیدی مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی) ایک مرتبہ گلاؤٹھی جاتے ہوئے ہاپوڑ اترا وہاں کے سب انسپکٹر صاحب کو ایک سپاہی نے اطلاع کر دی اُنہوں نے اپنے مکان پر ٹھہرایا اور شبیر علی (زاد مجدہم۔ بھتیجے حضرت والا حکیم الامۃ مدظلہم العالی کے) کو پانچ روپیہ دینے لگے انہوں نے کہا کہ میں بے اجازت نہیں لے سکتا اس پر اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ اجازت دے دیجئے میں نے کہا کہ آپ ان کے باپ کو دیتے ہیں یا مجھے یا ان کو۔ اگر آپ ان کو دیتے ہیں تو ان کے کام ابھی لئے نہیں آسکتا کہ ان کا نان و نفقہ ان کے والد کے ذمہ ہے بس اب یہ دینا ان کے والد کو ہُوا اُن کا نفع پانچ روپیہ کا ہو جاوے گا کہ پانچ روپیہ خرچ کے بچ جاویں گے غرض ان کے کام تو نہ آیا اور اگر ان کے والد کو دینا ہے تو ان کو خبر بھی نہیں تو جو مقصود ہے ہدیہ کا یعنی باہمی تعلقات کا بڑھنا وہ حاصل نہ ہُوا۔ اور اگر مجھ کو دینا ہے تو میرے ہوتے ہوئے ان کے ہاتھ میں دینا کیا معنے اب آپ یہ کہئے کہ آپ کا مقصود کس کو دینا ہے تب اُنہوں نے بے تکلف کہدیا کہ مجھے تو آپ کو دینا مقصود ہے میں نے کہا میرے ہاتھ میں دو۔ چنانچہ اُنہوں نے مجھے دیئے میں نے لے لئے بس بے تکلف بات یہ تھی پہلے زمانہ میں عوام دنیا دار بھی بہت بے تکلف ہوتے تھے۔ والد صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں چاپے بھیجی اور خط میں لکھا کہ کبھی کبھی اس میں اشرف علی کو بھی شریک کر لیا کیجئے۔ پھر آخر میں لکھا کہ اس کو شریک کرنا مناسب نہیں کیونکہ وہ طالب علمی کرنے گیا ہے تنعم میں پڑنا اس کے لئے مناسب نہیں مولانا نے مجھے بلایا کہ بھائی تمہارے والد صاحب نے دو حکم لکھے ہیں اب کونسے پر عمل کروں میں نے

عرض کیا کہ حضرت آخر حکم اوّل کے حکم کو منسوخ کر دیتا ہے لہٰذا پہلے پر عمل نہ کیجیے دوسرے پر عمل کیجیے۔ پھر فرمایا کہ آجکل بعض لوگ ہدیہ پیش کرتے وقت عجیب عجیب باتیں سوچتے ہیں کہ اتنا طعام میں صرف ہوا ہوگا اور اتنا حجرہ کا کرایہ ہوا اتنی خادم کی تنخواہ۔ جلد مذکور ص۲۰۳ م ۶۴۲

(**۳۴**) قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے چھاپے کا نمونہ حضرت والا (حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی) کی خدمت میں آیا تھا کہ اس طرح چھاپنا جائز ہے یا نہیں اس بارہ میں حضرت مدظلہم العالی مشورہ فرما رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب اپنی رائے پر بلا دلیل زور دے رہے تھے کہ اس پر ہنس کر فرمایا کہ اس تمہاری زبردستی پر قصہ یاد آیا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے ایک طالب علم اس بارہ میں جھگڑ رہے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں اور اونٹ اس طرح تقسیم فرمائے کہ ایک شخص کو ایک اونٹ دیا اور دوسرے کو دس بکریاں دیں۔ ان طالب علم نے کہا کہ یہ عدل کہاں ہوا، ایک اونٹ کے مقابل ایک بکری ہونی چاہیئے۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا اونٹ اور بکری برابر ہوتی ہے انہوں نے کہا جی ہاں اور یہی ہانکتے رہے۔ جلد مذکور ص۲۰۶ م ۶۴۸

(**۳۵**) فرمایا کہ مولوی عبدالکریم دیوبندی عرف ردّو میرے بچپن کے دوست ہیں انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ ہم نے سنا ہے تمہارے یہاں جو بارہ بجے کے بعد آتا ہے اسے تم روٹی نہیں دیتے۔ ایسا نہ کرو لوگ آنا چھوڑ دیں گے میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے کہا کہ اشتہار دے دو کہ اس کے یہاں کوئی مت جانا میرے یہاں آنے پائی کا کام نہیں زیادہ سے زیادہ لوگ زبان سے تکلیف دیں گے اللہ میاں تو ایسے کاموں سے ناراض نہیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ جہاں لنگر جاری ہے وہاں دینے کے ساتھ لینا بھی تو ہے ہم کسی کو کھانا کھلا دیں دو آنہ کا

اور لیویں دو روپیہ تو ایسی حالت میں جبکہ ہم کھانا نہیں کھلاتے اس شخص کا عہار کا فائدہ کیا لوگوں نے ایک بات دیکھ لی ہے کہ کھانا نہیں دیتے یہ نہیں دیکھتے کہ آنے والوں پر بار بھی تو نہیں ڈالتا۔ حسن العزیز جلد دوم ص ۲۱۴ م ۲۸۷

(۳۶) فرمایا کہ میں بچپن سے جانتا تھا کہ زمینداری کے ساتھ دینداری جمع نہیں ہو سکتی ہیں (حضرت حکیم الامتہ مدظلہم العالی) نے بچپن میں ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا کہ اگر کبھی زمین کا مالک ہوں گا تو اپنی ملک میں نہ رکھوں گا اس زمانہ میں میرے ایک ہم مکتب دوست نے وہ تحریر دکھلائی ان کے پاس محفوظ تھی میں نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس پر عمل ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر میں خود زمین رکھتا تو اگر کسی گنجائش کی صورت میں جواز کا فتویٰ دیتا تو لوگ کہتے مطلب کے فتوے ہیں جب چاہا جائز کہہ دیا۔ حسن العزیز جلد دوم ص ۲۳۹ م ۴

(۳۷) حسن پور ضلع مراد آباد کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ وہاں کے ایک رئیس کے ایک صاحبزادہ مجھ سے قیام گاہ پر آکر ملے اور کہا آپ علی گڑھ اصلاح کے لئے کیوں تشریف نہیں لے جاتے ہیں (حضرت حکیم الامتہ مدظلہم العالی) نے کہا یہ سوال مجھ سے ہی آپ نے کیا کبھی علی گڑھ والوں سے بھی پوچھا کہ مجھے کیوں نہیں بلاتے اس پر خاموش ہوئے اور کہنے لگے میں نے سُنا تھا کہ آپ کو ان سے نفرت ہے۔ میں نے کہا واللہ باللہ مجھے نفرت نہیں میں دل سے چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو جیسے کہ اپنی اولاد و اعزّا کے ساتھ دلسوزی ہے کہا اچھا میں اپنے امراض کا علاج چاہتا ہوں۔ تشخیص کیجئے اور علاج فرمائیے۔ میں نے کہا اس طرح میں علاج نہیں کرتا نہ یہ طریقہ ہے علاج کا اوّل تو مجھے علم کیا ہے کہ آپ میں کیا کیا امراض ہیں۔ صرف صورت دیکھ کر جو کچھ تجویز کی جاوے وہی بڑی بھل ہو سکتی ہے۔ اوّل تو تجویز ناتمام رہے گی پھر مجمع عام میں وہ عیوب ظاہر کئے جاویں گے اس سے

آپ کی دل آزاری ہوگی اور ایسے علاج کا اثر معلوم ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو آپ چند روز میرے پاس آکر رہیئے مجھے آپ سے اُنس ہو اور آپ کو مجھ سے پھر اپنے حالات ظاہر کیجیے تو جو کچھ سمجھ میں آوے عرض کروں اس کو عمل میں لاکر دیکھئے نفع ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ راستہ چلتے طبیب سے نسخہ لکھوایا اور تمام امراض کو شفا ہوگئی۔ اب تک گفتگو اجنبیانہ تھی کیونکہ معلوم نہ تھا کہ وہ فلاں صاحب کے صاحبزادے ہیں اس کے بعد معلوم ہُوا۔ پھر وہ میرے ساتھ رہے پہلے ہی وعظ میں ایسا اثر ہُوا کہ باوجود موسم گرما ہونے کے برابر دھوپ میں بیٹھے سنتے رہے اسی سے میں کہتا ہوں کہ دین صحبت سے آتا ہے۔ اعتراض دُور ہی دُور سے ہُوا کرتے ہیں۔ میں بارہا چاہتا ہوں کہ علی گڑھ والوں کی اصلاح ہو مگر کیسے ہو بلا اس کے کہ صحبت ہو اور واقعی میرا جی ان کے خطاب میں بہت لگتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں یہ خاص بات ہے کہ غور سے سنتے ہیں اور اگر سمجھ میں آجاوے تو مان بھی لیتے ہیں خواہ مخواہ عناد نہیں کرتے برخلاف بعض نواح کے انگریزی خوانوں کے کہ ان کے جتنے سوالات آتے ہیں اور جہاں جہاں جانے کا اتفاق ہُوا ہمیشہ انقباض ہی ہُوا اور خطاب میں جی بھی نہیں لگا بجز عناد، ہٹ، ناحق پرستی جہالت دیکھی گئی۔ الغرض صحبت ہی ایک چیز ہے۔ ملخصاً اربعین مصطفائی جز حسن العزیز جلد دوم ص۱۰

(۳۸) راقم (حکیم مولانا محمد مصطفےٰ صاحب مدظلہم) نے پوچھا کہ جامع مسجد تھانہ بھون کی امامت جناب والا کے سپرد کیونکر ہوئی حالانکہ جناب والا کی عادت قدیمی کے خلاف ہے امام قدیم کہاں گئے۔ فرمایا (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی نے) میں تو ان قصوں سے ہمیشہ الگ رہتا ہوں مگر واقعہ یہ ہُوا کہ حافظ عصمت اللہ صاحب ساکن محلہ ریتی تھانہ بھون نے خواب دیکھا کہ جناب مولانا فتح محمد صاحب مرحوم مجھے

(یعنی حضرت والا حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مدظلہم العالی) سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کیوں جی یہ کیا عادت ہے کہ کسی کو امامت کے لئے کھڑا کر دیتے ہو تم جمعہ کی نماز کیوں نہیں پڑھایا کرتے۔ یہ خواب مجھ سے بیان کیا تو میں نے کہا کسی سے بیان نہ کرو، لوگ کہیں گے ان کو امامت کا شوق ہوا اس کے یہ پروانے اٹھائے جاتے ہیں اس خواب کا تو کچھ زیادہ خیال نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد شبیر علی نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کیا بات ہے کہ جس بات کو کہا جاتا ہے اس کی رسید نہیں آتی۔ یہ خواب سنتے ہی بے ساختہ میرے ذہن آیا کہ پہلے خواب کی طرف اشارہ ہے۔ غرض اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہے کہ اس سے پہلے خواب میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے وہ حکم فرمایا تھا بوجہ تعلقاتِ خاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولانا فتح محمد صاحب کی صورت مثالی میں نظر آئے اور معنے اس صورت کے یہ تھے کہ فتح وفیض محمدی امرِ امامت فرمانے کے بعد عرض اعمال میں چونکہ امامت میری پیش نہیں ہوئی یہ معنے ہیں رسید نہ آنے کے یعنی ایک بات کا امر کیا گیا مگر تعمیل کی اطلاع نہیں آئی۔ میں حیران ہوا کہ امامت کیسے اختیار کروں خود کیسے درخواست کروں بالآخر یہ کہکر چھوڑ دیا کہ اگر منجانب اللہ یہ امر ہے تو اس کی صورت غیب سے پیدا ہوگی چنانچہ بہت ہی تھوڑے زمانہ میں یہ بات پیش آئی کہ ایک اور حافظ صاحب اور امام سابق میں امامت پہ تکرار ہوا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ جو پہلے پہنچ گیا زبردستی امام بن گیا یہ تکرار بہت بڑھنے لگا حتیٰ کہ چند دانشمندوں نے یہ کہا اور خود دونوں امام بھی راضی ہو گئے کہ لڑنا تو ان باتوں پہ ٹھیک نہیں نہ میں امامت کروں نہ تم اور مجھ سے امامت کی درخواست کی میں نے چند شرائط پر قبول کر لیا اور جامع مسجد میں اعلان بھی کر دیا گیا کہ میں لوگوں کے اصرار پہ امامت قبول کرتا ہوں چند شرائط سے ایک یہ کہ وقت

کی تعلیین میرے رائے پر ہوگی۔ میں اس میں نہ کسی کا تابع ہوں گا نہ کسی کا انتظار کرونگا دوسرے یہ کہ امامت کو میں کوئی فخر نہیں سمجھتا ہوں جس میں کسی سے جھگڑا کروں، یا اس میں میراث قائم کروں کہ میرے بعد کوئی میرا بیٹا یا کوئی خلیفہ امام ہو۔ میں آپ کے کہنے سے امام بن گیا ہوں اور جب آپ چھڑانا چاہیں گے میں امامت چھوڑ دوں گا۔ اس وقت بھی اگر کسی کو اس سے مخالفت ہو تو مجھے اس کی ہیچ نہیں بے تامل ظاہر فرماویں یا لکھ کر میرے پاس بھیجدیں اور آئندہ کے لئے بھی عرض کرتا ہوں کہ جب آپ چاہیں مجھے الگ کردیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ ایک دو کے کہنے سے الگ نہ ہوں گا۔ کیونکہ یہ تو لہو و لعب ہو جاوے گا جب الگ کرنا ہو دس آدمی مجھ سے کہدیں فوراً الگ ہو جاوں گا اس بات کی بھی قید نہیں کہ وہ کہنے والے سر برآوردہ لوگ ہوں ایک جولاہہ کو بھی یہ خیال پیدا ہو تو نو آدمیوں کو اور اپنا ہم خیال کرے اور مجھ کو زبانی یا تحریری اطلاع دے بس کافی ہے تیسرے یہ کہ اگر میں موجود نہ ہوں تو آپ کسی دوسرے کو امام بنا لیجئے اور اس کا انتظام کرنا میرے ذمہ نہ ہوگا کہ میں کسی کو قائمقام کردیا کروں بلکہ آپ ہی کے سپرد ہے جو اس وقت اس کے قابل موجود ہو کھڑا کر دیجئے ہاں آسانی کے لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند صاحبوں کی تعیین ہو جاوے کہ میری عدم موجودگی میں وہ امام ہو جایا کریں سب سے اوّل امام قدیم اور ان کے بعد دوسرے امام اور ان کے بعد فلان و فلاں۔ فرماتے ہیں حضرت والا کہ جسدن اوّل روز میں امامت جمعہ کے لئے گیا تو محسوس ہوتا تھا کہ مسجد انوار سے بھری ہوئی ہے اور قلب میں نہایت بشاشت اور طمانیت ہے ممکن ہے کہ یہ خیالی اثر ہو یا اس کی کچھ اصلیت بھی ہو۔ جلد مذکور ص۱۲

(۳۹) قصبہ بہادرپور۔ حضرت والا حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی، نے خود بیان فرمایا کہ ریاست بہاولپور علم کی

قدر دان ہے۔ اکثر علماء جاتے آتے رہتے ہیں مجھے گو اس قسم کا شوق نہیں مگر ایک مرتبہ مولوی رحیم بخش صاحب مدار المہام کے اصرار سے جانا پڑا مولوی صاحب نہایت اہل علم سے محبت رکھتے ہیں بڑی خاطر سے پیش آئے نواب صاحب نابالغ ہیں انتظام کمیٹی کا ہے نواب صاحب شہر سے باہر دوسری جگہ رہتے ہیں مولوی صاحب نے نواب صاحب سے بھی ملایا ریاست کا دستور ہے کہ جو کوئی نواب صاحب سے ملے تو خلعت اور دعوت ملتی ہے مجھے بھی ڈیڑھ سو روپیہ خلعت کے اور اکیس روپیہ دعوت کے دیئے گئے اور مولوی صاحب نے مجمع عام میں دیئے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ کے لئے انتظام کر دیا ہے کہ جب آپ تشریف لاویں یہ روپیہ ملا کرے گا میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے بایں خیال کہ واپس کرنے میں ریاست کی توہین ہوگی وہ روپیہ لے لیا کہا گیا کہ رسید لکھنی پڑے گی میں نے رسید بھی لکھدی۔ بعد ازاں تنہائی کے وقت ایک صاحب کے ہاتھ جو وہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے وہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس واپس بھیجا نہایت شرمندہ ہوئے اور لے لینے کے واسطے اصرار کیا مگر میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے نہ مانا فرمایا جناب نے اُسی وقت کیوں نہ واپس کر دیا تھا میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے کہا۔ اس کو میں نے ریاست کے لئے باعث توہین سمجھا فرمایا تو آپ کی توہین ہوئی اور یہ ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے ہیں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے کہا میری توہین تو جو کچھ ہونا تھی ہو چکی ریاست کی توہین تو نہ ہوئی اور میری توہین کیا ہے توہین اس کی ہو جو شاندار آدمی ہو ازالہ بیان کا نام توہین ہے جب شان ہی نہیں تو ازالہ کس چیز کا ہوگا۔ اُس وقت واپس نہیں کیا اب واپس لے لیجئے میں اس کو اپنے واسطے جائز نہیں سمجھتا ریاست کا خزانہ بیت المال ہے اس میں مساکین کا حق ہے یا قریب کے **علماء** کا جو یہاں کے لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہوں (اگرچہ بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ ہر عالم کا حق ہر بیت المال میں

سے قریب ہو یا بعید) میں صاحب نصاب ہوں مجھ کو یہ مال پسند نہیں (حضرت والا فرماتے ہیں مجھے دوسرے اہل علم کے ضرر کا بھی خیال رہتا ہے جہاں تک ممکن ہو ان کا نقصان پسند نہیں کرتا ہاں اگر کوئی منکر ہی طریقہ ہو تو پھر کسی کی بھی رعایت کرنے کا موقعہ نہیں اس واسطے یہ لفظ کہ یا قریب کے علماء کا بڑھا دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ ریاست سے علماء کی خدمت ہی موقوف ہو جاوے ۔ مولوی رحیم بخش صاحب نے فرمایا اب تو اس رقم کو لے ہی لیجئے خزانہ میں اندراج ہو گیا اب واپس کرنے میں بہت کام بڑھیگا میں نے کہا خزانہ میں میرے نام لکھا رہنے دیجئے اور خفیہ طور پر مستحقین کو دیدیجئے ۔ فرمایا میں آپ کی بدنامی نہیں چاہتا کہ آپ روپیہ نہ لیں اور سب کو معلوم ہو کہ لے لیا خود خزانہ میں گئے اور رسید وغیرہ سب کٹوا دیں اور جو قاعدہ تھا اس کے موافق اندراجات کرا دیئے ۔ جلد مذکور ص۳۷

(۴۰) فرمایا قشیری کا قول ہے کہ دو چیزیں سخت زہر ہیں عورتوں کے ساتھ نرمی اور مردوں کی صحبت یہ مرض گجرات کے پیروں میں بہت ہے پیر سے پردہ نہیں عورتیں پیر صاحب کے ہاتھ پیر دباتی ہیں مرد باہر رہتے ہیں اور پیر صاحب گھر میں رہتے ہیں ایک مرتبہ راندیر ضلع سورت جانے کا اتفاق ہوا وہاں لوگوں نے زنانہ مدرسہ میں بلایا اور تقسیم انعام کا دن تھا انعام میرے (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کے) ہاتھ سے بٹوانا چاہا معلوم ہوا کہ چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی لڑکیاں مجمع عام میں حاضر ہو کر انعام لیتی ہیں ۔ میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے شرط کی کہ سات سال سے زیادہ کی لڑکی سامنے نہ آوے تب میں مدرسہ میں چل سکتا ہوں چنانچہ منظور کی تب میں گیا مگر میں کہتا ہوں یہ بھی فتنہ ہے اور فرمایا نواب صاحب ڈھاکہ نے مجھ سے پوچھا پردہ کس عمر سے چاہیئے میں نے کہا اغیار سے تو سات برس سے بھی کم عمر سے اور اعزا سے سات برس کی عمر سے ۔ فرمایا حضرت والا نے اور میری رائے یہ ہے کہ جب

تک لڑکی پردہ نہ بیٹھ جاوے ایک چھلا بھی نہ پہنایا جاوے اور کپڑے بھی سفید یا معمولی چھینٹ وغیرہ کے پہنے اس میں دین کی مصلحتیں بھی ہیں اور دنیا کی بھی۔ بلکہ بسا اوقات سیانی کے سامنے آنے سے اتنے فتنے نہیں ہوتے جتنے ناسمجھ کے سامنے آنے سے ہوتے ہیں کیونکہ سیانی خود حیا کرتی ہے اور مردوں کو موقع کم دیتی ہے نیز مرد سمجھتا ہے کہ سیانی سمجھدار ہے اسکے سامنے دلی خیالات علانًا ظاہر کروگے تو سمجھ جاویگی اور ناسمجھ کے سامنے یہ مانع موجود نہیں ہوتا۔ اربعین ص۴۷

(۴۱) مولوی نظیر علی صاحب مرادآبادی نے مجھ سے (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی سے) پوچھا کہ رواج ہے کہ جب کوئی کھانا کھانے بیٹھتا ہے تو دوسروں سے کہتا ہے آیئے کھانا کھایئے تو دوسرا کہتا ہے بسم اللہ کیجئے یہ کیسا ہے۔ فرمایا کہ بعض علماء نے اس کو ناجائز بلکہ موجب کفر کہا ہے۔ کیونکہ جواب تو ہے آپ کھایئے اس لفظ کو اس کے قائم مقام کیا گیا جو ذکر اللہ ہے تو ذکر اللہ کو اپنے معنے اصلی سے نکالا گیا یہ ذکر اللہ کی بے ادبی ہے لیکن میں اس کے خلاف ہوں کیونکہ یہ صرف محاورہ کا ایک لفظ ہے اس کی نظیر حدیث میں سبحان اللہ کا لفظ ہے اس عورت کے جواب میں جس نے حیض سے ظاہر ہونے کا مسئلہ پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا، **خذی فرصۃ ممسکۃ فتطھری بھا** ترجمہ ایک کھال کا ٹکڑا مشک لگایا ہوا لے کر نظافت کر۔ وہ عورت نہیں سمجھی اور عرض کیا **کیف اتطھر بھا** یعنی کھال سے کس طرح نظافت کروں تو چونکہ شرم کی بات تھی آپ نے فرمایا **سبحان اللہ تطھری بھا** یہاں سبحان اللہ اپنے معنی اصلی میں یقیناً مستعمل نہیں۔ اور قرآن میں اس کی نظیر **مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم** ہے یہاں بھی سبحانک ذکر کے طور پر نہیں ہے۔ جلد مذکور ص۵

(۴۲) کہ میں (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے ایک مرتبہ قنوج میں وعظ کہا اور اس میں رسوم کے مفاسد بیان کئے اور منع کیا۔ ایک شخص نہایت متعصب

اہل حدیث بھی موجود تھے مگر بعد ختم وعظ کہنے لگے ہم اہل حدیث کہلاتے ہیں مگر ان مقاصد کی طرف اور ان دلائل کی طرف ہماری کبھی نظر نہیں گئی ۔ ہم ان بلیات میں مبتلا ہیں بس ہمارا عمل بالحدیث آج تک تو آمین بالجہر اور رفع یدین ہی میں منحصر تھا اور معاملات کی یہ حالت ہے کہ میں خود عطر میں تیل ملا کر بیچتا ہوں ۔ آج معلوم ہوا کہ دین رفع یدین اور آمین بالجہر کا نام نہیں ہے اور وہ ایسے متاثر ہوئے کہ میں نے یہ مضمون بھی وعظ میں کہدیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتہا فتعالین امتعکن واسرحکن سرلحا جمیلا ۔ ازواج مطہرات کو حکم ہوتا ہے کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو میں تم کو علیحدہ کردوں جس کا حاصل یہ ہوا کہ دنیا کی طلب اور دیندار کے گھر رہنا جمع نہیں ہوسکتے وہ گئے اور گھر میں بھی یہی لفظ جا کہا کہ یا تو رسوم دنیا کو چھوڑ دو ورنہ طلاق دے دوں گا ۔ جلد مذکور ص ۵۲ ۔

(۴۳) شاہ ظہور احمد صاحب انبہٹوی سے اور حضرت والا (سیدی ومرشدی حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی) سے یہ گفتگو ہوئی کہ شاہ صاحب فرماتے تھے میں امامت سے بہت ڈرتا ہوں اور حضرت والا (حکیم الامۃ مدظلہم العالی) فرماتے تھے آپ امامت ضرور کیا کیجئے آجکل ضرورتیں اسی کی مقتضی ہیں ورنہ نااہل اس کام کو لے لیتے ہیں وہ فرماتے تھے میں خود نااہل ہوں تمام جماعت کا بار سر لینا میرے حوصلہ سے باہر ہے ۔ اسی طرح کی گفتگو دیر تک ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر کوئی وجہ کافی نہ ہو تو یہی کافی ہے کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کردیں ۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دے دی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کردیا ۔ اس کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ میں زمانہ طالب علمی میں دیوبند میں تھا مجھ کو مولوی رفیع الدین

صاحب نے امامت کے لئے کھڑا کر دیا مولوی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ میں ان کی امامت کر رہا ہوں کہ ناگہاں کسی نے مجھے مصلّے پر سے ہٹایا اس طرح کہ زور سے میرے سینے میں مارا لیکن مولانا رفیع الدین صاحب نے اس ہٹانے والے کو دفع کیا اور مجھے مصلّے پر کھڑا کر دیا۔ یہ خواب مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا اور فرمایا ذرا وسوسوں سے بچا کرو۔ میں نے کہا اب میں امامت ہی نہ کروں گا خاصکر آپ کی۔ فرمایا ہم زبردستی تمہیں کو امام بنائیں گے۔ میں اُن کے امر کی مخالفت کیسے کرتا امامت سے بچنے کی تدبیر یہ نکالی کہ مدرسہ کی مسجد میں نماز پڑھنا ہی چھوڑ دی چھتّہ کی مسجد میں گیا وہاں جناب حاجی محمد عابد صاحب تھے فرمایا نماز پڑھاؤ میں نے عرض کیا کہ یہی خدمت مجھ سے نہ ہوگی۔ مگر حاجی صاحب نے اصرار کیا اور امام بنا ہی دیا جس سے بھاگتا تھا وہی وہاں بھی پیش آیا۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے حجرہ میں ہوں اور کھڑکی کے سینخچوں کے باہر سے ایک شخص آیا اور کہا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب امامت کیوں نہیں کرتے میں نے کہا آجکل وہ دیوبند میں نہیں ہیں۔ کہا مولانا نہیں ہیں تو مولانا سید احمد صاحب دہلوی (مدرس دوم ہیں) کیوں نہیں امامت کرتے میں نے کہا وہ دوسری مسجد میں نماز پڑھتے ہیں کہا اچھا ملا محمود صاحب کیوں نہیں کرتے ان کا عذر بھی میں نے کچھ ایسا ہی بیان کر دیا۔ یہ یاد نہیں کہ پھر اس نے مولانا محمود حسن صاحب کا نام بھی لیا یا نہیں آخر میں یہ کہا کہ بس تم ہی ایک امامت کے لئے رہ گئے ہو۔ میری آنکھ کھل گئی اور سمجھ میں آیا کہ امامت سے مجھے منع کیا جاتا ہے اس سے زیادہ اور کیا تصریح ہو سکتی ہے۔ میں نے یہ خواب حاجی محمد عابد صاحب سے بیان کیا تو بالبدیہہ یہ فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت میں اب امامت بالکل نہ کروں گا اس کے بعد مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے میں نے اُن سے یہ خواب بیان کیا مولانا نے بھی بالبدیہہ یہی فرمایا کہ وہ شیطان تھا اور فرمایا کہ اگر آئندہ ایسا نظر آوے تو اس سے کہدینا کہ میں نہ اس واسطے امام بن

جاتا ہوں کہ میں امامت کے قابل ہوں بلکہ مسلمانوں کے تطییب قلب اور تعمیل امر کے لئے۔ پھر کوئی خواب نظر ہی نہیں آیا۔ جلد مذکور ص ۹۰۔

(**۴۴**) آج حضرت والا (حکیم الامۃ مدظلہم العالی) پھر مسجد تشریف لے گئے پیر کی تکلیف کم ہوگئی ایک مسن آدمی آئے اور حضرت والا سے مصافحہ کیا اور ذرا دیر بیٹھ کر چلے گئے تو حضرت والا نے ان کی تعریف کی کہ نہایت سمجھدار آدمی ہیں، یہ تحصیلدار تھے جب ان کی پنشن ہوگئی اور مکان پر آگئے تو میرے پاس آئے اور کسی عالم کے معتقد نہ تھے۔ مجھ سے (یعنی حضرت والا) سوال کیا کہ طاعون سے بھاگنا کیوں جائز نہیں میں نے کہا جہاد سے بھاگنا کیوں جائز نہیں حالانکہ علت بھاگنے کی مشترک ہے یعنی حفاظت نفس۔ یہ لاجواب ہوئے۔ میں نے کہا اصل یہ ہے کہ جان ہماری ملک نہیں بلکہ حق تعالےٰ کی ملک ہے جہاں اس کی حفاظت کا حکم ہو ہم کو حفاظت کرنا چاہیئے اور جہاں اتلاف کا حکم ہو اتلاف کرنا چاہیئے۔ طاعون سے بھاگنے کو منع فرمایا ہے لہٰذا جائز نہیں علت امر حق تعالےٰ ہے۔ بڑے خوش ہوئے اور بڑی اچھی طرح ملتے ہیں۔ یہ ان کی سلامت فہم کی بات ہے کہ اس جواب سے تشفی ہوگئی اور بے حد خوش ہوئے ورنہ آجکل کے عقلمند ظاہری حکمتیں تلاش کیا کرتے ہیں اور اصلی اور حقیقی جواب سے کبھی ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ اربعین مصطفائی جز حسن العزیز جلد دوم ص ۶۴

(**۴۵**) تعلیم و فلسفہ کا ذکر ہوا تو حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے بھی فلسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں مگر کبھی ان پر بسم اللہ نہیں کہی بلکہ اعوذ باللہ پڑھ لیا کرتا تھا اور نہ کبھی دل لگا کر فلسفہ کو پڑھا ایک آلہ علم سمجھ کر پڑھا بعض لوگ کہتے ہیں بڑا مشکل علم ہے اور کاموں کو چھوڑ کر پڑھا جاوے تب آتا ہے میں نے تو ہمیشہ اسی طرح پڑھا مجھے تو کچھ مشکل معلوم نہیں ہوا بہتوں کو پڑھا بھی دیا ایک شخص

نے عرض کیا فلسفے کار آمد چیز تو ضرور ہے فرمایا ہاں عمق نظر اور دقت فکر اس سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک طالب علم فلسفہ جانتا ہو اور ایک نہ جانتا ہو تو دونوں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ فلسفہ دان کو سمجھانے میں سہولت ہوتی ہے۔ ایک بار حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے دیوبند کے نصاب سے بعض کتب فلسفہ کو خارج فرمایا تو بعض طلبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے شکایت کرنے لگے کہ حضرت نے فلسفہ کو حرام کر دیا۔ فرمایا ہرگز نہیں حضرت نے نہیں حرام کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا ہے ہم تو پڑھاتے ہیں اور ہم کو تو یہ امید ہے کہ جیسے بخاری اور مسلم کے پڑھانے میں ہم کو ثواب ملتا ہے ایسے ہی فلسفہ کے پڑھانے میں بھی ملے گا۔ ہم اعانت فی الدین کی وجہ سے فلسفہ کو پڑھتے پڑھاتے ہیں (جلد مذکور ص ۱۰۵)

(۴۶) ایک شخص نے پوچھا کہ ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ فرمایا (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی نے) ہاں ہم ان کو کافر نہیں کہتے۔ اگرچہ وہ ہمیں کہتے ہیں۔ ہمارا تو مسلک یہ ہے کہ کسی کو کافر کہتے میں بڑی احتیاط چاہیئے اگر کوئی حقیقت میں کافر ہے اور ہم نے نہ کہا تو کیا حرج ہوا اور اگر ہم نے کافر کہا اور حقیقت حال اس کے خلاف ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے۔ ہم تو قادیانیوں کو بھی کافر نہ کہتے تھے اور وہ ہمیں کہتے تھے۔ ہاں اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ وہ مرزا صاحب کی رسالت کے قائل ہیں تب ہم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ تو کفر صریح ہے اس کے سوا ان کی تمام باتوں کی تاویل کر لیتے تھے گو وہ تاویلیں بعید ہی ہوتی تھیں۔ ہم بریلی والوں کو اہل ہوا کہتے ہیں اہل ہوا کافر نہیں ہاں ایک مسئلہ علم غیب ہمارے اور ان کے درمیان ایسا متنازع فیہ ہے کہ اس میں اثبات صفت باری تعالےٰ غیر کے لئے لازم آتی ہے مگر ان کی تاویل قادیانیوں کے اقوال کی تاویل سے زیادہ دشوار نہیں اور اب تو سُنا ہے کہ وہ علم غیب کو جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت تو کرتے ہیں مگر علم باری تعالےٰ کی طرح علم محیط نہیں ثابت کہتے بلکہ ان کی حد مانتے ہیں الی ان یدخل اھل الجنۃ الجنۃ واھل النار النار۔ اگر یہ صحیح ہے تو شرک ثابت بھی نہیں ہوتا کیونکہ صفت خاص باری تعالےٰ علم محیط ہے علم محدود نہیں تو اب ہم میں اور ان میں خلاف ایک امر ممکن میں رہا کہ وہ واقع ہوا یا نہیں یعنے یہ علم الیٰ مایدخل اھل الجنۃ الجنۃ واھل النار النار۔ حضور کو دیا گیا یا نہیں ہم کہتے ہیں دیا جانا فی نفسہ ممکن ہے مگر وقوع اس کا شریعت سے کہیں ثابت نہیں اور وہ کہتے ہیں ثابت بھی ہے ہمارے نزدیک وہ تمام دلیلیں اس وقوع کی جو وہ پیش کرتے ہیں ناتمام ہیں اور ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتیں تو زائد سے زائد الزام ان پر یہ رہا کہ انہوں نے ایسی بات کو مان لیا جو شرعی دلیل سے ثابت نہیں اور یہ شان مبتدع کی ہے نہ کافر کی۔ جلد مذکور ص ۱۵۰

(۴۷) عجیب واقعہ۔ مدرسہ کے بچپدرہ میں چڑیا کے گھونسلے میں سے دو پیسے گرے وہ حضرت والا کے سامنے پیش کئے گئے ہنس کر فرمایا ایک کی دال منگاؤ اور ایک کے چاول اور کھچڑی پکاؤ اور چڑیا اسے کھائے اور جب چڑا آوے تو کہے دور موئے میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ یہ قصہ تو پرانے زمانہ کا ہے کہ چڑا چڑیا دال چاول لاتے تھے اب ترقی کا زمانہ ہے حیوانوں کو بھی روپیہ پیسہ ہی کی سوجھتی ہے فرمایا یہ لقطہ ہے مصرف لقطہ میں صرف کرو۔ یعنی خیرات کردو۔ جلد مذکور ص ۱۸۶

(۴۸) حضرت (والا حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے بہاولپور جانے اور خلعت اور انعام واپس کرنے کا قصہ بیان فرمایا (یہ قصہ حکایت ص ۳۹ میں احقر لکھ چکا ہے)۔ اس وقت آنا اور فرمایا کہ جب خلعت اور عطیہ سب واپس ہو گیا جس میں مولوی رحیم بخش صاحب کو بہت تکلیف گوارا کرنی پڑی۔ تو اخیر میں مولوی صاحب نے

اور نیز دیگر ارکان ریاست نے جو اس وقت جلسہ میں موجود تھے کہا بے تکلفی سے عرض ہے کہ ریاست کے عطیات تو آپ نے واپس کر دیئے اگر ہم کچھ نذر کریں تب تو آپ لے لیں گے یہ اُنہوں نے اس کا جبر کرنے کی ایک عاقلانہ تدبیر نکالی میں نے کہا ہاں میں اس کو کچھ اپنی شان تھوڑا ہی سمجھتا ہوں کہ لوگ دیں اور میں واپس کروں میرا تو گذر اسی پہ ہے لیکن آنکھ میچ کر تو نہیں لیا جاتا حلال و حرام تو دیکھ لینا چاہیئے یہ عطیہ سو آنکھوں پہ لیکن میں بے تکلفی سے عرض کرتا ہوں کہ میں حلف لوں گا کہ اس ہدیہ میں اس کا تو کچھ اثر نہ ہو گا کہ مَیں نے یہ رقم ریاست کی واپس کر دی ہے نہ نفس ہدیہ پر نہ اس کی تعداد پر۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں حلفاً ہم اتنا ہی نذر کریں گے جتنا پہلے سے ارادہ تھا چنانچہ مولوی صاحب نے کچھ دیا اور وہ اس کے نصف کی برابر بھی نہ تھا جو ریاست سے دیا گیا تھا۔ معلوم ہُوا کہ وہاں کے اراکین نے کمیٹی کر کے یہ تدبیر نکالی تھی۔ اس مجمع میں ایک ہندو ممبر بھی تھے انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کچھ میں نذر کروں مولانا لے بھی لیں گے میں نے کہا ہاں کیا حرج ہے یہ اس واسطے کہ یہ نہ کہا جاوے کہ تعصب کی وجہ سے نہیں لیا۔ ریاست خیرپور میں گئے وہاں عطیہ اور خلعت ملا۔ مَیں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے اس کو خفیہ ایک وہاں کے مدرسہ میں دے دیا تاکہ میرے واپس کرنے سے ایک صاحب مہتمم اور ایک مدرسہ کا نقصان نہ ہوا اخباروں میں بھی چھپ گیا کہ مجھے خلعت اور دعوت دے گئی۔ میں نے کہا چھپنے دو اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے صاف ہونا چاہیئے دُنیا کچھ سمجھا کرے اور کہا کرے۔ رامپور میں جلسہ مناظرہ قادیانیاں میں جانا ہُوا تو چلتے وقت میں نواب صاحب کے ایک مصاحب کو رقعہ دے آیا کہ زادراہ میرا دینا چاہیئے جو قریب تین روپیہ کے ہے اور اس سے زیادہ زیادہ لینا اس واسطے جائز نہیں کہ نواب صاحب مالک خزانہ نہیں ہیں۔ خیر

اس طریق سے تبلیغ بھی ہو گئی ۔ اور حضرت والا نے انجمن ہدایت اسلام دہلی کا قصہ بیان فرمایا کہ مجھ کو (یعنی حضرت والا کو) بابت زادراہ پچیس روپے دیئے تھے میں نے شاید چار پانچ روپیہ یعنی جو خرچ ہوا تھا لے کر باقی واپس کر دیا اور اُس میں بھی یہ شرط کر لی تھی کہ انجمن سے نہ دیا جاوے جس کو بلانا ہو وہ زادراہ اپنے جیب خاص سے دے ۔ حسن العزیز جلد چہارم ص۵۲

(۴۹) رامپور جانا ہوا تو مدار المہام صاحب نے نہایت دلسوزی کے ساتھ رائے دی کہ زمانہ کا رنگ بدل گیا ہے اب ضرورت ہے کہ علم کلام جدید تیار کیا جاوے یہ نہایت ضروری بات ہے لیکن جن کے کرنے کا کام ہے یعنی علماء ان کو اس طرف توجہ نہیں ۔ میں (یعنی حضرت حکیم الامۃ سیدی و مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی) نے کہا جناب صرف رائے سے کام نہیں چلتا کسی ایک کے سر کام کو رکھ دینا ٹھیک نہیں یہ کام شرکت سے ہو سکتا ہے علماء بھی کام کریں اور آپ لوگ بھی ۔ علم کلام کی ضرورت ردشبہات کے لئے ہے اور ردشبہات کے لئے علم شبہات کی ضرورت ہے ان کے جمع کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ امراء ہمت کریں اور کافی رقم چندہ سے جمع کریں اور یہ کام ایک دن کا نہیں ہے اس میں کچھ عرصہ لگے گا اس واسطے چندہ ماہوار ہونا چاہیئے جب تک یہ کام ختم کو پہنچے برابر ماہوار چندہ جاری رہے اور اس میں پیسوں اور آنوں کے چندہ کا کام نہیں ہے امراء پچاس پچاس سو سو روپیہ ماہوار مقرر کریں اتنا کام تو ہے آپ کا اور چندہ کے بعد اس کام کو کرنا یہ کام ہمارا ہے اول اس چندہ سے ملحدین کی کتابیں خریدی جاویں پھر ان کا ترجمہ کیا جاوے ہم انگریزی زبان نہیں جانتے اس ترجمہ کرنے کے لئے تعلیمیافتوں کی ایک جماعت مقرر کریں گے جو ایم ۔ اے اور بی اے کی لیاقت رکھتے ہوں ان کو حسب ان کی حیثیت کے معقول تنخواہیں دیں گے جب ترجمہ ہو چکیں گے تو ان کو موقوف کریں گے دیکام

اب تک مقدمہ ہوگا اصل کام کا اور اصل کام اب شروع ہوگا) اب علماء کی ایک جماعت مقرر کی جاوے گی جو ان کا رد کرے اور حالانکہ اصل کام یہی ہوگا مگر ایسے علماء میں بتاؤں گا جو اُن گریجویٹوں سے نصف تنخواہ پر اس کام کو کر دیں گے۔ اس طرح علم کلام جدید تیار ہو جاوے گا پھر وہ اردو میں رہے یا اس کا ترجمہ پھر انگریزی میں کرا لیا جاوے۔ اور مترجمین کی جماعت پھر ایک معتد بہ وقت تک کے لئے مقرر کی جاوے پھر وہ چھپیں اس کے بعد جیسا مشورہ ہو خواہ مفت تقسیم ہوں یا فروخت کی جائیں اس وقت تک چندہ برابر رہے گا یہ کام آپ کا ہے۔ یہ سب اہتمام ہو تب کام ہو۔ نیز اُسوقت یہ بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ کہ ہمارے علماء کام اچھا اور زیادہ کرتے ہیں یا آجکل کے مدعیان ہمدردی و تعلیم و تہذیب۔ بس یہ سُن کر پھر نام نہ لیا۔ کہ ایسا کریں گے۔ بات یہی ہے کہ ان کو مشوروں سے غرض کام کرنا نہیں ہے بلکہ کام کو دوسروں پر ٹال کر خود بوجھ سے بچ جاتا ہے۔ مشورہ میں تو زبان ہلتی ہے۔ زمین آسمان کے قلابے جس کا جی چاہے ملا لے کام کوئی کرے تب ہم جانیں۔ جلسہ مذکورہ مدہٗ ہ۔

(۵۰) فرمایا ایک شخص نے مجھ (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) سے کہا میں جماعت کی نماز اس واسطے نہیں پڑھتا کہ یا ابوحنیفہ ناراض ہوتے ہیں یا شافعی یعنی اگر فاتحہ پڑھوں تو ابوحنیفہ کے خلاف اور نہ پڑھوں تو شافعی کے خلاف لہٰذا میں علیحدہ پڑھتا ہوں جس میں یہ جھگڑا ہی نہ رہے۔ میں نے کہا جماعت کی نماز میں تو آپ کو ایک کی ناراضی کا خوف ہے اور ترک جماعت سے دونوں ناراض ہوتے ہیں اس کا خوف تو زیادہ ہونا چاہیئے تھا۔ یہ تو جہالت کا مقولہ ہے ایک شخص نے اسی سے ایک اچھی کام کی بات نکالی وہ یہ کہ امامت اختیار کی کہ دونوں کا اختلاف رہے ہی نہیں دونوں راضی رہیں نہ مقتدی بنیں نہ اختلاف کی نوبت آئے۔ جلسہ مذکورہ ےد

(۵۱) حالات اور صحبت کا ذکر ہوا تو اپنی حکایت بیان فرمائی کہ میں حجرہ دیوبند میں رہتا تھا خشیت کا غلبہ ہوا مولانا محمد یعقوب صاحب سے جا کر عرض کیا کہ بہت خوف ہے کوئی بات ایسی فرمائیے جس سے اطمینان ہو فرمایا توبہ کرو کفر کی درخواست کرتے ہو لا یامن مکر اللہ الا القوم الخٰسِرُوْن بس آنکھیں کھل گئیں کامل کے پاس ہونے کے یہ فائدے ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنے حالات مجھ سے بیان کئے میں نے مختصر کلمات ان کی حالات کے مناسب کہدیئے اس پر انہوں نے کہا عمر بھر کی گمراہی سے آج نکلے جلد مذکور ص۶۹

(۵۲) مولوی محمد احسن صاحب مکہ میں ایک خشک ذی علم شخص تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے پاس میں (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) بھی موجود تھا اور وہ بھی تھے وہ وحدۃ الوجود کو ضلالت کہا کرتے تھے انہوں نے دو ایک دفعہ پوچھا میں نے کہا یہ کام سرسری نہیں ہے کوئی دن مقرر کیجئے اور اپنے شبہات کو حل کر لیجئے چنانچہ جمعہ کا دن مقرر ہوا میں نے اول مقصود سے اصطلاحی الفاظ میں کتب تصوف کے موافق وحدۃ الوجود کے متعلق ایک تقریر کی اور ان سے کہدیا کہ آپ غور سے میرے تمام الفاظ سن لیں اور ذہن نشین رکھیں ان سے باہر نہ جاویں پھر جو بھی اشکال ذہن میں آوے کریں انہوں نے چند اشکال کئے مگر سب کا جواب فوائد قیود ہی میں موجود تھا ذرا دیر میں سب اشکال رفع ہو گئے کہنے لگے آج سمجھا میں کہ وحدۃ الوجود یہ ہے یہ تو موقوف علیہ ایمان ہے۔ پھر انہوں نے حضرت حاجیصاحب سے جا کر بیان کیا تو حضرت ایسے خوش ہوئے جیسے کوئی اپنی اولاد کی کارگزاری سن کر خوش ہوتا ہے۔

مفتی صاحب نے عرض کیا وحدۃ الوجود کے متعلق بعض لفظ موحش ہیں فرمایا کتب فن کے الفاظ دیکھنے چاہئیں اشعار کے نہیں خاصکر آجکل کے ان کا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے۔ خود مولانا فرماتے ہیں ؎

معنی اندر شعر جز با خبط نیست چوں فلاسنگ است آنرا ضبط نیست

اور رموز کی نسبت فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولادست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز

ملخصاً۔ حسن العزیز جلد چہارم ص۷۱۔

(۵۳) مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب کے پاس کیا ہے جو علماء کے پاس نہیں کہ وہاں جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس الفاظ ہیں اور وہاں معانی ہیں الفاظ تو معانی کے محتاج ہوتے ہیں اور معانی الفاظ کے محتاج نہیں ہوتے احوال کتابوں کے دیکھنے سے نہیں حاصل ہوتے دیکھئے اگر کوئی چاہے کہ کتاب میں ترکیب دیکھ کر روٹی پکالے تو ہرگز بھی نہ ہوگا اگر بُری بھلی روٹی گھڑ بھی لی تو آنچ کا اندازہ کیسے ہوگا اور روٹی کچی رہ جاوے گی یا جل جاوے گی۔ یہ ایسا ہے جیسے لوگ بذریعہ خط کے ضاد کے مخرج کی تحقیق کرتے ہیں۔ میں تو اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

گر مصوّر صورت آں دلستاں خواہد کشید لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

جلد مذکور ص۷۳۔

(۵۴) کسی نے سوال کیا کہ جو کپڑا تبرکاً لیا گیا ہو اُسکو دھو ڈالے تو کیا برکت جاتی رہے گی۔ فرمایا برکت کیا جاتی مگر اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نہ دھووے اس کو ویسا ہی رہنے دے اور کبھی کبھی پہن لیا کرے کہنے کی بات نہیں مجھے شبہ تھا کہ تبرکات میں کیا اثر ہوگا مگر یہ قصہ پیش آیا کہ کرانہ میں ایک بزرگ تھے قوم کے وہ گوجر تھے انہوں نے مجھ کو ایک چوغہ بنا کر بھیجا۔ میری عادت چوغہ پہننے کی نہیں ہے مگر تبرکاً اس کو رات کو پہن لیتا تھا۔ کئی دن کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک وہ چوغہ بدن پر رہتا وسوسہ معاصی نہ آتا تھا فرمایا مگر باوجود اس کے مجھے زیادہ

دلچسپی نہیں تبرکات سے حضرت حاجی صاحبؒ کے تبرکات سب میں بانٹ دیئے میں نے اُن کو اس طرح نہ رکھا جیسے لوگ رکھتے ہیں کہ اعمال سے زیادہ ان کی تنظیم کرتے ہیں اصل چیز اعمال ہیں ان کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ حضرت حاجی صاحب رح نے چلتے وقت کچھ کتابیں مجھ کو دینا چاہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت کچھ سینہ میں سے دیجئے ان کتابوں میں کیا رکھا ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے پھر کچھ بھیجنے بھلجنے کا اہتمام چھوڑ دیا۔ میرے بعد حضرت نے حکم دیا خادم کو کہ کتابیں میرے لئے جہاز پر روانہ کردیں۔ بعض حاسدوں کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور انہوں نے یہ ترکیب کی کہ ان پر وقف لکھ کر حضرت کی مہر کردی اور کہہ دیا حضرت یہ تو وقف ہو چکی ہیں۔ حضرت کو اس قصہ سے رنج ہوا۔ حضرت کے مذاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زیادہ اہتمام پسند نہ تھا۔ ربط قلوب چاہیئے اس سے کام ہوتا ہے نہ یہ کہ نماز نہ روزہ بس موئے مبارک لے کر بیٹھ گئے۔ حسن العزیز جلد چہارم صـ۱۴۲

(۵۵) فرمایا چاند شاہ صاحب مرید ہیں ابو الحسن صاحب نصیر آبادی کے جو مرید تھے مولانا مراد اللہ صاحب کے اور مولانا مراد اللہ صاحب ہمعصر ہیں شاہ ولی اللہ صاحب کے۔ چاند شاہ صاحب ایک خلیفہ مولوی اسمٰعیل صاحب مجمع میں تھے انہوں نے حضرت والا سے کہا آپ مجدد ہیں۔ فرمایا اگر ہوں بھی تو یہ ایک سرکاری خدمت ہے حق تعالےٰ کام لیلیں تو زہے قسمت۔ جلد مذکور صـ۱۴۹۔

(۵۶) فرمایا ایک شخص منشی صفدر حسین تھے انہوں نے حضرت معاویہؓ کے متعلق شبہ کیا کہ حدیث میں وارد ہے من سب اصحابی فقد سبنی اور حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے ساتھ ایسا کرتے تھے پس یہ وعید ان پر ضرور عاید ہوتی ہے۔ میں (حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی) نے کہا کہ وعید غیر اصحاب کے لئے ہے اس کی نظیر ہمارے محاوروں میں یہ ہے کہ کہتے ہیں جو کوئی میری اولاد کو نگاہ بھر کر دیکھے گا میں

اس کو سمجھوں گا تو اس سے مراد غیر اولاد ہوتا ہے انہوں نے کھسیانہ ہو کر کہا یہ تو ذہانت کے جواب ہیں۔ میں نے کہا اور کیا غباوت کے جواب چاہئیں۔ جلد مذکور ۱۴۹

(۵۷) فرمایا ایک مرتبہ میں (یعنی حضرت والا حکیم الامۃ مدظلہم العالی) سہارنپور گیا مدرسہ میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب پرانی فیشن کے بغل میں ایک کتاب دبائے تشریف لا رہے ہیں میں دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ بہشتی زیور پر کچھ اعتراض کریں گے اس زمانہ میں اس کا چرچا تھا۔ آکر بیٹھے السلام علیکم وعلیکم السلام۔ کہنے لگے مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ بہشتی زیور کا ایک مسئلہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا کہ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے کہا اس مسئلہ کے سوا جتنے مسائل ہیں آپ کو سب کی وجہ معلوم ہے یا بعض کی معلوم نہیں اگر سب کی معلوم ہے تو میں آپ کا امتحان لیتا ہوں اور اگر بعض کی معلوم نہیں تو اس مسئلہ کو بھی اُن ہی بعض کے ساتھ ملا لیا جاوے۔ بس کھوئے گئے اور مبہوت ہو کر رہ گئے دیر تک سوچتے رہے مگر کچھ جواب نہ آیا بس کتاب اُٹھا اور چپ چاپ اپنا سا منہ لے کر چلے گئے معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بہت دیر تک اُلجھ چکے تھے۔ مولانا اپنے اخلاق کی وجہ سے اُن کو مسائل سمجھا رہے تھے مگر سمجھتا کون اتنی لیاقت بھی تو ہو۔ مولانا کو دق کر دیا تھا اور ان کی دلیری بڑھتی جاتی تھی کہ ہمارے ایسے سوال ہیں کہ اُن کا حل ایسے علماء سے بھی نہیں ہوتا۔ میں جو آ گیا تو کسی نے کہا تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ خود کتاب والے ہی آ گئے۔ اُن سے پُوچھو۔ یہاں آ کر یہ گت بنی۔ مولانا (خلیل احمد صاحبؒ) تعجب سے فرمانے لگے کہ تم نے تو منٹ ہی بھر میں ان کی بحث ختم کر دی۔ پھر تھوڑی دیر میں ایک صاحب نئی فیشن کے درآمد ہوئے اُسی مسئلہ کی نسبت فرمانے لگے کہ جہلا جو علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ان سے دل دُکھتا ہے۔ ہم ایک مجمع کر دیں آپ اس مسئلہ کی وجہ بیان کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ کو علماء سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے مگر میں پُوچھتا ہوں کہ صرف

علماء کی شان میں گستاخیاں ہو رہی ہیں یا ان سے بڑھ کر ائمہ کی شان میں بھی اور ان سے بڑھ کر صحابہ رضؓ کی شان میں اور ان سے بڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اور ان سے بڑھ کر خدا تعالےٰ کی شان میں اور بقاعدہ الاہم فالاہم آپ نے ان سب گستاخیوں کا کیا انسداد کیا ہے جو آپ ہم سے علماء کے متعلق ایسی درخواست کرتے ہیں آپ اُن کا پہلے انتظام کیجئے پھر میں ان کا انتظام کر دوں گا۔ کہا یہ اگر نہ بھی ہو تب بھی علماء پر سے ہی اعتراض اُٹھ جائیں تو کیا بُرا ہے یہ کچھ مضر تو نہیں۔ میں نے کہا یہ امر ہے یا مشورہ اگر امر ہے تو آپ کو میرے اوپر تو کوئی حق امر کرنے کا نہیں ہے اور اگر مشورہ ہے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں آپ اپنا حق ادا کر چکے اب آگے میری توفیق تشریف لے جائیے۔ بات یہ ہے کہ آجکل کے اس قسم کے سوالات تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ صرف ایک مشغلہ ہے اور علماء کے ساتھ تمسخر کرنا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ علماء ان کا کھلونا بنیں ان کا منہ جواب الزامی سے بند کرنا چاہئیے۔ جلد مذکور ص ۱۲۸۔

(۵۸) ایک جگہ سے الہ آباد کے امرود اور سنگترے اور کیلے کی پھلیاں اور انگور آئے بعد ظہر حضرت والا نے اپنے ہاتھ سے چھیل چھیل کر کھائے اور کھلائے۔ بعد عصر سید اکبر حسین صاحب جج کے مکان پر گئے تقریباً مغرب سے پاؤ گھنٹہ پہلے پہنچے اور ارادہ یہ تھا کہ مغرب کی نماز کے واسطے اُٹھیں گے تو جج صاحب سے رخصت ہو لیں گے۔ لیکن جج صاحب علماء سے نہایت عقیدت اور محبت رکھنے والے ہیں اور سخنور فاضل ہیں اُنہوں نے اس قسم کی باتیں چھیڑ دیں کہ ان کا سلسلہ ختم ہی نہ ہوا اور درخواست کی کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتا ہوں اور مسجد میں جانے کی مجھ میں طاقت نہیں اگر یہیں پہ جماعت کر لیجیے تو میں بھی شریک ہو جاؤں اس کو حضرت والا نے منظور فرمایا اور کوٹھی میں جماعت ہوئی جس میں تقریباً چودہ پندرہ

آدمی تھے۔ جلد مذکور ص ۱۸۳۔

(۵۹) کہنے کی بات تو نہیں ہیں (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) پچھلے دنوں میرٹھ آیا تھا اور ہفتہ بھر کے قریب رہا بہت سے احباب ہیں جن کو میرے آنے کی بڑی مسرت تھی اور ان کی عین خوشی ہوتی اگر کرایہ ان سے لے لیا جاتا مگر میں نے نہیں لیا اس وجہ سے کہ میں اپنی ضرورت یعنی تبدیل آب و ہوا اور استراحت کے لئے گیا تھا۔ اور اگر احباب کی دل شکنی کا خیال نہ ہوتا تو میں سرائے میں ٹھہرتا میں اس بات میں بہت ہی غیور ہوں۔ میں کسی دوسرے کی تکلیف کو ہرگز گوارا نہیں کرتا میں جس زمانہ کانپور میں تھا۔ مولوی دوست محمد خان صاحب مدرسہ دارالعلوم میں مدرس تھے انہوں نے ایک طالب علم کو خارج کیا اُنہوں نے میرے مدرسہ میں آنا چاہا میں نے انکار کر دیا انہوں نے کیا کیا کہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے پاس پہنچے اور حضرت کی سفارش لائے مگر میں نے تب بھی ان کو داخل نہیں کیا اور کہہ دیا کہ ہم انتظامی امور میں مولانا کے متبع نہیں ہیں اور اس سے مولانا کے ساتھ بدعقیدگی لازم نہیں آتی۔ یہ تو ایک بہت معمولی سی بات ہے اگر کوئی چھوٹی موٹی معصیت بھی میں بزرگوں میں دیکھ لوں تب بھی بدظن نہیں ہوتا جبکہ خوبیوں اور احسانات کو غلبہ ہو۔ میں ہمیشہ بزرگوں سے اسی بنا پر عقیدت میں فرق نہیں آنے دیتا۔ کسی نہ کسی بات سے تو کوئی بھی خالی نہیں۔ ملخصاً۔ جلد مذکور ص ۱۹۷۔

(۶۰) ریل ہی میں ذکر ہوا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا مزار دیوبند میں ہے خواجہ صاحب (عزیز الحسن صاحب زاد مجدہم) نے فرمایا بڑی برکت کی جگہ ہوگی فرمایا (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی نے) ہاں خواجہ صاحب نے کہا میں تو ضرور جاؤں گا۔ فرمایا ہاں کیا حرج ہے۔ عرض کیا حضور بھی چلیں تو کیا مضائقہ ہے۔ فرمایا جتنا وقت زندوں کی خدمت میں گزرے میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں مجھے مُردوں کی خدمت سے چنداں

دلچسپی نہیں نیز بعض مزارات پر میرے جانے سے عوام پر اثر بڑا ہونے کا احتمال ہے یہ عذر بھی ہے ہاں مردوں کے لئے دُعا ضرور کیا کرتا ہوں۔ عرض کیا گیا مزاروں پہ جانے سے نفع تو ہوتا ہوگا۔ فرمایا عوام کو تو صرف یہ نفع ہوتا ہے کہ یہ دُعا کرتے ہیں۔ مُردوں کے لئے اس کا ثواب ہوتا ہے اور مُردے ان کے واسطے دُعا کرتے ہیں۔ نیز موت یاد آتی ہے اور باطنی نفع اہل باطن کو ہوتا ہے عرض کیا گیا اہلِ نسبت کو تو نفع بہت ہوتا ہوگا فرمایا صاحب نسبت کو بھی نفع قلیل ہوتا ہے یعنی صرف تقویت نسبت جو کہ ذکر اللہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ باقی نفع تعلیم و اصلاح کا تو علم ہوتا ہے بتانے سے اور اصلاح ہوتی ہے صحبت سے اور حالات کے دیکھنے سے سو یہ زندہ ہی سے ہو سکتا ہے نہ مُردہ سے۔ جلد مذکور ص ٢٢٣

(٦١) ایک موقع پر (غالباً میرٹھ میں) فرمایا حضرت والا نے کہ میں نہایت مسرور ہوں کہ حضرت حاجی صاحب کے علوم میرے ملفوظات کے ذریعہ سے محفوظ اور قلمبند ہوتے جاتے ہیں یہ علوم ہیں کہ کتابوں میں مل نہیں سکتے۔ ان کی قدر کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوگی۔ ان کی نظیر کتب تصوف میں بھی کم مل سکے گی اور یہ ایسے وقت پہ کام دینے والے ہیں جبکہ بہت سے رہبر بھی کام نہ دے سکیں یہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مقبولیت کا اثر ہے کہ لوگ ان کو شوق سے اور ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں کسی کو کوئی نوع ان میں سے پسند ہے اور کسی کو کوئی نوع ہر شخص ایک دُھن میں لگا ہوا ہے۔

(٦٢) مجھے بچپن سے خوش عقیدگی بہت تھی سوء ظن کا مادہ بالکل نہ تھا، ہر شخص کے ساتھ اعتقاد ہو جاتا تھا اور اصلیت اس کی یہ تھی کہ مجھے طلب بہت تھی ایسی حالت تھی جیسے پیاسا پانی کو ڈھونڈھتا ہے ہر شخص پر یہی نظر پڑتی تھی کہ شاید اس سے کچھ مل جائے یہ حالت بہت خطرناک ہوتی ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے

فضل کیا کہ کسی جعلساز اور مکّار کے پھندے میں نہیں پڑ گیا اوّل حضرت گنگوہی سے تعلق پیدا کرنا چاہا مگر حضرت (گنگوہیؒ) نے طالب علمی کے سبب انکار کیا پھر حضرت حاجی صاحب کے پاس پہنچا۔ یہ ابتدائے زمانے شباب کا ذکر ہے حضرت کے پاس سے لوٹ کر آیا تو سیری نہ ہوئی تھی۔ جو کچھ حضرت حاجی صاحبؒ نے تعلیم فرمایا وہ کرتا رہا مگر اس میں انتظار ہوا ثمرات کا اور انتظار بھی تعجیل کے ساتھ بس یہ چاہتا تھا کہ آج ہو جاوے جو کچھ ہونا ہے ایک صاحب مل گئے اور انہوں نے خود خواہش کی کہ مجھ سے کچھ حاصل کرو۔ میں طالب تھا ہی اور عقیدت کا مادّہ بہت بڑھا ہوا تھا میں نے منظور کر لیا انہوں نے کچھ بتلایا میں نے اُس کے موافق شغل شروع کر دیا تو اس قدر پریشانی بڑھ گئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا دل دو طرف کھنچتا تھا اور دونوں تعلیموں میں کچھ اختلاف بھی تھا ایسے وقت میں اس شخص کی حالت جس کی پیاس بڑھی ہوئی ہو اور تعجیل حد سے زیادہ ہو آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں دو مہینے تک یہ حالت رہی کہ خودکشی تک کے وسوسے آتے تھے اگر حق تعالیٰ کی دستگیری نہ ہوتی تو خودکشی میں کچھ کسر نہ تھی حتیٰ کہ ایک روز تنہائی میں ایک شخص میرے پاس آئے ان کے ہاتھ میں بندوق تھی اس وقت بالکل آمادہ ہو گیا کہ اپنی خواہش ان سے ظاہر کروں کہ میں حیات سے تنگ آگیا اب دنیا کو مجھ سے پاک کر دو اور قریب تھا کہ اُن سے کہہ ہی بیٹھوں پھر سوچا کہ یہ کسی طرح مانیں گے نہیں ہر شخص کو اپنا پس و پیش بھی ہوتا ہے قتل وہ شخص کر سکتا ہے جو اپنی جان کھونے پر پہلے آمادہ ہو جائے پھر میرے وہ کوئی مخالف نہیں تھے بلکہ محبت رکھنے والے تھے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ایسی بیہودہ بات کو مان لیں سوائے اس کے کچھ نہ ہوتا کہ میرا چھچھورا پن ظاہر ہوتا اس خیال سے زبان پر آئی ہوئی بات رُک گئی خدا تعالیٰ کو بہتر کرنا تھا غرض اس قدر پریشانی

تھی کہ یہ نوبتیں ہو ہو گئیں بالآخر حضرت حاجی صاحبؒ کو لکھا حضرت گنگوہی کو اس واسطے اطلاع نہ کی کہ میں خود جانتا تھا کہ مولانا یہی کہیں گے کہ سب کو چھوڑ کر ایک طرف ہو جاؤ اور میرے دل میں خیال یہ جما ہوا تھا کہ خذ ما صفا ودع ما کدر حضرت حاجی صاحب کو لکھا حضرت کو سخت تشویش ہوئی حضرت کو مجھ سے بیحد محبت تھی حضرت پریشان ہو گئے اور سنا ہے کہ فرماتے تھے جوان آدمی ہے جوش بڑھا ہوا ہے تحمل نہ ہوا وہاں سے کوئی صاحب آنے والے تھے زبانی کہلا بھیجا کہ جب تک تمہارا یہ خادم زندہ ہے کیوں کسی سے رجوع کرتے ہو حضرت کی عادت کے یہ بالکل خلاف ہے کبھی کسی کو اپنی طرف رجوع کرنے کیلئے کوئی لفظ نہیں کہا مگر میرے ساتھ اسقدر خصوصیت تھی (حق تعالے کو یونہی منظور تھا) کہ یہ لفظ فرمائے اور خط بھی لکھا میں کانپور میں تھا ظہر کا وقت تھا یہ پیام اور خط پہنچا وہ اثر کیا اس نے اس نے جو آگ پر پانی کرتا ہے مغرب کا وقت نہ آیا تھا کہ سب پریشانی رفع ہو گئی۔ پھر اطمینان سے کام کرتا رہا الحمد للہ حضرت کی برکت سے طریق کی حقیقت مجھ میں آ گئی پھر یہ وسوسہ ہوا کہ دوسرے صاحب سے قطع تعلق ہو گا تو ناراض ہوں گے۔ سوچتا رہا کیا کروں سمجھ میں یہ آیا کہ گول مول بات۔ کہنا ٹھیک نہیں اطلاع کر دینا چاہیئے پھر خفا ہوں یا کچھ ہوں جوانی اور ہوشیاری کا عالم تھا ایک تدبیر کے ساتھ ان سے قطع تعلق کیا تاکہ قطع کی نسبت انہیں کی طرف رہے وہ .... میں تھے میں نے ان کو خط لکھا کہ بمقتضائے الدین النصح میں نہایت ادب سے خیر خواہانہ عرض کرتا ہوں کہ بعض باتیں آپ کی خلاف شریعت ہیں ان کو چھوڑ دیجئے اور میں نے یہ بھی لکھا کہ دعا کرتا ہوں کہ آپ کی حالت شریعت کے مطابق ہو جاوے اس سے وہ بیحد خفا ہوئے اور خود قطع تعلق کر دیا اور نہایت خفگی کا خط آیا جس میں یہ بھی تھا کہ میں تم کو وہ دولت دینا چاہتا تھا جو مجھ کو حضرت ص سے پہنچی ہے تم اس کے اہل تھے مگر قسمت تمہاری اور اخیر میں یہاں تک لکھا تھا کہ دعا کرو خدا میرا میرے زندقہ پر اور تمہارا تمہاری شریعت پر خاتمہ

کرے میری جو غرض تھی یعنی قطع تعلق وہ پوری ہوگئی۔ میں بے قصور تھا اس واسطے میں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی پھر یہ صاحب تھانہ بھون آئے یہ وقت میرے واسطے بہت نازک تھا میں سوچتا تھا کہ اب ان سے ملاقات ضروری ہوگی میں کیا عذر کروں گا اور یہ ممکن نہیں کہ میں ملوں نہیں مگر میں دل کڑا کر گیا تو نہ ان سے ملا نہ ان کے پاس گیا نہ کچھ کہا نہ کچھ سنا انہوں نے جب ایسا دیکھا تو بہت برا بھلا کہا ایک لوہار نے اس کو مجھ سے نقل کرنا چاہا اور میرا طرفدار بن کر . . . صاحب کی شان میں کچھ گستاخی کرنا چاہی میں نے اس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار جو کچھ کہا ہم جانیں اور وہ جانیں تم کون بیچ میں بولنے والے (بحمد اللہ میں نے تہذیب سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا) وہ میرے بزرگ ہیں ان کو منصب ہے کہنے کا اور جانے کتنی دفعہ انہوں نے ہم کو بچپن میں مارا ہوگا اور ہم نے کتنی دفعہ ان پر پیشاب کیا ہوگا ہم اور وہ دو نہیں ہیں۔ اس نے یہ باتیں جا کر ان سے نقل کر دیں اس کا بڑا اثر ہوا پھر ایک شخص نے ان سے کہا آپ ہی مل لیجئے کہا مل تو لوں مگر میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے نہ ملے گا اور کہیں ٹل جاوے گا۔ اُس نے کہا نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا میں ذمہ دار ہوں مگر ان کو بہت غیظ تھا کہا میں ملوں گا بھی تو بڑا بن کر تو ملوں گا نہیں وہ بڑا سمجھتا تو خود ہی آکر نہ ملتا ہاں رند بن کر ملوں گا اور پائجامہ اتار کر اس کے سامنے جاؤں گا تو کیا اس حالت میں بھی وہ مجھ سے ملے گا اس شخص نے کہا اس حالت میں میں ذمہ نہیں کرتا۔ اسی اثنا میں عید آگئی اتفاق سے ان سے موٹھ بھیڑ ہوگئی مگر میں نے سلام نہ کیا۔ اس پر بڑے خفا ہوئے پھر بقر عید آگئی مجھے اس وقت قرائن سے معلوم ہو گیا کہ آج امامت کرنا پڑے گی تردد ہوا کہ میں ان کے سامنے نماز کیسے پڑھاؤں گا اُن کو امام بنانا چاہیئے مگر اس کو لوگ شاید نہ مانیں اور میں امام بن گیا تو علاوہ بدتمیزی کے ان کو کدورت رہے گی کیونکہ مجھ کو باطل پرست سمجھتے ہیں آخر یہ کیا کہ نماز جلال آباد جا کر

پڑھی غرض ان سے بول چال نہیں ہوئی پھر وہ چلے گئے اور وفات بھی ہو گئی بس سن لیا آپ نے ہمّت یوں کرنا چاہیئے مولوی صاحب نے عرض کیا اس سے پریشانی ہے کہ میں حضرت سے دُور ہوں اور حضوری کی کوئی صورت نہیں فرمایا آپ کچھ بھی کہیں لیکن بڑی وجہ پریشانی کی کشاکشی ہے اور میں کہتا ہوں کہ ان قصوں سے نفع یہ ہے کہ آپ کو راہ کی بصیرت ہوئی مجھے اس پریشانی سے بڑا نفع ہوا گھر میں اُس کی مثال دیا کرتے ہیں کہ ایسا ہے جیسے کوئی گلستان میں رستہ قطع کر رہا تھا درمیان میں برابر میں ایک خارستان آگیا یہ شخص اس میں جا گھسا پھر لوٹ کے پھر کے اُسی گلستان میں آکر چلنے لگا تو اس کو مقصود کی قدر زیادہ ہوتی ہے نیز اس کو اس خارستان میں گزرنے سے تمام ان دشواریوں کا علم ہو جاتا ہے جو راہ میں پیش آتی ہیں پھر وہ دوسروں کو لے جانے میں بڑا ماہر ہو جاتا ہے گھر میں سمجھ اس فن کی بہت اچھی ہے ہاں عمل نہیں افسوس کہ ایسا آدمی کام نہ کرے۔ کام نہ کرنے سے بعضے اخلاق بھی بے اصلاح ہیں اور اس پریشانی سے مختلف شیوخ کے بعد حضرت کی دستگیری دیکھ کر بڑا نفع ظہور شان حاجی صاحب کا ہوا زمانہ قبض میں اوروں سے بھی رجوع کیا حضرت کسی نے وظیفے بتا دیئے اور کسی نے کچھ کسی نے کچھ محقق ایک بھی نہ ملا۔ حضرت کا عجیب طریقہ تھا اور اصل میں مرض کو ایسا صحیح پکڑ لیتے تھے کہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا اور شفقت ایسی تھی کہ نظیر ملنا مشکل ہے اسی وجہ سے شفا حکمی ہوتی تھی۔ جلد مذکور ص۲۴۴ تا ص۲۴۷

(**۶۳**) علی گڑھ کالج کے بعض طلباء نے مجھ سے کہا کہ علماء متعصب ہیں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے کہا میں ایک مثال دیتا ہوں اور آپ ہی پر فیصلہ رکھتا ہوں اس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ علماء متعصب ہیں یا نہیں وہ مثال یہ ہے کہ ایک شریف اور معزز آدمی کو یوں کہا جاوے کہ سُنا ہے تمہاری ماں اوّل رنڈی

تھی پھر نکاح کر لیا اس کے بعد تم پیدا ہوئے کیا یہ بات صحیح ہے سو اوّل تو اس میں عیب کیا ہے کہ ایک عورت رنڈی تھی اس نے توبہ کی اور نکاح کر لیا اس کے بعد جو اولاد ہوگی وہ تو حلال کی ہوگی اس سے اُس شخص کے نسب میں کچھ طعن نہیں ہوتا دوسرے اس سے قطع نظر اگر یہ بات واقعی ہو تب تو ایک واقعی بات کے تحقیق کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں اب میں پوچھتا ہوں آپ سے کہ فرضی صورت کو چھوڑ کر یہی صورت اختیار کرتا ہوں کہ یہ بات واقعی ہو اور ایک مجمع میں بیان کی جائے تو کیا وہ شخص ٹھنڈے دل سے اس واقعہ کو سنکر جواب دے گا یا جوش کے مارے آپے میں نہ رہے گا بلکہ اگر جوش یہ نہ ہو تو آپ کے نزدیک یہ داخل بے عزتی ہوگا یا نہیں اور اگر آپ انکار کریں تو ہم امتحان کر کے دکھا دیں بتلائیے کہ اس کو جوش کیوں ہوگا اور یہ جوش کا ہونا آپ کے نزدیک بجا کیوں ہے اور جوش کا نہ ہونا بے عزتی کیوں ہے اگر وہ شخص واقعی بات کہتا ہے تب تو سچی بات پر غیظ آنا کیا معنے اور اگر جھوٹی بات کہتا ہے تب بھی جوش کے کچھ معنی نہیں خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس کی ماں میں یہ عیب نہیں اور اس کہنے والے کو نرمی سے اور دلسوزی سے اور جن الفاظ کو وہ پسند کرے ان الفاظ سے سمجھا دینا چاہیئے کہ بھائی یہ بات غلط ہے اور اگر نہ مانے تو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے اور اُس سے کچھ تعرض نہ کرنا چاہیئے تو اس پر جوش ہونے کی وجہ یہی ہے کہ اپنی ماں کی عزت ہر شخص کے دل میں ہوتی ہے اس کی نسبت کوئی برا لفظ سننا قطع نظر واقعیت اور غیر واقعیت سے گوارا نہیں ہوتا پس ہم کو ہماری نظر میں دین کی عزت ماں سے زیادہ ہے کوئی ناشائستہ لفظ دین کی نسبت سننا گوارا نہیں ہوتا اور فوراً جوش آ ہی جاتا ہے اور جوش نہ آنے کو ہم بے عزتی سمجھتے ہیں سوال کی طرح سوال کرو تب دیکھو ہم ناراض ہوتے ہیں یا نہیں خود ہماری کتابوں ہی میں اللہ و رسول کی نسبت ایسے سوال

لکھے ہوئے ہیں جن سے توحید اور رسالت اُڑی جاتی ہے اور علماء نے اُن کے جواب نہایت متانت سے دیئے ہیں۔ غیظ وغضب کا کچھ کام نہیں۔ ان سوالوں میں تحقیق مدنظر ہے اور آپ لوگوں کو تحقیق مدنظر نہیں صرف استہزاء بالدین اور چھیڑ چھاڑ منظور ہے۔ سو اس کو تو ہم کبھی نہیں سن سکتے۔ یہ جواب ہے تمہارے سوال کا اور اگر اس کو بھی تعصب ہی کہتے ہو تو دوسری بات لیجئے۔ آپ ایسے متعصبین سے تحقیق ہی نہ کیجئے ایسے جوش کے حضرات پرانے علماء ہیں جنہوں نے کبھی ایسی بددینی کی باتیں نہ سُنی تھیں آپ ہم سے پُوچھیئے ہم ایسے غیرت دار نہیں وجہ یہ کہ ہم تمہاری صحبت سے اور بار بار سننے سے بے غیرت ہو گئے ہیں۔ ہم سے بے تکلف پوچھیے جو کچھ پوچھنا ہو۔ جن صاحب نے یہ کہا تھا کہ علماء میں تعصب ہے ان پر تو ایسا اثر ہُوا کہ وہ فوراً میرے موافق بن گئے اور طالبعلموں کو بھی سُنا گیا کہ آپس میں کہتے تھے جس کو جواب لینا ہو یہاں آجاوے مگر کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ سوالات کرتے۔ بلکہ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ اپنے شبہات آزادی کے ساتھ لکھ کر بھیجدو یہ بھی کسی[1] سے نہ ہوا ان لوگوں کی باتیں ہی باتیں ہیں دوسرے کے سر الزام رکھ کر خود کام سے بچنا چاہتے ہیں غرض علماء سے بدگمانی دور ہی دور سے ہے ہمارے علماء تو ایسے کریم النفس اور شفیق ہیں کہ ان سے نفرت ہو ہی نہیں سکتی لیکن تصلب کیسے چھوڑ دیں نرمی اور چیز ہے اور مداہنت اور چیز ہمارے علماء نرم تو بہت ہی زیادہ ہیں ہمارے علماء کی کوئی تحریر دل آزار نہیں دکھائی جاسکتی۔ ہاں جواب ایسا ہوتا ہے کہ اس کا جواب دیا نہ جاسکے تحقیق کی شان یہ ہے لیکن

---

[1] مگر حضرت نے خود ہی سُنے سُنائے شبہات کو جمع کر کے ان کا حل کیا اس رسالہ کا نام الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ رکھدیا یہ جامع رسالہ قابل دید ہے اس کو علم کلام جدید کہنا چاہیئے اس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ہوئی ۱۲ اور اس رسالہ کا حل جناب حضرت مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحب مدفیضہم نے نہایت ہی سہل عنوان میں کیا ہے جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے ۱۲ جامع)

کوئی کلمہ بیہودہ نہ ہوگا بات کا جواب پورا دیں گے کسی کی رو رعایت نہ کریں گے۔ ان سے مداہنت نہیں ہو سکتی یہ طریقہ ان کو پسند نہیں کہ گنگا پر گئے گنگا داس جمنا پر گئے جمنا داس۔ آجکل لوگوں نے یہ شعر یاد کر لیا ہے ؎

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام،

یہ حافظ کا شعر کہا جاتا ہے مگر یہ حافظ شیرازی کا نہیں کوئی آنکھوں کا حافظ ہوگا۔ وہ تو ہندوستان آئے بھی نہیں تھے رام رام کیا جانیں ہمارے ان علماء سے جب کوئی ملتا ہے تو پھر کبھی نہیں کہتا کہ متشدد ہیں ہاں مخالفین کے علماء متشدد بھی ہیں اور ان کا علم بھی بہت ہی نا تمام ہے۔ حسن العزیز جلد چہارم ص ۲۵۴ تا ص ۲۵۶

(۶۴) ایک دفعہ ایک شخص میرے یہاں آئے اور نہایت انکساری سے کہا میں خادم ہونا چاہتا ہوں بعد تفتیش کے معلوم ہوا۔ ان کی مراد اس سے بیعت کی درخواست تھی کوئی آکر کہتا ہے دامن میں لو کوئی کہتا غلام بنا لو۔ یہ کیا تکلفات ہیں۔ ایک صاحب تشریف لائے اور سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ بہت دیر ہو گئی میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے کہا بیٹھتے کیوں نہیں کہنے لگے بلا اجازت کیسے بیٹھوں میں نے کہا، اچھا ایک ہفتہ تک اجازت نہیں۔ بس فوراً بیٹھ گئے میں نے کہا یہ کیا واہیات ہے یا تو بلا امر بیٹھتے نہ تھے یا اب باوجود نہی کے بیٹھ گئے اور رواج یہ ہے کہ جب رخصت ہوں گے تو الٹے پاؤں چلیں گے پشت کرنا بے ادبی سمجھتے ہیں۔ ظاہری برتاؤ تو اس قدر اچھا مگر اطاعت کا نام نہیں ہاں رسمی تعظیم و تکریم بہت ہے ہم لوگوں کی طبیعتیں ہی بدل گئی ہیں۔ ملخصاً۔ جلد مذکور ص ۲۷۲

(۶۵) بریلی میں ایک لڑکا میرے سامنے لایا گیا کہ اس کو ذرا نصیحت کر دیجئے یہ نماز نہیں پڑھتا میں (حکیم الامۃ مدظلہم العالی) نے اس سے پوچھا کہ بھائی نماز کیوں،

نہیں پڑھتے اس نے کہا سچ ہی کہدوں میں تو خدا تعالیٰ کے وجود ہی کا قائل نہیں یہ کہا اور کہہ کر رو دیا اور کہنے لگا کہ میرے ماں باپ سے مواخذہ ہوگا کہ مجھے علمِ دین نہیں پڑھایا اور نہ نیک صحبت کی طرف کبھی توجہ دلائی ۔ یہ لڑکا ایک اسلامی کالج میں پڑھتا تھا اب دیکھئے اس کی کیا حالت ہے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس کو اسلامی کالج سے نکال کر گورنمنٹ کالج میں بھیجئے وہاں یہ اتنا خراب نہ ہوگا جتنا کہ یہاں ہو گیا تھا ہے کہ گورنمنٹ کالج کو ترجیح دینی پڑی اس کالج پر جو مسلمانوں کا کالج کہلاتا ہے اور جیسے لوگ ہم سے لڑتے مرتے ہیں کہ اس کالج کو علماء بُرا کہتے ہیں دیکھئے یہ اثر آپ کے نزدیک بُرا ہے یا نہیں گورنمنٹ کالج میں یہ اثر نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس میں ہندو بھی ہوتے ہیں جب دو قوم اجنبی ایک جگہ رہتی ہیں تو دونوں میں مقابلہ رہتا ہے اس مقابلہ میں مذہبی پختگی بڑھ جاتی ہے اور وہاں ایک قوم ہے کوئی ایک دوسرے کا مقابل نہیں اس لئے خوب آزادی ہے اور مذہبی امور کی طرف کسی کو توجہ ہے نہیں ۔ حمیت پیدا نہیں ہوتی اور وہاں اس قدر خرافاتیں ہوتی ہیں کہ بات بات میں کفر کی نوبت آتی ہے ۔ ایک دفعہ چند شریر لڑکے اکٹھے ہوتے ڈاڑھی منڈاتے تو سب ہی ہیں مگر جہل کو مرکب بنایا اور معصیت کو کفر تک پہنچایا اس طرح کہ ایک لڑکا ڈاڑھی نہیں منڈاتا تھا اس کو کہہ سن کر ڈاڑھی منڈانے پر راضی کیا اور ایک بکرا منگایا پھر لڑکوں نے اعلان کیا کہ آج فلاں کمرہ میں عقیقہ ہوگا جب سب جمع ہو گئے تو ایک باپ بنا اور اس لڑکے کو بیٹا بنایا اور اس کو اس کے بیچ میں بٹھا کر ڈاڑھی منڈوا دی اور اس پر خوب قہقہے اڑے اور بکرا ذبح کر کے کھانا کھلایا گیا یہ ایک بہت ہی ادنیٰ حرکت ہے مگر اس کی حقیقت یوں معلوم ہو سکتی ہے کہ گورنمنٹ کے کسی حکم کے ساتھ اس کا تمسخر معاملہ کر کے دیکھو بغاوت ہوتی ہے یا نہیں پھر حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ یہ بغاوت کیسے نہیں ہے اس

بغاوت ہی کو شریعت کی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں عدالت میں اگر کوئی حاکم حکم سنادے اس پہ ذرا ہنس دیجئے کوئی کلمہ بھی منہ سے نہ نکالئے مگر دیکھئے اسی وقت توہین میں چالان ہوتا ہے یا نہیں حضرات مسلمانوں کی یہ نوبت ہے یہ ہیں وہ مضرتیں جو قوم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہنچ رہی ہیں اور غیر قوموں سے یہ نقصان نہیں پہنچے غرض وہ لڑکا گورنمنٹ کالج میں داخل ہوا۔ ایک سال کے بعد اس کی یہ حالت ہوئی کہ خدا کا بھی قائل تھا اور رسول کا بھی قائل تھا اور نماز کا بھی پابند تھا حسن العزیز جلد چہارم ص ۲۹۶

(۶۶) ایک صاحب نے میرے (یعنی مولانا حکیم الامت مدظلہم العالی کے) پاس ایک دفتر سوالات کا بھیجا میں نے لکھا کہ یہاں آؤ اور سمجھ لو انہوں نے لکھا کہ آؤنگا مگر دو شرط سے ایک تو یہ کہ گفتگو کے وقت چلانا نہیں، دوسرے یہ کہ تمہارے گھر کا کھانا نہ کھاؤں گا۔ میں نے لکھ دیا آؤ دونوں شرطیں منظور ہیں۔ آئے ملے۔ میں نے کہا صاحب ایک شرط سے رجوع کرتا ہوں یعنی یہ کہ چلانا نہیں۔ میں ضرور چلاؤں گا کیونکہ بعض مرض کا علاج چلانا ہی ہے اور اس میں بڑی برکت ہے اور اگر کہیئے کہ دھوکا دیکر بلایا تو اگر منظور نہیں آمد و رفت کا کرایہ لیجئے اور جائیے۔ آخر سیدھے ہوگئے۔ میں نے کہا کھانے کی نسبت کیا رائے ہے کہنے لگے وہی پہلی شرط ہے میں نے کہا بہتر پھر میں اٹھ کر گھر چلا تو پیچھے سے انہوں نے ایک لڑکا بھیجا کہ میں نے اس شرط کو بھی چھوڑ دیا کھانا بھی کھاؤں گا۔ پھر ان سے گفتگو کی اور تسلی ہوگئی۔ اور میں نے ان کو نصیحت بھی کی کہ مختلف کتابیں نہ دیکھو زیادہ خرابی اسی سے ہوتی ہے۔ غرض یہ ضرور ہے کہ اگر وہ ڈانٹیں تو برا نہ مانو ۔

در بہ ہر زخمے تو پر کینہ شوی
پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

وعظ نفی الحرج ص۲۷۔

(۶۷) میرے (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کے) چھوٹے بھائی نے طالب علمی کے زمانہ میں مجھے میرٹھ سے انگریزی میں خط لکھا جس سے مجھ کو انگریزی خواں کی تلاش میں پریشانی ہوئی۔ میں نے جواب عربی میں لکھا۔ اس وقت ابتدائی زمانہ تھا نو عمری کا جوش تھا تو میں نے اس میں تمام لغات مقامات حریری کے بھر دیئے۔ اب خط پہنچا تو انہیں ضرورت ہوئی کہ کوئی عربی خواں ملیں تو ان سے پڑھوائیں چنانچہ ایک تارک اللہ رئیس مولوی صاحب ملے مگر ان سے الفاظ بھی نہیں پڑھے گئے۔ بہت سوچتے رہے بھائی نے اُن سے کہیں کہدیا کہ میں نے انگریزی میں ایک خط لکھا تھا یہ اس کا جواب ہے بس پھر کیا تھا اب تو مولوی صاحب کو بات بنانے کا بہانہ مل گیا کہنے لگے اچھا تو ضدا ضدی میں لکھا گیا ہے اس کے معنے کیا ہوتے حالانکہ وہ با معنے تھا۔ حالانکہ یہ نہیں کہ خط مہمل ہوتا مگر مولوی صاحب کو چونکہ معنی معلوم نہیں تھے تو انہیں یہ کہتے ہوئے آر آئی کہ مجھے معنی معلوم نہیں اور یہ کہنا سہل معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے معنی ہی نہیں جیسے کسی مولوی صاحب سے پوچھا گیا تھا کہ عربی میں سُرین کس کو کہتے ہیں؟ تو مولوی صاحب بیچارے کو عربی معلوم نہ تھی کہنے لگے کہ عرب میں سُرین نہیں ہوتے، پھر اس کی عربی کیسے ہوتی تو ایسے ہی ان مولوی صاحب لے بات بنادی کہ ضدا ضدی کے معنی ہی کیا ہوتے۔ چنانچہ جب میں میرٹھ گیا تو پھر میں نے سمجھایا: وعظ اشرف العلوم ص۱۳

(۶۸) میں (یعنی حضرت مولانا حکیم الامۃ مدظلہم العالی) ایک دفعہ شاہجہان پور گیا۔ ایک رئیس کے یہاں دعوت تھی ہم لوگ دعوت میں گئے مگر نماز عشا کا وقت قریب تھا اس لئے میں نے کہا کہ پیشتر ہم نماز پڑھ لیں نماز سے فارغ ہو کر کھانا کھاویں گے۔ چنانچہ ہم لوگ مسجد میں گئے مگر وہ میزبان صاحب تشریف نہ

لائے وہ نماز تو پڑھتے تھے مگر مسجد میں نہ آتے تھے۔ مسجد کی حالت بہت خراب تھی۔ افسوس ہے کہ اللہ میاں کے گھر کی ایسی بیقدری کی جاتی ہے کہ نہ اس کی صفائی کا اہتمام ہے نہ خبر گیری کی جاتی ہے غرض اس مسجد میں کسی قسم کا بھی انتظام نہ تھا مٹی کے تیل کی ایک ڈبیا رکھی تھی اور روشن ہو رہی تھی جس کے دھوئیں اور بدبو سے سخت کلفت ہوئی مسجد سے واپسی کے بعد میں نے اس حالت پر افسوس ظاہر کیا تو وہ رئیس شرما گئے غنیمت ہے۔ وعظ تاسیس البنیان ص۱۰

(۶۹) فرمایا کانپور میں محلہ فتلگنج میں ایک دفعہ میرا وعظ ہوا وہاں بہت غیر مقلدین رہتے ہیں میں نے وعظ میں کہا کہ مسائل دو طرح کے ہیں منصوصہ اور غیر منصوصہ۔ سو غیر منصوصہ میں ظاہر ہے کہ رائے کا اتباع کرو گے۔ اور اپنی رائے سے بڑے کی رائے زیادہ قابل اتباع ہے۔ اور یہاں سوائے ابو حنیفہ رح کے دوسرے مذاہب کے فتاوے مل نہیں سکتے تو لامحالہ ان مسائل میں امام صاحب کا اتباع کرو گے اور ایسا ہی کرتے بھی ہو تم زیادہ مسائل میں عملاً حنفی ہوئے اور اعتبار اکثر ہی کا ہوتا ہے تو اس اعتبار سے تم عملاً حنفی ہو گے تو پھر اپنے کو حنفی ہی کیوں نہیں کہتے کہ جھگڑا فساد بھی نہ ہو البتہ شاید تم کو یہ شبہ ہو کہ اس صورت میں تو حنفی کہنے میں لوگوں کو دھوکہ ہوگا شاید یہ بھی متعارف حنفی ہیں یعنی فی جمیع المسائل تو ہم میں اور دوسرے حنفیوں میں فرق ہی نہ رہا۔ سو فرق میں (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) بتلائے دیتا ہوں وہ یہ کہ حنفی کی دو قسم ہو جائے گی ایک نمبر اول یعنی جمیع المسائل وہ تو ہم ہوئے دوسرے نمبر دوم یعنی فی اکثر المسائل وہ تم ہوئے بس تو اپنے کو حنفی نمبر دوم کہہ دیا کرو۔ دھوکہ نہ ہوگا۔ کلمۃ الحق ص۴۷ م ۲۴۴۔

(۷۰) فرمایا کہ میرا سن ولادت سنہ ۱۲۸۰ھ ہے پانچویں ربیع الثانی بوقت صبح صادق مادہ تاریخی کرم عظیم ہے یا مکرم عظیم کہئے۔ عبدیت کی صفت تو حضرت کے

گویا خیر میں داخل ہو گئی ہے۔ بارہا فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ مجھے آخرت میں درجوں کا وسوسہ بھی کبھی نہیں ہوتا بلکہ صرف یہ تمنا ہے کہ جنت میں جگہ مل جاوے چاہے جنتیوں کی جوتیوں میں ہی ہو اور یہ تمنا بھی بطور استحقاق کے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ عذاب کا تحمل نہیں ایک مولوی صاحب کو خط اس طرح لکھا تھا۔ از احقر انام اشرف برائے نام۔ بخدمت الخ..... احقر (خواجہ عزیز الحسن صاحب عم فیوضہم) سے مادہ تاریخی مذکورہ بالا کا لطیفہ فرما چکے تھے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے بلا مشورہ و اجازت مٹھائی بازار سے منگا کر بطور ہدیہ پیش کی۔ حضرت نے ناپسند فرمایا کہ جب آپ نے یہیں سے منگائی ہے تو مجھ سے بے تکلف دریافت کر لینا چاہیئے تھا۔ کیونکہ دیکھئے آپ کا تو روپیہ خرچ ہوا اور میرے یہاں مٹھائی کسی کام نہ آئیگی میرے کوئی بچہ نہیں جو کھاوے بس ہم دو میاں بی بی ہیں۔ ہمیں مٹھائی کا شوق نہیں اب سوائے اس کے کہ اوروں کو تقسیم کر دی جائے اور کیا ہو سکتا ہے احسان اور بوجھ تو میرے اوپر ہوا اور فائدہ دوسروں کا ہوا۔ بھلا ایسے ہدیہ لینے سے کیا جی بھلا ہو چونکہ یہ خلاف قاعدہ بات ہے اس لئے اگر اور کوئی ہوتا تو واپس کر دیتا لیکن آپکی دل شکنی کے خیال سے خیر اتنا کرتا ہوں کہ نصفٌ لی و نصفٌ لک، آدھی میں لے لوں گا آدھی آپ رکھئے تاکہ آپ کو بھی تو معلوم ہو کہ بے دل سے جو چیز کھائی جاتی ہے وہ کیسی بری معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ کھائیں گے لیکن مزا نہ آئے گا تو معلوم ہو گا کہ دوسرے کو بھی کچھ مزہ نہ آیا ہو گا۔ آیندہ ایسی باتوں کا بہت خیال رکھنا چاہیئے یہ آپ نے تکلف کا برتاؤ کیا۔ افسوس ہے اتنے دن ملتے جلتے ہو گئے لیکن میری طبیعت کا اندازہ آپ کو معلوم نہیں ہوا۔ اب آپ ہی اس مٹھائی کے دو حصے آدھے آدھے کیجئے (ہنس کر فرمایا) لیکن استادی نہ کیجئے گا۔ ان صاحب نے اپنی طرف کا حصہ کم رکھا حضرت کی طرف کا زیادہ۔ حضرت نے اُن کی طرف کا اٹھا لیا کہ اب اس

کے خلاف تو کہہ ہی نہیں سکتے کہ یہ آدھا نہیں ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اس کا آدھا ہونا مسلّم ہے وہ صاحب بیچارے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے حضرت نے احقر (خواجہ عزیز الحسن صاحب عم فیوضہم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھئے میرا مادہ تاریخی مکرِ عظیم ٹھیک ہے۔ یا نہیں۔ میں آخر شیخزادہ ہوں اور شیخ زادے بڑے فطرتی ہوتے ہیں مجھے بھی فطرتیں بہت آتی ہیں لیکن الحمدللہ انہیں کبھی استعمال نہیں کرتا ہوں ہاں اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے کا نقصان نہیں ہوتا تو اپنے دفعِ ضرر کے لئے استعمال بھی کر لیتا ہوں جیسے اس وقت کیا۔ حسن العزیز جلد اوّل ص۱۲ م ۱۰۱۔

(۱۷) ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ میں نواب صاحب کی خواہش پر میرا ڈھاکہ جانیکا قصد ہوا اور راہ میں کلکتہ بھی ٹھہرنا ہوا وہاں نواب صاحب کے ایک دوست ہم لوگوں کو لینے آئے ہوئے تھے مگر وہ کہنے لگے ہمیں آپ کے تشریف لانے سے بہت مسرت ہوئی کیونکہ آنے کی اُمید نہ رہی تھی کہ یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ نے یہ شرط لگائی ہے کہ کچھ دیا نہ جائے میں نے کہا یہ شرط کونسی دشوار تھی کہنے لگے ایسا کیسے ہو سکتا ہے اپنے محبوب کی خدمت کو تو جی چاہتا ہی ہے میں نے کہا کیا محبوب کی خدمت اسی میں منحصر ہے کہ محبوب ہی محب کے گھر جاوے محب بھی تو محبوب کے گھر جا کر خدمت کر سکتا ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ معاف کیجئے پیاسا کنوئیں کے پاس جایا کرتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جایا کرتا بدتمیزی تو دیکھئے مجھ کو بیحد غصہ آیا اور میں نے کہا کہ صاحب آپ کا تو یہ خیال ہے کہ ہم پیاسے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ آپ ہی پیاسے ہیں مگر ہمارے پاس تو دلیل ہے آپ کے پاس دلیل نہیں وہ دلیل سنئے کہ ہمارے پاس دین ہے اور اس کی آپ کو ضرورت ہے اور وہ آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کے پاس نقد ہے اور ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں اور آپ کے

پاس دنیا ہے اور وہ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے پاس بقدر ضرورت موجود ہے اب آپ خود فیصلہ فرماویں کہ پیاسا کون ہے وہ صاحب یہ سُنکر معافی کے خواستگار ہوئے اور پشیمان ہوئے مَیں نے قولاً تو اپنے مجمع کا استغنا اس طور سے ظاہر کیا اور عملاً اس طرح ظاہر کیا کہ مَیں پھر ڈھاکہ نہیں گیا کلکتہ ہی سے واپس ہوگیا اور مکان پر چلا آیا اس پر بعض نو تعلیمیافتہ لوگوں کے خطوط میرے پاس آئے کہ ہم کو تمہارے ڈھاکہ جانے کا بہت افسوس تھا اور اب یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ کلکتہ ہی سے واپس چلے آئے بس مولویوں کو اس طرح رہنا چاہیئے ؎

نہ بر اشتر بر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم   نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

(وعظ تاسیس البنیان صہ 19 -

(**۷۲**) ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مدرسہ میں جلسہ تھا ایک واعظ صاحب نے وعظ فرمایا اور وعظ میں یہ فرمایا کہ علی گڑھ کالج والے سودی ڈگریاں کرتے ہیں اس لئے ملعون ہیں بات تو صحیح تھی مگر الفاظ سخت تھے اس لئے سامعین کو گراں گزرا اور ناگوار ہوا سامعین بگڑ گئے جب لوگوں کی ناگواری کا مہتمم جلسہ کو احساس ہوا تو اس کا تدارک کرنے کے واسطے کھڑے ہوئے اور خود تقریر کی کہ خدا اور رسول نے یہی کہا ہے جو واعظ صاحب نے فرمایا ہے، وغیر ذلک مگر مہتمم صاحب کی تقریر سے بھی اُس کا کوئی تدارک نہ ہوا تو مہتمم صاحب میرے پاس بھاگے ہوئے آئے۔ غریب کی جورو سب کی بھابی چونکہ مجھے اپنے کرم فرماؤں سے انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس لئے ہر ایسے موقع پر مجھے ہی سب پھنسانا چاہتے ہیں اوّل تو میں نے کہا کہ تمہاری یہی سزا ہے بات کہو مگر نرمی سے کہو سختی کی کیا ضرورت ہے کرو تم اور بھگتوں میں یہ اچھی رہی مگر وہ اصرار کرنے لگے

تو میں کھڑا ہوا۔ میں نے کہا کہ صاحبو! اعمال و افعال مباحہ میں نیت پر مدار ہے تو اگر کوئی شخص سخت لفظ کہہ دے مگر نیت مذموم نہ ہو تو ناگوار نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ نیت تو مذموم نہیں ہے اب دیکھنا چاہیئے کہ مولوی صاحب کی نیت کیا تھی ظاہر ہے کہ اُنہوں نے جو کچھ کہا ہے محض شفقت کی راہ سے کہا ہے جیسے کسی کا لڑکا زہر کھانے لگے اور وہ اس کو سختی کے ساتھ دھمکائے تو اس سے کسی کو ناگواری نہیں ہوتی کیونکہ جانتے ہیں کہ منشاء اس کا محض شفقت ہے اب بتلایئے کہ ہم لوگ جو بُرے افعال کرتے ہیں ان سے مولوی صاحب کا کیا نقصان ہے اور اگر ہم پارسا ہو جائیں۔ تو اس سے مولوی صاحب کا کیا نفع ہے ظاہر ہے کہ نفع نقصان جو کچھ ہے ہمارا ہی ہے اب اگر کوئی شخص ہم کو مضر باتوں سے سختی کے ساتھ روکے تو یہ اس کی شفقت ہے یا نہیں اس کو آپ کی حالت بگڑنے پر افسوس ہوتا ہے اس لئے غصہ اور تیزی کے ساتھ آپ کو روکنا چاہتا ہے اگر شفقت نہ ہوتی تو اس کی جوتی کو غرض پڑی تھی جو کسی کی اصلاح کے درپے ہوتا علاوہ ازیں مجھ کو حیرت ہے کہ آپ لوگ تو فطرت کے بہت معتقد ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ آدمی فطرۃً مختلف المزاج پیدا ہوئے ہیں مزاجوں میں باہم بڑا تفاوت ہے چنانچہ انبیا علیہم السلام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی سب کو معلوم ہے اور ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ایک ہمارے حضورؐ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ نے مولوی صاحب کی سختی کو فطرت کا تابع کیوں نہ تجویز کر لیا۔ پھر میں نے اسلامی احکام اور کالج والوں کا اُن سے بُعد بیان کر کے اخیر میں کہا اب آپ ہی بتلایئے کہ ایسا شخص جو ان احکام کی پابندی نہ کریں مرحوم برحمت خاص ہو سکتا ہے یا رحمت خاص سے اس کو بعد ہو گا اور یہی معنی ہیں لعنت کے بس اب آپ ہی فیصلہ کر دیجئے ہم کچھ نہیں کہتے۔ تو میں نے دونوں

قسم کے افعال بیان کر کے فیصلہ خود ان سے چاہا جس سے سب سامعین خود معترف ہوگئے کہ ہم ہی خطاوار ہیں۔ تو ایک طرز تو یہ ہے کہ اُن کے اقوال و افعال اجنبیانہ طور پر بیان کر دیئے جائیں اور کسی خاص شخص کو مخاطب نہ کیا جاوے پھر خود اُن سے ہی فیصلہ دریافت کر لیا جاوے تو یہ طرز زیادہ موثر ہوتا ہے اور ایک طرز یہ ہے کہ خود فیصلہ کر کے حکم لگا دو کہ تم ملعون ہو جیسے ان مولوی صاحب نے کیا تھا۔ یہ طرز موثر نہیں ہوتا۔ وعظ (تاسیس البنیان ص ۲۷۔

(۷۳) میں بھرتپور گیا تھا خواجہ عزیز الحسن صاحب میرے ہمراہ تھے چند وعظ بیان کرنے کا اتفاق ہوا جو خواجہ صاحب نے لکھے وہ سفر میں تھے ان کے ہمراہ ایک بیگ تھا جس میں وعظ بھی تھے وہ بیگ ریل میں چوری چلا گیا خواجہ صاحب کو وعظوں کے ضائع ہونے کا بہت رنج ہوا میں نے ان کے رنج دفع کرنے کو کہا کہ میاں سر سلامت چاہیئے ٹوپیاں بہت یعنی واعظ رہے تو وعظ بہت (وعظ تاسیس اطمینان ص ۲۹۔

(۷۴) ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں تو بالغ تھا نابالغ نہیں اور مجھے نماز پڑھانے کا اتفاق ہوا تو داہنی طرف آدمی کم تھے۔ میں نے ایک صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ داہنی طرف آدمی کم ہیں آپ اس طرف آجائیں تو وہ صاحب بائیں طرف اخیر میں کھڑے تھے اُسی طرح کھڑے رہے میں نے ان کے پاس والے سے کہا کہ بھائی ان کی تو شان گھٹتی ہے تم ہی اس طرف آجاؤ یہ سُنکر وہ بیحد غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم کبھی اس مسجد میں نہ آویں گے ہماری بے حرمتی ہوتی ہے (اس وقت میرا بچپن کا زمانہ تھا اور بچپنے میں تیزی ہوتی ہی ہے اس لئے یہ تیز جملہ منہ سے نکل گیا اب اس وقت تو ایسی بات کبھی نہ کہوں) میں نے کہا مسجد بھی آپ کی محتاج نہیں چنانچہ وہ حضرت فوراً جوتے اُٹھا اور چلتے ہوئے تو بعضے لوگوں کی یہاں

یہ حالت ہے کہ غصہ تو مجھ پر اور انکار و تکبر مسجد میں آنے سے۔ (وعظ علو العباد ص ۲۲)

(۷۵) ایک شخص نے میرے پاس چند سوالات بھیجے جو محض فضول تھے اور اخیر میں دھمکانے کے لئے حدیث میں من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام من نار بھی لکھدی میں نے لکھ دیا کہ تم کو جواب نہ ملے گا اور جب ایسا ہو اس وقت تم میری مدد نہ کرنا افسوس آجکل علماء پر تو الزام ہے بدخلقی کا اور لوگ خود خیال نہیں کرتے کہ ہم کیسے بیہودہ امور دریافت کرتے ہیں۔ (وعظ شرط التذکر ص ۲۰)

(۷۶) ایک مولوی صاحب پٹنہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے انہوں نے سفر حج کیا اُن کے پاس ایک کتاب سفرنامہ حج تھی وہ اُس سفر میں جو کام کرتے اس کتاب کو دیکھ کر کرتے تھے اس کتاب میں یہ واقعہ بھی لکھا تھا کہ عرب میں یہ عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے قیمتی لباس والے بھیک مانگتے ہیں اتفاق سے ایک دن جعفر آفندی جو پاشا کا مترجم تھا اور باوجود ہندی ہونے کے زبان ترکی وغیرہ پر قادر تھا اور شان و شوکت سے تھا ان مولوی صاحب کے سامنے آیا اور آکر سلام کیا مولوی صاحب سخت لہجہ میں کہنے لگے کہ کچھ کہتا ہے جعفری آفندی خوش مزاج بھی تھا کہا ہاں چار روز کا بھوکا ہوں۔ کچھ مدد کیجئے۔ مولوی صاحب نے کہا یہ لباس فروخت کرو اور کھاؤ تم کو ایسے لباس کے ساتھ سوال کرتے شرم نہیں آتی۔ جعفر نے کہا کہ لباس بیچ دوں گا تو بھیک کیسے ملے گی۔ اس لباس کے لحاظ سے تو کوئی روپے دو روپے دے دیتا ہے اور یہ نہ ہو تو دو چار ہی آنے پر ٹرخا دیا کریں گے۔ خیر جعفر آفندی یہ گفتگو کر کے اُس وقت تو چلے گئے۔ پھر ایک دن یہ مولوی صاحب میرے (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کے) پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے جعفر آفندی گزرے میں نے ان کو بلایا اور تعظیم کی یہ مولوی صاحب حیران ہوئے کہ میں نے تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا تھا او یہاں

معاملہ بالعکس ہے آخر ان مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں میں نے کہا ایک معزز شخص ہیں وغیرہ وغیرہ تب تو مولوی صاحب نہایت شرمندہ ہوئے۔ اب جعفر آفندی نے مزاحاً مجھ سے کہا کہ ذرا ان مولوی صاحب سے دریافت کیجئے کہ انہوں نے مجھ سے بے رُخی کا برتاؤ کیوں کیا۔ وہ بیچارے بہت معذرت فرمانے لگے کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ بعض لوگ عرب میں عمدہ لباس پہن کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں وہ مکار دھوکہ باز ہوتے ہیں اور علاوہ کتاب میں دیکھنے کے میں نے ایسے لوگ آنکھوں سے بھی دیکھے میں نے یہی سمجھ کر ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔ میں سمجھا کہ یہ بھی کوئی سائل ہیں جو اس شان سے آ رہے ہیں جعفر آفندی بہت خوش طبع تھے فوراً بولے کہ اجی مولوی صاحب آپ نے جن لوگوں کو بھیک مانگتے دیکھا وہ عمامہ باندھے تھے یا ترکی ٹوپی پہنے اُن مولوی صاحب نے کہا واقعی عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ جعفر نے کہا حضرت میں تو ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھا نہ کہ عمامہ باندھے ہوئے۔ آپ نے مجھ کو ان پر کیسے قیاس کر لیا سچ ہے۔

یک من علم را دہ من عقل باید محض کتاب دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کافی ذریعہ معلومات کا نہ ہو۔ (وعظ سنت ابراہیم ص)

(۷۷) ارشاد فرمایا کہ پیلی بھیت میں ایک بزرگ تھے۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ کوئی بات بتلایئے جس سے خدا تعالےٰ کی محبت پیدا ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑو۔ میں نے ان کے ارشاد کے موافق اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا۔ فرمایا۔ کیوں کچھ گرمی پیدا ہوئی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمانے لگے۔ بس اسی طرح رگڑتے رگڑتے محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے (دعوات عبدیت، جلد اوّل، ملفوظ ۳۸)

(۷۸) ارشاد فرمایا کہ ایک صوفی غیر متشرع الہ آباد کے میرے پاس گنگوہ میں

آئے اور پھولوں کا ایک ہار مجھے دے کر کہا کہ آج ایک باغ میں سے پھول لایا تھا۔ کچھ تو حضرت شاہ عبدالقدوسؒ صاحب کے ہاں چڑھائے اور کچھ اس میں کا بچا ہُوا تمہارے پاس لے آیا۔ مَیں نے ان سے ان کے مذاق کے موافق کہا کہ اگر کوئی شخص نہایت لطیف المزاج اسّی روپیہ تولہ کا عطر لگاتا ہو اور آپ اس کے پاس بالکل معمولی اور خراب چار آنہ تولہ کا عطر لے جا کر اس کے کپڑوں میں لگا دیں تو کیا اس کو ناگوار نہ ہوگا۔ سو یہ حضرات اولیاء اللہ جنت کے روائح سے مشرف ہو چکے ہیں اور ان کا روائح اور دنیا کے پانچ پھولوں میں یہی نسبت ہے تو ان کے قبور پر ان پھولوں کا چڑھانا ان کو کیسے گوارا ہوگا یہ بات اُن کی سمجھ میں آگئی اور توبہ کرلی اور کہنے لگے کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

(دعوات عبدیت جلد اول مجادلات معدلت ص ۱۲)

(۷۹) فرمایا والد صاحب نے ایک مرتبہ مجھ کو رضائی اوڑھے ہوئے دیکھ کر فرمایا رضائی کیسی اوڑھی ہے، مَیں نے عرض کیا حضرت پھر مجھے دیوبند میں کیوں پڑھایا وہاں تو ایسی ہی رضائی اوڑھنا آوے گا۔ ایسے دانشمند تھے کہ پھر ایسے امور پر کبھی کچھ نہیں کہا تو علم میں مشغول ہو کر وضع بھی علمی ہی رکھے (کلمۃ الحق ملفوظ ص ۳۳۸)۔

(۸۰) فرمایا کہ اس دو صدی کے اندر جس شان کے علماء ہندوستان میں گذرے ہیں اُن کے زمانہ میں ان کی مثال ممالک اسلامیہ میں بھی بہت کم ہے ایک عالم تھے مکہ معظمہ میں درس میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن نازل ہوا عرب میں اور پڑھا اس کو مصریوں نے اور لکھا رومیوں نے اور سمجھا ہندیوں نے۔ نیز سیاح لوگوں سے معلوم ہُوا کہ اسلام کی جو اچھی حالت ہندوستان میں ہے وہ ممالک اسلامیہ میں بھی نہیں۔ اس کا راز یہ سمجھ میں آیا کہ وہاں کے لوگ اسلامی سلطنت

ہونے کی بنا پر بے فکر ہیں اور ہندوستان میں ہر مسلمان چاہے وہ عوام میں سے ہو یا وہ علماءؒ ہوں اپنے کو ذمہ دار سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے خبر نہ لی تو اور کون سرپرست ہے جو خبر گیری کرے گا۔ اسی طرح دنیاوی امور میں بھی بلاد یورپ کو کوئی خاص امتیاز نہیں۔ حضرت مولانا (محمود حسن صاحب) دیوبندی جب مالٹا سے تشریف لائے تو ظرافت سے فرمایا کہ جب تک یورپ نہ دیکھا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ وہاں کا آسمان کم از کم سونے کا ہوگا اور زمین چاندی کی مگر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی ایسا ہی آسمان اور زمین ہے۔ مالٹا کے متعلق ایک اور لطیف بات فرمائی کہ جب تک مالٹا میں رہے، پاؤں تو بند تھے مگر زبان کھلی ہوئی تھی اور ہندوستان میں آکر پاؤں تو کھل گئے مگر زبان بند ہو گئی۔ حضرت مولانا (محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی عجیب ہی ذات تھی۔ حضرت کو بہت کم لوگوں نے پہچانا مدعیوں کا محض دعویٰ ہی دعوی ہے کہ ہم متبع ہیں تم تو محض اپنے اغراض کے متبع ہو تم بڑے فخر سے کہتے ہو کہ حضرت اسیر مالٹا تھے ہم تو (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) یہ کہتے ہیں کہ امیر مالٹا تھے تم کہتے ہو کہ شیخ الہند تھے ہم کہتے ہیں کہ شیخ العالم تھے اب تبلاؤ مولانا کا زیادہ معتقد کون ہے جس چیز کو ہم ذریعہ نجات سمجھتے ہیں یعنی اپنے بزرگوں سے تعلق بحمداللہ وہ حقیقت میں ہم کو حاصل ہے۔ تمہارے زبانی دعوے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر اجتہادی اختلاف سے تم ہمارے اعتقاد کا انکار بھی کر دو تو ہم دلگیر نہیں ہوتے جیسے کیمیا گر کبھی دلگیر نہیں ہوتا اگرچہ ساری دنیا اس کو جھٹلائے وہ کہتا ہے کہ الحمدللہ میں کیمیا گر ہوں یہ سب جھوٹے ہیں۔ حضرت مولانا نے مجھ (حضرت حکیم الامۃ مولانا مرشدنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ) سے اختلاف میں بھی اتفاق رکھا یہ کتنی مسرت کی بات ہے۔" (الافاضات الیومیہ جلد چہارم ص ۱۰۵/۲۱۳)

(۸۱) فرمایا کہ یہ حکایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا (محمود حسن صاحب دیوبندی) رحمۃ اللہ علیہ جس وقت مالٹا میں تشریف فرما تھے ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا حضرت گھبراتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھے کہ گھر یاد آرہا ہوگا یا جان جانے کا خوف ہوگا فرمایا کہ میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جو تم سمجھے ہو بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں (م ۹۱ ص ۲۸۶ الافاضات الیومیہ جلد سوم)

(۸۲) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا حضرت (اقدس حکیم الامۃ مدظلہ) مجدد وقت ہیں جیسا کہ بہت لوگوں کا خیال ہے فرمایا کہ احتمال تو مجھ کو بھی ہے مگر اس سے زائد نہیں۔ جزم اوروں کو بھی نہ کرنا چاہئے ظن کے درجہ کی گنجائش ہے باقی قطعی یقین کسی مجدد کا بھی نہیں ہوا جس پہ جتنا اور جس درجہ کا بھی فضل ہو جاوے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم (الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ) ص ۲۶۹ م ۴۷۲ ج ۴ افاضات الیومیہ

(۸۳) فرمایا کہ ہم نے زمانہ طالب علمی میں ایک سوال حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا قرآن شریف افضل ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قرآن شریف کی تعظیم فرماتے تھے لہذا قرآن شریف افضل[عہ] ہے پھر مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زبانی پوچھا گیا تو فرمایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[عہ] روی السخاوی مرفوعاً فی المقاصد الحسنۃ القرآن افضل من کل شیء دون اللہ انتھی وفی الباب احادیث اخری ولا یخفی عموم فضلہ سواء یراد بہ کلام نفسی او لفظی والفرق بین کلام النفسی وبین الکلام اللفظی فی ھذا الحکم لا یقبلہ قلبی فالمحقق عندی ما اجاب ھذا الحبر القطب نور اللہ مرقدہ۔ احمد حسن سنبھلی عفی عنہ

کا منشاء کمالات صفت علم ہے اور منشاء قرآن صفت کلام ہے۔ اور صفت علم صفت کلام سے افضل ہے۔ پھر مولانا سید احمد صاحب دہلوی سے پوچھا تو کچھ تأمل کے بعد فرمایا کہ قرآن شریف میں دو مرتبے ہیں ایک تو کلام نفسی کا کہ وہ غیر مخلوق ہے یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہے کیونکہ صفت الٰہی ہے اور ظاہر ہے کہ قدیم افضل ہوگا حادث سے اور دوسرا مرتبہ کلام لفظی کا اور ہرچند کہ یہ مرتبہ بوجہ کلام نفسی پر دال ہونے کے معظم ہے لیکن مخلوق ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہیں تو کلام کے اس مرتبہ سے حضورؐ افضل ہیں اس کے بعد جب حضرت مولانا گنگوہیؒ دیوبند تشریف لائے۔ تو ایک طالب علم نے پھر مولانا سے دریافت کیا تو مولانا گنگوہیؒ بہت ناخوش ہوئے اور وعظ فرمایا کہ بعضے لوگ بیہودہ سوالات اس قسم کے کرتے ہیں مقصود یہ تھا کہ اس قسم کے لایعنی قیل وقال اور بیکار سوالات مذموم ہیں۔

(۸۴) ایک مرتبہ علی گڑھ میں گاڑی کرایہ کرنے کی غرض سے اڈے پر جانا ہوا وہاں مختصر سی سرائے تھی اس کو دیکھ کر (حضرت) مولانا (مدظلہم العالی) نے فرمایا کہ دنیا میں انسان کو صرف اس قدر مکان کافی ہے اور اسباب معیشت صرف اتنا چاہیئے کہ جس قدر میرے ساتھ سفر میں ہے کہ میں خود اس کو اٹھا سکتا ہوں۔ (مقالات حکمت جلد پنجم ملفوظ ۱۴۲ ص ۲۰)

(۸۵) فرمایا کہ سید احمد خان کے معتقدین میں سے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک قادیانی کس قسم کا شخص تھا اور سید احمد خاں کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے میں نے جواب میں دو فقرے لکھے کہ ان کے تمام تر حالت کا پورا نقشہ ہے۔ قادیانی کی بابت تو میں نے لکھا مبتلائے اوہام اور سید احمد خاں کی نسبت لکھا نادان دوست کہ لوگوں کی خیر خواہی تو کی اس میں تو شک نہیں لیکن

اپنی نادانی سے لوگوں کو ضرر پہنچایا (جلد مذکور ملفوظ ۱۴۰ ص ۵۳)

(۸۶) ثقات سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ علاوہ نماز تہجد کے بعد نماز فجر وقت اشراق تک مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور یہی طریقہ حضرت مرشدی سیّدی مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم کا ہے اور حضرت سیّدی حکیم الامۃ دام مجدہم علاوہ نماز تہجد کے بعد نماز فجر جنگل کی طرف تنہا تشریف لیجاتے ہیں جس میں کامل خلوت کے ساتھ مشغول ذکر رہتے ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ مجھے تو حق تعالے اس وقت میں یعنی سیر صحرا ہی میں بہت کچھ عطا فرما دیتے ہیں۔

(از مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی) وعظ حقیقت الصبر ص ۲۸)

(۸۷) مجھے (یعنی حضرت مولانا حکیم الامۃ مدظلہم العالی کو) ایک مرتبہ مدعو ہو کر اپنے احباب کے ساتھ شملہ (پہاڑ) جانے کا اتفاق ہُوا بعد جمعہ میرا بیان تھا کرنیل عبد المجید خان جن کی طرف سے وعظ کا اعلان تھا ان سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا انہیں کا بیان ہوگا انہوں نے کہا ہاں تو وہ صاحب بولے کہ ان کا لباس کیسا ہے جیسے پاخانہ میں سے آئے ہوں انہوں نے کہا کہ بعد وعظ کے کہنا چنانچہ انہوں نے بیان سُنا بعد وعظ کے بولے کہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ جیسے کپڑے ہیں ویسی لیاقت ہوگی مگر یہاں تو برعکس قصہ ہے یہ قصہ مجھے بھی معلوم ہُوا تو دوسرے بیان میں مَیں نے کہا کہ صاحبو! بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مولویوں کو اعلےٰ درجہ کے اور قیمتی کپڑے پہننا چاہئیں میں اس رائے کی تائید کرتا ہوں کیونکہ اس کا منشاء محض دینی مصلحت ہے کہ باوقعت لباس سے واعظ کے اثر کی وقعت ہوگی مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگوں کو قیمتی کپڑے بنانے دشوار ہیں اس لئے کہ اگر جائز آمدنی سے روپیہ کمانا چاہیں تو کوئی مولوی تحشیہ کتب کا کر کے کھاتا ہے اور کوئی تدریس میں مشغول ہے جن میں کوئی دس کا ملازم ہے اور کوئی بیس کا انتہائی معراج

اور نہایت عزت ہوئی تو پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس آمدنی میں تو قیمتی کپڑے بننا دشوار ہیں اور اگر اس کے سوا دوسرا طریقہ اختیار کریں کہ وعظ کہتے اور وصول کرتے پھریں سو وہ عقلاً اور نقلاً دونوں طرح ناجائز ہے بس اس حالت میں صرف ایک یہ طریقہ رہ گیا کہ آپ لوگ جوڑا بنا دیجئے اور جتنی قیمت کا چاہیے بنا دیجئے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اسے اپنے گھر نہ لےجاویں گے بلکہ شملہ ہی میں رکھ جاویں گے اور جب یہاں آنا ہُوا کرے گا تو اُسے پہن کر وعظ کہہ دیا کریں گے اور اگر کسی دوسری جگہ بھی اس مذاق کے آدمی ملیں گے۔ ہم اُن سے بھی جوڑا بنوا کر رکھ لیں گے اب میں منتظر ہوں کہ یہ معترض صاحب جنہوں نے محض خیر خواہی کی وجہ سے ہمارے لباس پر اعتراض کیا ہے کیسا قیمتی جوڑا بنا کر لاتے ہیں ان معترض صاحب کو یہ سُنکر بے حد غیرت آئی بس آجکل لباس کو دیکھا جاتا ہے جس کے کپڑے اچھے ہوئے اس کو لیڈر اور سیکرٹری بنا لیا جنہیں کام کا طریقہ بھی معلوم نہیں محض نکمے لوگ انجمنوں کے منتظم ہیں ایسے مواقع میں کام کے آدمی رکھے نہیں جاتے چنانچہ آجکل اس قسم کے منتظمین بہت ہیں اور وہ جو جی میں آتا ہے کرنے لگتے ہیں یہ حالت ہے آجکل کے کام کرنے والوں کی اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ صاحبو! حضور نے تو ضعفاء کو پہلے متوجہ کیا تھا اور ہم ذی اثر لوگوں کو پہلے لیتے ہیں حالانکہ حضور کے انتخاب سے ضعفاء کا مرتبہ پہلے ہے اقویا کا پیچھے ضعفا میں باطنی قوت برکت خلوص زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اقویا کے چنانچہ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ ایک گاؤں ہے کیرانہ کے راستے میں وہاں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اڑھائی آنہ دیئے میں نے فوراً لے لئے اور دعا دی۔ اس لئے کہ اڑھائی آنہ کے پیسہ میں اگر کوئی زبردستی بھی ریا کی نیت کرے تب بھی قادر نہیں خدا جانتا ہے اگر کوئی سو پچاس دیتا ہے تو طبیعت

رُکتی ہے کیونکہ احتمال ریا وغیرہ کا ہوتا ہے اور اڑھائی آنہ کے پیسے میں کسی چیز کا بھی احتمال نہیں۔ بہرحال غربا اور ضعفاء ہی کے پیسہ میں خاص برکت ہوتی ہے حدیث میں ہے ھل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم معلوم ہوا کہ نصرت علی الاعداء بھی ضعفاء ہی کی وجہ سے ہے تو بیرونی برکت اور اندرونی برکت دونوں ضعفاء ہی کی وجہ سے ہیں نصرت سے بیرونی برکت ہے اور رزق سے مراد اندرونی برکت ہے۔ یہ سب غربا کی بدولت ہے۔ وعظ تاسیس البنیان ص ۱۴

(۸۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے تو (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) میرے سینہ کی شرح کر دیتا ہے اور کل لوگوں نے وحدۃ الوجود کو تھوڑا تھوڑا سمجھا لیکن تو نے پورا سمجھا یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے۔ لمعان الدین ص ۸ ملفوظ ص ۲۵

(۸۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا تم (یعنی حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی) پر ایک سخت حالت آنے والی ہے اس میں جلدی مت کرنا بعد میں ایسی حالت آئی کہ خودکشی کرنے کو جی چاہتا تھا مگر حضرت کے ارشاد کی برکت سے محفوظ رہا (اس کا پورا واقعہ حکایت ص ۵ و ص ۶۲ میں مذکور ہے) لمعان الدین ص ۲ ملفوظ ص ۶۷

(۹۰) فرمایا میرٹھ میں چند احباب ہیں اور وہ مولانا رشید احمد صاحب کے مرید ہیں مگر وہ جب آتے ہیں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں اور اسی طرح وہ احباب سہارنپور، دیوبند، رائے پور میں بھی ہدایا پیش کرتے ہیں تو میں نے دل میں کہا کوئی تجویز ایسی ہونی چاہیئے جس سے اس ہدیہ کو بند کروں ہر جگہ ہدیہ دینے سے گرانی کا احتمال ہے مگر کوئی معقول صورت سمجھ میں نہ آئی آخر ایک تجویز خیال میں آئی کہ اُن سے میں نے کہا صاحب تعلقات تین قسم کے ہیں اور ہر تعلق میں جدا جدا حظوظ

ہیں۔ ایک حظ اپنے سے بڑے سے ملنے میں دوسرا اپنے سے چھوٹے سے ملنے میں تیسرے مساوی سے ملنے میں سو پہلے دو قسم کے تعلقات وحظوظ تو بحمداللہ مجھ کو حاصل ہیں مگر تیسرے قسم کے حظ سے محروم ہوں اس کے لئے میں آپ کو تجویز کرتا ہوں انہوں نے یہ مقدمات تو تسلیم کر لئے پھر میں نے کہا بس آپ میرے مساوی ہیں کیونکہ آپ مولینا رشید احمد صاحب کے مرید ہیں اور میں اُن کو مثلِ پیر سمجھتا ہوں پھر جب میں اور آپ مساوی ہوئے تو مساوات کا مقتضا یہ ہے کہ جیسا آپ مجھے ہدیہ دیتے ہیں ویسا آپ کو مجھے دینا چاہیئے اور یہ جھگڑا مجھ سے نہیں ہوتا کہ آپ کو کچھ دوں۔ لہٰذا آپ بھی مجھے کچھ نہ دیا کریں۔ ورنہ مساوات نہ رہے گی اس پر وہ لاجواب ہو گئے اور میری جان مصیبت سے چھوٹی۔ دو تین برس تو ایسا ہی رہا آخر ان میں سے ایک صاحب پھر آئے اور ہدیہ پیش کیا اور کہا کہ ہم نے تمہارے قاعدہ پر بہت روز عمل کیا اب نہیں ہوتا اس سے میں ہی لاجواب ہو گیا اور ان کا خلوص دیکھ کر قبول کر لیا اور فرمایا کہ غربار کے عطیہ سے جس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے وہ امراء کے ہدیہ سے کبھی نہیں ہوتی گو کتنا بڑا ہدیہ کیوں نہ ہو۔ غربا میں خلوص زیادہ ہوتا ہے۔

لمعان الدین ص۱۹ م ۲

(۹۱) جس سال یہ وعظ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہوا ہے۔ اس سال حضرت اقدس سیدی حکیم الامۃ دامت برکاتہم پر ایک شخص کے خواب کی وجہ سے عوام کالانعام نے زبان طعن بہت کچھ دراز کر رکھی تھی۔ اخبارات میں بھی اس کا بہت کچھ شور و غوغا رہا اور یہ سنۃ اللہ ہے، کہ قائم بالامر کے ساتھ اوّل اوّل بہت مخالفتیں عوام کی طرف سے ہُوا کرتی ہیں مگر آخر میں سب کو گردنیں جھکانا پڑتی ہیں۔ بہرحال جب جلسہ مذکور میں حضرت حکیم الامۃ تشریف لے گئے اور آپ کا بیان ہونا قرار پایا۔ تو بیان سے پہلے سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب

دامت برکاتہم نے مولانا سے فرمایا کہ اس وقت بہت بڑا مجمع موجود ہے۔ اگر اس واقعہ خواب کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے تو اچھا ہے تاکہ عوام کے شکوک رفع ہو جائیں حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے متعلق کچھ بیان کرنے سے شرم آتی ہے کیونکہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ میں اپنا تبریہ کر دوں اور انسان اپنا تبریہ ایسی بات سے کیا کرتا ہے۔ جس کا کسی درجہ میں احتمال بھی ہو

اور جس بات کا کسی درجہ میں بھی احتمال نہ ہو۔ اس سے تبریہ کرنا کسی کو گوارا نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی کسی کو یوں کہدے کہ میں نے تیری ماں کو چکلے میں دیکھا تھا۔ تو اس سے تبریہ کرنا گویا کسی درجہ میں اس کے احتمال کو تسلیم کر لینا ہے۔ بس اس کا اصلی جواب تو یہ ہے کہ اگر قدرت ہو۔ تو اس شخص کو ایسی سزا دے جو ہمیشہ کو یاد رہے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ اپنی زبان سے تبریہ نہیں کرتے تو ہم میں سے کوئی اس سے متعلق کچھ بیان کر دے حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا۔ تو میں جلسہ سے اٹھ کر چلدوں گا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ نہیں نہیں جب آپ کو گوارا نہیں تو پھر کوئی ضرورت نہیں (از تنبیہ در ابتدائے وعظ مظاہر الاقوال از جامع) شروع میں چھپی ہے۔

(۹۲) ایک مسلمان رئیس میرے (حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کے) ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے ہاتھ سے ایک بوٹی نیچے کے تختہ پر گر پڑی۔ تو ان حضرت نے اس کو بوٹ سے بنچ کے نیچے کر دیا۔ یہ دیکھ کر میرا رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے خواجہ (عزیز الحسن صاحب سلمہ) سے کہا کہ ذرا اس بوٹی کو اٹھا کر پانی سے دھو لیجئے اور دھو کر مجھے دیجئے۔ میں اس کو کھاؤں گا خواجہ صاحب نے اس کو دھویا اور دھو کر کہنے لگے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس کو کھالے تو اجازت ہے۔ میں نے کہا ہاں اجازت ہے۔ تو خواجہ صاحب نے خود کھالی وہ رئیس بعد میں کہتے

تھے کہ اس عملی تنبیہ کا میرے اوپر ایسا اثر ہوا کہ میں کٹ گیا اور اس دن سے میں نے کبھی گرے ہوئے لقمہ کو زمین پر نہیں چھوڑا بلکہ صاف کر کے کھا لیتا ہوں (عصم الصنوف ص۲۸)

(۹۳) میرے یہاں یہ کہنا کافی نہیں ہوتا کہ غلطی ہوگئی۔ معاف کرو۔ بلکہ میں اس پر یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنی غلطی بیان کرو کہ اس تحریر میں تم سے کیا غلطی ہوئی۔ اس سوال کے جواب میں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ خدا کے لئے یہ سوال نہ کرو۔ میں مرجاؤں گا۔ گویا میں عزرائیل ہوں۔ میں نے لکھا کہ جب تم کو میرے سوال کے جواب سے موت کا خوف ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئے تھے کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ جس کو جواب دینے میں موت کا خوف نہ ہو۔ بلکہ حیات کی امید ہو (جمال الجلیل ص۲۸)

(۹۴) فرمایا کہ بفضلہ تعالےٰ جیسا ہم سب بھائیوں میں اتفاق ہے ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم سب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ کسی کا کوئی بار دوسرے پر نہیں۔ حتیٰ کہ میں نے تو اس کی یہاں تک رعایت کی ہے کہ حتیٰ الامکان بھائیوں سے کوئی چیز عاریۃً بھی نہیں لیتا بلکہ اگر وہ چیز کرایہ کی ہوئی تو کرایہ پر لیتا ہوں۔ چنانچہ جب تک ریل نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک جب کبھی گاڑی کی ضرورت ہوتی تو اپنے بھائی کی گاڑی بھی کرایہ پر لیتا تھا۔ اس کا نفع یہ تھا۔ کہ اگر کبھی ان کو خود ضرورت ہوتی تو وہ صاف کہدیتے کہ اس وقت گاڑی خالی نہیں۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اس سے بھائی کا کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ کرایہ ہر حال میں دینا ہوگا اور اگر میں عاریۃً لیتا تو ہرگز وہ اس صفائی سے نہ کہہ سکتے اور اس سے طبیعت پر گرانی ہوتی۔ اسی طرح میں اپنے بھائیوں کے نوکروں سے کبھی کوئی کام نہیں لیتا کہ ممکن ہے کبھی تنگدل پیدا ہو نیز جلانے کی لکڑی

کہ جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ایک بار ان کے یہاں بہت بچ گئیں۔ میں نے وہ بھی بہ قیمت لیں۔ کیونکہ اس سے مفت خوری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ آج ککڑی آئیں۔ کل پیاز آئے گی۔ پرسوں ترکاری آئے گی۔ علی ہذا (مقالات حکمت حصہ چہارم و پنجم ملفوظ ۱۴۷ دعوات عبدیت)

(۹۵) فرمایا میرا بھتیجا شبیر علی میرے پاس رہتا تھا۔ ان کے والد خرچ بھیجتے تھے میں اس کا حساب ان کے پاس روانہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے شکایت کی کہ حساب لکھ کر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے میں نے جواب دیا۔ اس میں مصلحت ہے۔ چنانچہ ان کی سمجھ میں وہ مصلحت آ گئی۔ وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا خرچ تخمین کے موافق نہیں ہوتا۔ تو جب اپنے زعم کے خلاف پیش آئے اور اس کی وجہ معلوم ہو جائے تو کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا حکماء عرب کا قول ہے تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب (ملفوظ ۱۴۹)

(۹۶) فرمایا کہ آج میاں نثار احمد نے میری دعوت کی تھی۔ بارہ بجے تک میں نے کھانے کا انتظار کیا۔ اتفاق سے اس وقت تک بھوک بھی زیادہ نہیں لگی تھی۔ آخر ڈیڑھ بجے کے بعد میں نے اپنے گھر جا کر کھانا کھا لیا۔ ڈھائی بجے کے بعد وہاں سے کھانا آیا تو میں نے واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ میں کھانا کھا چکا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد نثار احمد خود آئے اور معذرت کرنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کھانا بھیجا تو میں نے رکھ لیا۔ فرمایا کہ جب کسی کی دعوت کرے تو وقت پر جو کچھ میسر ہو سکے کھلا دے۔ اب بتلایئے کہ اتفاق سے آج رات کو بھی دعوت ہے تو یہ صبح کا کھانا تو رات کو کھایا جائے گا اور شام کا کھانا کل صبح کھانا چاہیئے۔ ایسی دعوت میں کیا لطف ہے (ملفوظ ۱۸۵)

(۹۷) میں نے ایک روز قصاب کو بلایا اور پوچھا کہ ہمارے یہاں تم گوشت

غریبوں کے بھاؤ سے کیوں نہیں دیتے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ قصابوں نے کہا کہ آپ مولوی صاحب ہیں۔ میں نے کہا کہ بس میری مولویت کا نرخ چار پیسہ ہوا۔ سچ سچ ایمان سے بتلاؤ کہ اگر میں باوجود مولوی صاحب ہونے کے اس قوم میں نہ ہوتا بلکہ کسی غریب قوم میں ہوتا جب بھی تم اسی نرخ سے دیتے قصابوں نے کہا کہ حضور آپ کے سامنے مکر و فریب کہاں چلتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت تو ہم اس بھاؤ نہ دیتے میں نے کہا کہ ایسا گوشت کھانا حرام ہے۔ ہم کو تم جولاہوں اور تیلیوں کے بھاؤ سے دیا کرو۔ تو ہم لیں گے۔ ورنہ آج سے گوشت کھانا چھوڑ دیں گے قصابوں نے بڑا اصرار کیا میں نے ہرگز نہ مانا۔ اس روز سے ہمارے یہاں دو آنہ سیر گوشت آتا ہے۔ صاحبو! یہ ظلماً ارزاں گوشت خریدنا ریاست نہیں ہے۔ اس ریاست کی حقیقت عنقریب معلوم ہو جائے گی۔ (از مواعظ دعوات عبدیت حصہ ہفتم ملفوظ ۱۸)

(۹۸) ایک مرتبہ ایک شخص نے بذریعہ ریلوے پارسل مولانا مدظلہٗ کے پاس کچھ بھیجا۔ بابو نے چار آنے رشوت کے مانگے اور رسید دینے سے انکار کر دیا۔ ارشاد فرمایا کہ اب ہم کوئی پارسل ہی نہ لیا کریں گے سب واپس کر دیا کریں گے۔ ہمارے پاس ہدیۃً آیا ہے۔ بیعاً نہیں آیا کوئی حصہ نہیں کہ ہم اپنے پاس سے اس قسم کے بیہودہ مصارف گوارا کریں۔ ہمارے پاس بلا مؤنت جو کچھ آئے گا لے لیں گے ورنہ واپس کر دیں گے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب سے فرمایا جو پرچہ ہدایات لوگوں کی اطلاع کے لئے چھپنے والا ہے۔ اس میں لکھ دیا جائے۔ کہ کوئی شخص ریل پر ہمارے نام کوئی چیز نہ روانہ کرے ہمیں دقت ہوتی ہے۔ یہ قصہ تفہیم کے لئے لکھ گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی کھانے کمانے ہی کے لوگ ہیں۔ آئی ہوئی چیز کبھی واپس نہ کریں گے۔ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ میرا بڑا مقصو

یہ ہے کہ اہلِ علم کی ذلت نہ ہو چنانچہ اسی لئے میں نے ایسا کیا۔ اس کے بعد جو پارسل آئے ان کی بلٹی واپس کردی (کاتب ملفوظ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صاف تبلاتا ہے، کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کے دل میں دنیا کی ذرا بھی قدر نہیں اور نظر بڑی دور پہنچتی ہے باریک باریک مصالح پیشِ نظر رہتی ہیں جس کی طرف لوگوں کو التفات نہیں ہوتا۔ (اہل اللہ کے پاس دنیا خود آتی ہے اور وہ دور کرتے ہیں: ملفوظ ۳۴)

(۹۹) فرمایا میں نے سفارشی خط لکھنا قریب قریب چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی پوری حالت ظاہر نہیں کرتے اور خط لکھوا لیتے ہیں بعد میں ان کی بدحالی ظاہر ہونے سے کلفت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص میرے دوست کئی آدمیوں کو ہمراہ لے کر آئے اور کہا یہ اشخاص میرے عزیز ہیں۔ انہیں سفارشی خط لکھدیجئے میں نے بارہ بنکی کے ضلع میں منصرم صاحب کو خط لکھدیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشخاص اشتہاری تھے۔ اور منصرم صاحب کے مکان پر گرفتار ہوئے مجھے شرم ایسی دامنگیر ہوئی کہ آجتک سفارشی خط لکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر شاذو نادر معتبر آدمیوں کو لکھدیتا ہوں اور جو شخص مجھ کو سفارشی خط لکھنے پر مجبور کرتا ہے میں انہیں لکھدیتا ہوں۔ لیکن اسی وقت ڈاک کے ذریعہ سے مکتوب الیہ کو لکھ دیتا ہوں۔ کہ سفارشی خط فلاں شخص لاتا ہے کالعدم سمجھنا چاہیئے۔ (ملفوظ ۶۷)

(۱۰۰) فرمایا کہ آج پانی پت کی ایک خبر معلوم ہوئی ہے وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ بس جی آج سے ہم ان کو یعنی احقر کو مولوی ہی نہ سمجھیں گے۔ بھلا میں نے کب کہا ہے کہ مجھے مولوی کہو میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں خود بھی اپنے علم کا قائل نہیں یہاں تک کہ جب کوئی طالب علم آجاتا ہے، تو واللہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میری قلعی نہ کھل جائے ایک شخص نے پانی پت والوں ہی میں سے کہا۔ کہ وہ خود اس

سے خوش ہوتے ہیں کہ ان کو مولوی نہ کہے اور وہ تو ایسا شخص ہے کہ جب اس کو معلوم ہو جائے کہ ایک مرید کم ہو گیا تو خوش ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو کہ دو کم ہو گئے تو زیادہ۔ فرمایا کہ میرا یہ کبھی قصد نہیں ہوتا کہ اپنے مقابل کو گفتگو میں مغلوب کر دوں۔ یا وہ میری موافقت کرے۔ بلکہ یہ قصد ہوتا ہے کہ خدا کرے یہ بھی سمجھیں اور میں بھی سمجھوں۔ اور حق بات معلوم ہو جائے۔ (از ملفوظات مزید المجید ملفوظ ۹۸)

(۱۰۱) ایک کمسن بچے نے بعد عصر ۲۲؍رجب کو حضرت والا کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا۔ جس میں اپنی مظلومیت کا اظہار کیا تھا۔ حضرت والا نے اس کے حالات سن کر ان دو شخصوں کو بلایا جو اس پر ظلم کرتے تھے، ان میں ایک نابینا حافظ تھے جو اس بچہ کو اپنے وطن سے ملازم رکھ کر اپنی خدمت کے لئے لائے تھے۔ اور ایک مولوی صاحب کو جو بہت مدت سے اپنی اصلاح باطنی کے لئے خانقاہ میں مقیم ہیں کہ یہ دونوں مجھ پر ظلم کرتے ہیں حافظ جی کھانے کو نہیں دیتے، فقط دو روٹی دیتے ہیں اور مجھے سخت مار بھی دیتے ہیں، اور مولوی صاحب بھی حافظ جی کو سکھلاتے ہیں اور خود بھی مارتے ہیں اور کئی شخص بطور گواہ کے بلائے جو ابھی آنکھوں سے ان کے جور دیکھ چکے تھے۔ ان سے ان دونوں صاحبوں کے سامنے شہادت لی اب حافظ جی سے دریافت کیا کہ حافظ صاحب آپ اس بچہ پر کچھ زیادتیاں کرتے ہیں، حافظ جی نے کہا کہ اس میں چوری کا مرض ہے حضرت نے فرمایا میں یہ نہیں پوچھتا کہ اس کے اندر کیا مرض ہے میں تو یہ دریافت کرتا ہوں کہ تمہارے اندر بھی یہ مرض ہے یا نہیں کہ تم اس پر ظلم کرتے ہو۔ نصف خوراک کھانا دیتے ہو جب حافظ جی نے صاف صاف جواب نہ دیا تو لڑکے سے کہا کہ تو بتلا سچ سچ کیا بات ہے کسی سے نہ ڈرنا۔ اس بچہ نے کہا کہ مجھے روٹی کم دیتے ہیں اور مارتے ہیں اور مولوی صاحب بھی مارتے ہیں اب حافظ جی سے پوچھا کہ حافظ جی بتلاؤ کہ یہ ٹھیک کہتا ہے یا نہیں۔ حافظ جی نے کہا

ٹھیک ہے۔ فرمایا پھر کیوں مارتے ہو اسے اور روٹی پیٹ بھر کر کیوں نہیں دیتے۔ کیا تم نے یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ پیٹ بھر کر روٹی نہیں دوں گا۔ حافظ جی نے کہا کہ ہم نے روٹی کم کر دی تاکہ چوری کا مرض جاتا رہے۔ فرمایا اے عقل کے دشمن اس سے تو اور یہ مرض بڑھے گا کہ جب بھوکا ہو گا چوری کرے گا۔ نیز آپ نے یہ چوری کا علاج کسی شرعی دلیل سے تجویز کیا ہے یا آپ نے کسی عالم سے دریافت کیا تھا اور مارنے کو بھی آپ نے چوری کی سزا کہاں سے تجویز کی ہے اور فرمایا کہ ظالم خدا کا خوف نہیں رہا۔ آنکھیں تو پھوٹ گئیں۔ دل بھی اندھا کر لیا۔ اب مولوی صاحب سے پوچھا کہ مولانا آپ نے اس لڑکے کو کیوں مارا۔ آپ کا کچھ چرایا تھا۔ فرمایا۔ میرا تو نہیں۔ فلاں صاحب کا حلوئی کھا لیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کو کیا حق تھا اگر کچھ کہتے تو وہ کہتے۔ جاؤ دور ہو جاؤ دونوں (اے نیاز) پھینک دو ان کا اسباب۔ ابھی نکال دو اور حافظ جی سے کہا کہ جاؤ ابھی اس لڑکے کا کرایہ لاؤ (مظفر پور کا) ہاں یہ بچہ ہے اکیلا نہیں جا سکتا۔ دو آدمیوں کا کرایہ لاؤ اور اگر بارہ برس کا نہیں ہے تو نصف کرایہ اس کا اور ایک شخص کا جو اس کو پہنچا کر واپس آوے۔ اگر بارہ برس کی عمر ہے تو دوہرا کرایہ لاؤ۔ ہم اپنے اہتمام سے پہنچا دیں گے۔ اور لڑکے سے خطاب کر کے کہا کہ تم آج سے ہمارے یہاں کھانا کھایا کرو۔ اور نیاز (حضرت کے ملازم کا نام ہے جامع) میرے سامنے کھلایا کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ فلاں بدبختوں کو فقط ہا ہو کرنی آتی ہے یا بیٹھ کر تسبیح گھمانی خدا کا خوف ذرا بھی دل میں نہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ سے محبت رکھنے والا تو کسی کافر کسی بلی کیساتھ بھی ان مظالم کو گوارا نہ کرے گا اور اس پر آزاد بنتے ہیں۔ مجھے تو اس قدر حافظ جی پر غصہ نہیں کہ یہ معذور ہیں مگر مولانا کو کیا ہوا ہے پڑھ لکھ کر سب ڈبو دیا۔ حافظ جی چونکہ معذور تھے اس لئے حضرت نے ان کو پندرہ یوم بیٹھنے کی اجازت دی کہ

اس میں اپنا انتظام کر لو۔ اور جاؤ۔ دوسرے دن مجلس میں حافظ جی کو حضرت نے نہ دیکھا تو حاضرین میں سے ایک شخص سے فرمایا کہ آج حافظ جی نہیں آئے ان صاحب نے کہا کہ وہ خوف کیوجہ سے نہیں آئے کہ شاید میرے جانے سے حضرت کو تکلیف ہوگی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ جب میں لے ان کو پندرہ یوم کی اجازت دے دی ہے اس کا تو یہی مطلب ہے کہ ان دنوں میں آکر ستا کریں بعد میعاد البتہ ان کو نہیں آنا چاہیئے۔ ہاں مولوی صاحب کو ہرگز تشریف لانے کی اجازت نہیں کیونکہ ان کو ایک دن کی بھی اجازت نہیں ہے اس کے بعد حضرت والا حافظ جی کو مظالم اور بخل کی برائیاں سمجھاتے رہے۔ ملفوظ ۱۰۱ (از منقول الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ)

(۱۰۲) ایک گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ کالے دھولے پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک گاؤں کا آدمی یہاں پر آیا اور مجھے دریافت کیا کہ مولوی اشرف کون سا ہے میں نے کہا کہ بھائی میں ہی ہوں کہا تو نہیں میں نے دریافت کیا اس کی کوئی خاص پہچان ہے کہا کہ ہاں ہے میں نے دریافت کیا کہ کیا پہچان ہے کہا وہ دُھلا دُھلا (گورا گورا) ہے میں نے پوچھا کب دیکھا تھا معلوم ہوا بہت عرصہ ہوا جب دیکھا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی وہ جوانی کا زمانہ تھا جب تم نے دیکھا تھا جوانی کا رنگ و روغن اور ہوتا ہے اب بڈھے ہو گئے کہا کہ کیوں جھوٹ بولے۔ مولوی حبیب احمد صاحب سامنے بیٹھے تھے میں نے کہا کہ دیکھ یہ ہوں گے یہ ہیں دھلے۔ کہا یو بھی نہیں یہ ڈھیر دُھلا ہے تب میں نے اس سے کہا کہ دیکھ وہ معمار مزدور کام کر رہے ہیں ان سے پوچھ لے۔ دوڑا ہو گیا ان سے جا کر پوچھا۔ پھر آیا کہنے لگا تو ہی ہے میری کھطا (خطا) معاف کر دے۔ فرمایا کہ الفاظ تو اس کے پاس نہ تھے مگر خلوص تھا جی چاہتا تھا کہ اسی بے تہذیبی کے ساتھ سلسلہ گفتگو جاری رہے بے حد

لطف آرہا تھا۔ ایک ایسی ہی حکایت قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کی مولوی حبیب احمد صاحب نے روایت کی کہ قاری صاحب ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک گنوار کو معلوم ہوا کہ یہ قاری ہیں اور وہ اتنا جانتا تھا کہ قاری خوش آواز اور لہجے سے قرآن شریف پڑھنے والے کو کہتے ہیں اس پر خیال ہوا کہ قاری صاحب سے قرآن شریف سُننا چاہیئے غرضیکہ قاری صاحب سے درخواست کی قاری صاحب نے درخواست منظور فرما کر سُنانا شروع فرمایا۔ یہ گنوار سُن کر کچھ خوش نہ ہوا اس لئے کہ وہاں اُتار چڑھاؤ اور رنگینی نہ تھی۔ قاری صاحب سے کہا کہ اب میرا بھی سُن لے مطلب یہ تھا کہ میں بھی اچھا پڑھنے والا ہوں قاری صاحب نے اجازت فرما دی اس نے بھی پڑھ کر سنایا اس طرف سے بھی کوئی داد نہ ملی تو کیا کہتا ہے قاری صاحب سے کہ جیسا تو پڑھے ویسا ہی میں پڑھوں فرک (فرق) یہ ہے کہ تو جنانی (زنانی) بولی میں پڑھے اور میں مردانی بولی میں۔ یہ مطلب تھا کہ تیری باریک بولی ہے اور میری موٹی۔ زنانی سے مراد باریک اور مردانی سے مراد موٹی (الافاضات الیومیہ ملفوظ ۶)

(۱۰۳) ایک صاحب نے کہا کہ حضرت کشمیر کے متعلق اکثر لوگوں کو مالی و جانی امداد کرنے میں اشکال ہیں اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے چونکہ اس سائل کا قصد خود عمل کا نہ تھا ویسے ہی مشغلہ کے طور پہ پوچھا تھا اس لئے فرمایا کہ جس شخص کا ارادہ امداد کرنے کا ہو اس کو خود سوال کرنا چاہیے اس کو جواب دیا جائے گا۔ اگر آپ کا ہی ارادہ ہے تو آپ ظاہر کریں کہ کونسی امداد کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کا حکم ظاہر کروں، عرض کیا کہ بعض لوگ دریافت کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا جو میں کہہ رہا ہوں. آپ سمجھے نہیں پھر سُن لیجئے کہ جس شخص کا ارادہ ان دونوں صورتوں میں سے امداد کا ہو وہ خود اگر سوال کرے اس کو جواب دیا جائے گا۔ اگر آپ کا ہی ارادہ ہے تو آپ ہی فرمائیے کہ کونسی امداد کرنا چاہتے ہیں سیدھی بات کو الجھاتے کیوں ہو سوال

اسی ہی شخص کو کرنا چاہیئے جس کا کچھ کرنے کا ارادہ ہو باقی دوسروں کو جواب دینے کی آپ کو کیا فکر، کوئی پوچھے کہہ دیجئے۔ ہم کو معلوم نہیں دوسرے جواب تو جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ سوال کی صورت متعین ہو وہاں کے واقعات کی تنقیح جب تک نہ کی جائے جواب کس بات کا ہو فرمایا کہ اس کے متعلق یہاں پر بہت سوال آتے ہیں میں جواب میں لکھ دیتا ہوں کہ زبانی سمجھنے کی بات ہے زبانی آکر سمجھ لو۔ یہ اسی واسطے کہ سائل سے واقعات کی تنقیح کر لی جاوے۔ فرمایا کہ کشمیر پہ جو جتھے جا رہے ہیں ان کے متعلق ایک صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ ان جتھوں کے جانے کا جائز ناجائز ہونا تو الگ بات ہے مگر نافع بہت ہے میں نے کہا جی ہاں خمر بھی نافع ہے میسر بھی نافع ہے بلکہ اُن کا نافع ہونا تو نص سے ثابت ہے آپ تو اپنی ہی رائے کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اگر نافع ہونے پہ مدار ہے تو ان چیزوں میں بھی کوئی جرم نہ ہونا چاہیے۔

(ملفوظ ث) ص۱۱

(۱۰۴) ایک واقعہ عجیب فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اکبر پور ضلع کانپور گیا تھا وہاں پر وعظ کے بعد واپسی کے لئے تیاری ہوئی اسٹیشن وہاں سے تقریباً چھ سات کوس کے فاصلہ پر تھا اور کچھ ایسا زمانہ تھا کہ کبھی کبھی بارش بھی ہو جاتی تھی۔ اس لئے میں احتیاطاً ظہر کے وقت روانہ ہو گیا گو ریل رات کو نو بجے جاتی تھی اتفاق سے اس وقت بھی تھوڑی بارش ہو رہی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے تانگہ پر اچھی طرح سائبان کا انتظام کر دیا تھا۔ میں مع ہمراہیوں کے سوار ہو کر چل دیا۔ اکبر پور میں ایک صاحب منصف تھے وہ میرے شناسا تھے ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اس وقت اسٹیشن پر آ رہا ہے۔ انہوں نے اسٹیشن ماسٹر کو ایک رقعہ لکھا کہ فلاں شخص اسٹیشن آ رہا ہے شب کی گاڑی سے سوار ہو گا اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو کوئی خاص کمرہ آرام کے لئے تجویز کر دیا جائے وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ اسٹیشن جنگل میں

تھا اور بہت مختصر جیسا یہ تھانہ بھون کا اسٹیشن ہے کوئی جگہ اس پر ایسی نہ تھی کہ مسافر آرام کر سکے یہاں پر تو بحمد اللہ مسافر خانہ بھی تیار ہو گیا ہے اور منصف صاحب نے مجھ کو اس کی اطلاع نہیں کی کہ میں اسٹیشن ماسٹر کو لکھ چکا ہوں اب جس وقت اسٹیشن پر پہنچے ادھر تو بارش ہو رہی ادھر کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ کپڑے ہی بچا سکیں ادھر نماز کا وقت قریب تھا عجیب کشمکش تھی کہ وہ بابو آیا۔ اس نے میرا (یعنے حضرت حکیم الامۃ مدظلہم العالی کا) نام دریافت کیا۔ نام سن کر اس نے ہم کو ایک کمرے میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ اس میں آرام فرمایئے منصف صاحب کا میرے نام پرچہ آیا ہے کہ فلاں شخص اسٹیشن آ رہا ہے اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ کمرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسباب وغیرہ کے رکھنے کا تھا وہاں پر آرام سے نمازیں ادا کیں۔ جب مغرب کے وقت اندھیرا ہو گیا تو اس بابو نے ریلوے ملازم کو حکم دیا کہ دیکھو کمرہ میں روشنی کا انتظام کر دو۔ یہ سنکر مجھ کو بڑی فکر ہوئی اور زیادہ اس وجہ سے کہ بابو ہندو تھا وہ فکر یہ ہوئی کہ یہ مسافر خانہ تو ہے نہیں اگر مسافر خانہ ہوتا یہ خیال ہوتا کہ اس میں ریلوے قانون سے روشنی جائز تھی یہ تو اسباب کا کمرہ ہے صرف ہماری رعایت سے روشنی کی جاتی ہے تو اس صورت میں ریلوے کے تیل سے انتفاع جائز نہیں ہو سکتا اس لئے بڑی کشمکش ہوئی۔ اگر بابو کو منع کیا جاتا ہے تو یہ ہندو ہے بے وقوف بنائے گا اور ہنسے گا بات کو سمجھے گا ہے نہیں۔ اب کیا کیا جائے۔ اس وقت یہی سوجھی کہ دعا کرنا چاہیئے۔ لہٰذا میں نے دعا کی کہ اے اللہ بچنے کی صورت گو اختیاری ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اظہار پر شرم دامنگیر ہے اس لئے آپ ہی حفاظت فرمانے والے ہیں آپ ہی حفاظت فرمائیں یہ خیال دل میں آنا تھا کہ فوراً اسٹیشن ماسٹر نے نوکر کو آواز دیکر کہا دیکھو ریلوے کی لالٹین وہاں پہ روشن نہ کرنا بلکہ ہمارے نج کی

لالٹین روشن کر دینا یہ سنکر حق تعالیٰ کے انعام کا مشاہدہ ہو کر اس قدر خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اب اس سے یعنی ہندو بابو سے کوئی پوچھتا کہ اس کو یہ خیال کیوں پیدا ہوا خیر نہیں کیا جاب دیتا۔ یہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً۔ (ملفوظ ۱۸، ۱، ص ۲۱

(۱۰۵) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب مرید ہونیکو کہتے ہیں اور یہ کہتے تھے کہ ارادہ تو بہت دنوں سے ہے مگر حضرت مولانا کے جلال کی وجہ سے نہیں ہوا تھا اب یہ ارادہ کر لیا ہے کہ چاہے ماریں یا پیٹیں اب تو ضرور ہی ہوں گا۔ فرمایا کہ خدا معلوم لوگ کیا سمجھتے ہیں میں بلا وجہ تھوڑا ہی کچھ کہتا ہوں تبسم فرما کر بطور مزاح فرمایا کہ لوگ تو مجھ کو حلال (ذبح) کرتے ہیں میں جلال بھی نہ کروں میرے جلال کو دیکھتے ہیں اپنے جمال کو نہیں دیکھتے معلوم نہیں یہاں کون سا سامان جلال و ہیبت کا ہے بعض لوگ قلیل الکلام ہوتے ہیں اس سے رعب ہوتا ہے اور میں اس قدر بکّی ہوں کہ ہر وقت بولتا ہی رہتا ہوں مگر پھر بھی نہ معلوم لوگ کیوں اس قدر مجھ کو ہوّا بنائے ہوئے ہیں (ملفوظ ۱۵) ص ۱

(۱۰۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ریل میں سفر کر رہا تھا میرے ایک دوست ڈپٹی صاحب میرے ہمراہ تھے۔ وہ محاسن الاسلام وعظ دیکھ رہے تھے ایک ہندو آریہ اسی ڈبہ میں ہمارے قریب بیٹھا ایک دوسرے شخص سے گفتگو کر رہا تھا انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مذہب کا جاننے والا ہے اور بولنے والا ہے وہ شخص جس سے وہ ہمکلام تھا ایک اسٹیشن پر اتر گیا اب اس طرف متوجہ ہوا اور ڈپٹی صاحب سے کہا کہ یہ کیا کتاب ہے یہ کہہ کر اس نے وہ وعظ بغرض دیکھنے کے ہاتھ سے لے لیا اور دیکھنا شروع کیا کچھ دیر دیکھنے کے بعد دفعۃً اس کی زبان سے

بے ساختہ سبحان اللہ نکلا۔ نہ معلوم کونسے مضمون پر اس کی یہ حالت ہوئی اس لئے کہ وعظ تو اس کے ہی ہاتھ میں تھا فرمایا سیدھی اور سچی بات کا قلب پر اثر ہوتا ہی ہے اگرچہ کافر ہی ہو یہ وعظ محاسن الاسلام زمانہ فتنۂ ارتداد میں ایک موضع ہے اچولی ضلع میرٹھ میں وہاں پر ہوا تھا بیحد مفید ثابت ہوا اس قرب وجوار کے بعض دیہاتی ارتداد کی طرف مائل ہو گئے تھے اسی ضرورت سے یہ وعظ ہوا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ اس وعظ کو سُن لینے کے بعد ان میں سے ایک شخص بھی ارتداد کی طرف مائل نہیں رہا۔ معترض کے تمام اعتراضوں کے جوابات اس میں دیئے گئے ہیں واعظین اور مبلغین کے لئے بے حد مفید چیز ہے (ملفوظ ۲۴) ص ۲۷۔

(۱۰۷) فرمایا کہ ایک پیر کے نام کا مریدین وظیفہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کا نام ہے یا وارث، میں نے کہا کہ ہاں ایک ہی تو نام ہے خدا کا یا وارث اور تم اسی ہی نیت سے تو پڑھتے ہو۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حیدر آباد سے ایک پیر آئے تھے فلاں مقام پر جب حلقہ کرتے تھے تو اس میں یا بھیک یا بھیک کے نعرے لگاتے تھے تبسم فرما کر بطور مزاح حضرت والا نے فرمایا کہ لا بھیک ہی کے نعرہ کیوں نہ لگاتے مقصود بھی حاصل ہوتا اور جانہ بھی ہو جاتا یعنی کچھ مل بھی جاتا۔ فرمایا ان ہی شرکیات میں مبتلا ہیں اس کا سبب جہل ہے (ملفوظ ۲۸) ص ۲۸

(۱۰۸) فرمایا کہ میں نے اس زمانہ تحریک ہی میں کہا تھا اگر بجائے مبہم عنوانات کے عنوان کی تعیین کر کے سوالات کریں تو میں جواب دوں چاہئے کسی کے بھی خلاف ہو ایک صاحب کا اسی زمانہ میں ایک سوال کا خط آیا میں نے لکھا کہ ترک موالات کا عنوان حذف کر کے متعین واقعہ پوچھو۔ میں جواب دوں گا۔ یہیں پر اس زمانہ میں ایک علی گڑھ کا طالب علم آیا جو عصر کے وقت آیا مگر نماز نہیں پڑھی۔ اس نے مجھ سے ترک موالات ہی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا تھا میں نے کہا کہ پہلے اپنی تو خبر لو۔ انگریزوں سے

تو ترک موالات اس لئے کیا تھا کہ ترکوں سے لڑے مگر نماز جو نہیں پڑھی تو خدا سے ترک موالات کیوں کیا شاید اس لئے کہ اس نے انگریزوں کو غلبہ کیوں دیا۔ (ملفوظ ۲۱) ص ۲۹۔

(**۱۰۹**) فرمایا کہ شورش کے زمانہ میں یہاں تک نوبت آگئی تھی کہ ایک بہت بڑے علامہ نے اسی زمانہ میں مجھ سے بیان کیا تھا فرماتے تھے کہ ہمارے یہاں ایک فتویٰ آیا کہ ولایتی کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں۔ اب اگر یہ لکھا جاتا ہے کہ جائز ہے تب تو اپنے مقاصد میں خلل آتا تھا اور ناجائز کیسے کہیں کیونکہ واقع میں تو جائز ہی ہے اس لئے اس کے خلاف بھی نہیں کر سکتے تو اب کیا کریں فرماتے تھے کہ یہ جواب دیا گیا کہ ولایتی کپڑا پہننا قابل مواخذہ ہے اور کہنے لگے کہ اس لکھنے میں حکمت یہ تھی کہ وہ تو یہ سمجھیں کہ خدا کے یہاں کا مواخذہ ہوگا اور ہم یہ سمجھیں کہ اپنے دوستوں کا مواخذہ ہوگا (حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی) نے کہا کہ مولانا توبہ کیجئے یہ تو شریعت مقدسہ میں تحریف ہے اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ فرمایا کہ ایسی ایسی باتیں سن کر دل کانپ جاتا تھا کہ اے اللہ دین کا ان لوگوں کے دلوں سے احترام ہی جاتا رہا۔ حضرت عوام کی کیا شکایت کی جائے وہ تو بوجہ جہل کے ایک درجہ میں معذور بھی سمجھے جا سکتے ہیں مگر ان لکھے پڑھے جنوں کو کوئی کیا سمجھاوے اللہم احفظنا (ملفوظ ۳۴) ص ۳۱

(**۱۱۰**) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تھانہ بھون تبہ خانہ ہے۔ دریافت فرمایا کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔ عرض کیا آج کل دنیا میں مختلف چیزیں چل رہی ہیں اور آگ لگ رہی ہے (مراد تحریکات ہیں) یہاں آکر معلوم ہوتا کہ کہیں بھی کچھ نہیں۔ دریافت فرمایا اتنا اور فرما دیجئے کہ اس سے مراد آپ کی قصبہ تھانہ بھون یا خانقاہ۔ عرض کیا کہ یہ احاطہ خانقاہ مراد ہے فرمایا جی ہاں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہ سب اپنے بزرگوں کی جوتیوں کا طفیل ہے ایک کونہ دبائے بیٹھے

ہیں۔ میں تو یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست
خبر بخلوت گاہ حق آرام نیست

مگر اس پر بھی عنایت فرماؤں کی عنایات ہوتی رہتی ہیں۔ (ملفوظ ۴۸) ص ۳۸

(۱۱۱) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بدعتی بھی بہت محنت کرتے ہیں فرمایا کہ خاک محنت کرتے ہیں اور اگر کرتے بھی ہوں تو مقصود زیادہ محنت پر تھوڑا ہی موقوف ہے اوّل تو ان کے محنت ہے ہی نہیں محض حکایات ہی حکایات ہیں اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا اور طریق صحیح میں کرنا پڑتا ہے اور اگر کچھ محنت کرتے بھی ہیں تو ان کی اس محنت کا ثمرہ آخرت میں تو تصلی ناراً حامیۃً ہے اور دنیا میں عاملۃ ناصبۃ۔ (ملفوظ ۵۲) ص ۴۱

(۱۱۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شریفہ بھی میوہ جات میں اچھی چیز ہے اور ممکن ہے کہ حضرت کی کھانسی کے لئے مفید ہو وہ لانا چاہتے تھے، مزاحاً فرمایا کہ اگر آپ لائیں تو کسی شریف کو لائیے شریفہ کو نہ لائیے دو ہی (منکوحہ) بہت ہیں کوئی فوج تھوڑا ہی جمع کرنا ہے (ملفوظ ۶۳) ص ۴۶

(۱۱۳) فرمایا کہ ایک خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ آپ تو بادشاہ اسلام ہیں اس پر بطور مزاح حضرت والا نے فرمایا کہ ارے یار کہیں پکڑوا مت دینا اس قسم کے الفاظ لکھنا بھی ایک رسم ہے (ملفوظ ۷۰) ص ۴۷

(۱۱۴) فرمایا کہ ایک صاحب نے کہا تھا کہ منکر نکیر کو قبر میں جواب دینا آسان ہوگا مگر اس شخص کی (میں مراد ہوں) جرح قدح کا جواب مشکل ہے۔ میں نے سن کر کہا بالکل ٹھیک ہے وہاں تو سچ بولو گے سیدھا اور سچا جواب دو گے تو وہ سوال کریں گے۔ من ربک مومن کہے گا۔ ربی اللہ، کافر کہے گا لا ادری دونوں

سچ اور یہاں آکر ایچ پیچ کرتے ہو جھوٹ بولتے ہو سیدھی اور صاف بات نہیں کرتے وہ چلتی نہیں اس لئے یہاں کا جواب مشکل ہے سیدھی اور سچی بات کے مقابلہ میں جھوٹ کیسے چل سکتا ہے (ملفوظ ۹۱) ۵۶

(۱۱۵) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آجکل فلاں شہر سے بدعت مٹ رہی ہے۔ کایا پلٹ ہوگئی اور پہلے یہ حالت تھی کہ فلاں صاحب کے ایک مقرب خاص نے وعظ ہی میں بیان کیا بڑے فخر کے ساتھ کہ ندوہ پر ہم نے کفر کا فتویٰ دیا دیوبندیوں پر ہم نے کفر کا فتویٰ دیا خلافت والوں پر ہم نے فتویٰ دیا۔ حضرت والا نے سنکر فرمایا کہ جو چیز کسی کے پاس ہوتی ہے وہی تقسیم کیا کرتا ہے کفر کا ہائی کورٹ ہے کفر کے فتوے دینے کی وجہ سے ہائی کورٹ کفر کہا گیا۔ فرمایا کہ میں کفر کا حکم لگانے میں بڑا ضعیف ہوں ہمت نہیں ہوتی ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہلِ باطل کی تکفیر کا ذکر تھا اس روز نہایت جوش میں شان رحیمی کا ظہور ہو رہا تھا یہاں تک فرمایا کیا کافر کافر لئے پھرتے ہو قیامت میں دیکھو گے ایسوں کی مغفرت ہوگی جنہیں تم دنیا میں کافر قطعی کہتے ہو اور واقع میں وہ کافر نہ ہوں گے مگر نہایت ہی ضعیف الایمان ہوں گے۔ پھر فرمایا لیکن اگر ڈرانے دھمکانے کے لئے شرعی انتظام کے لئے کسی وقت کافر کہدیا جاوے اس کا مضائقہ نہیں اس میں انتظامی شان کا ظہور ہوگیا (ملفوظ ۹۸)

(۱۱۶) فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں بڑے ہی باکمال حضرات کا اجتماع رہ چکا ہے اب ان حضرات کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں بڑا ہی بابرکت اور باخیر مجمع تھا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیسے جامع کمالات تھے ہر فن میں کمال رکھتے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ سُنا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی سید احمد صاحبؒ مدرس ثانی کے ذہن

اور میرے ذہن کی ایک نوعیت ہے۔ حضرت والا نے سُنکر فرمایا کہ یہ مقولہ حضرت مولٰینا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سُنا ہے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قصائد عرفی میں میرا سالانہ امتحان لیا کتابیں میں نے کبھی توجہ کے ساتھ نہ دیکھیں نہ پڑھیں میں نے گھونٹ گھانٹ کر ایک تقریر کر دی فرمایا اور کچھ میں نے پھر ایک دوسری تقریر کر دی فرمایا اور میں نے ایک اور تیسری تقریر کر دی۔ آخر میں فرمایا کہ ان میں سے ایک مطلب بھی صحیح نہیں مگر تمہاری ذہانت پر نمبر دیتا ہوں میں نے اپنے دل میں کہا کہ جناب اس وقت تو نمبر ہی مقصود ہیں کتاب کس کو مقصود ہے (ملفوظ ۱۱۳)

(**۱۱۷**) ایک مولوی صاحب نے کشمیر کے متعلق چند سوالات کئے اُس پر حضرت والا نے جو جوابات ارشاد فرمائے وہ بعنوان سوال و جواب حسب ذیل درج کرتا ہوں۔

سوال۔ میں ایک خاص واقعہ کے متعلق اپنی تسلی کے لئے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں اگر حضرت والا بطیب خاطر اجازت فرمائیں۔

جواب۔ فرمایا نہایت خوشی سے اجازت ہے اس وقت اور بھی اہل علم موجود ہیں ضرور اُن سوالات کو ظاہر فرمایئے۔

سوال۔ کشمیر پر جو مسلمانوں کے جتھے جا رہے ہیں ان کا وہاں پر جا کر لڑنا مقصود نہیں صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے یہ صورت شرعاً کیسی ہے۔

جواب۔ فرمایا یہ شرعی لڑائی تو ہے نہیں اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز۔ اگر قدرت نہیں تو صبر۔ درمیان میں اور کوئی چیز نہیں نہ یہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اور نہ آجکل کی درمیانی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں سب دوسری قوموں کی تقلید ہے۔

سوال - اس وقت کے زمانہ کے لحاظ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ کمزور کو قوی کے مقابلہ میں اسی صورت سے کامیابی ہو سکتی ہے۔ یعنی پبلک حکومت کا مقابلہ اسی صورت سے کر سکتی ہے۔

جواب - فرمایا یہ نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے اور اجتہاد کا ہم کو حق نہیں۔ میں نے جو دو صورتیں بیان کیں یہ تو منصوص ہیں اور آپ جو تدابیر اور طریق کار بیان کر رہے ہیں یہ اس منصوص کا معارض ہے۔ اسی طرح یہ طریق سلف سے منقول نہیں۔

سوال۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی تھی۔ شاہان عجم کی تدابیر میں سے تھی جو غیر قوم تھے۔

جواب۔ فرمایا یہاں کوئی نص نہ تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرما لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل فرما لینا منصوص نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور یہاں تو منصوص ہے یہاں پر یہ صورت اختیار نہیں کر سکتے۔

سوال - یہ صورت جو اختیار کی گئی ہے اس سے بھی کامیابی ہو جاتی ہے۔ سکھ اس سے کامیاب ہو ہی گئے۔

جواب - فرمایا سوال کامیابی عدم کامیابی کا نہیں ہے سوال یہ ہے کہ یہ صورت جو اختیار کی گئی ہے اس کا حکم شرعی کیا ہے اس کا جواب عرض کر رہا ہوں

سوال - اگر بغیر لڑے ہوئے اس صورت کو اختیار کر کے کامیابی ہو جائے تو اس صورت کے اختیار کرنے میں شرعاً کیا حرج ہے۔

جواب - فرمایا یہ ہی کیا تھوڑا حرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا۔

سوال - کچھ نہ کریں مارے جائیں برباد ہو جائیں خاموش رہیں۔

جواب۔ فرمایا کہ یہ میں نے کب کہا ہے یہ بھی آپ کا اجتہاد ہے منجملہ اور اجتہادات کے۔ میں نہ واقعات کی نفی کرتا ہوں اور نہ منفعت کی۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ صورت

جو اختیار کی گئی ہے یہ منصوص کے خلاف ہے آپ کے ذمہ ہے کہ آپ اس کا نصوص کلیہ میں داخل ہونا ثابت کر دیں اگر داخل ہے تو مجھ کو بھی بتلا دیا جائے میں بھی مان لوں گا خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے جس طرح میں صاف طور پر عرض کر رہا ہوں کہ یہ منصوص کے خلاف اور نصوص کلیہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد اور قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرفات کا حق ہے آپ بھی صاف بیان کریں جس وقت آپ سمجھا دیں گے میں بھی انشاء اللہ تسلیم کر لوں گا۔

سوال ۔ موجودہ صورت نصوص کے کلیہ میں تو داخل نہیں ہو سکتی لیکن یہاں پر قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے

جواب۔ فرمایا نص کے ہوتے ہوئے قیاس اور اجتہاد کیجئے میں کب منع کرتا ہوں مجھے تو بحمد اللہ کھلی آنکھوں نظر آتا ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل۔

سوال ۔ اسی لئے تو دریافت کیا جا رہا ہے

جواب ۔ فرمایا اگر آپ کو شرح صدر ہو تو آپ عمل کیجئے یہی سمجھ لیجئے کہ مجھ کو شرح صدر نہیں۔ مجھ کو اپنے فتوے میں شریک نہ کیجئے اور نہ مجھ سے امید رکھئے کہ میں منصوصات کے خلاف کروں یا اجتہاد کروں میں تو کٹر مقلد ہوں۔ صاحبین کا قول بھی کہیں اضطرار میں لے لیتا ہوں ورنہ میں تو امام صاحب کے مذہب پر عمل کرتا ہوں آپ کی تو بھلا کیا تقلید کر سکتا ہوں آپ تو بچے ہیں اور میں بڈھوں کا مقلد ہوں پھر مزاحاً فرمایا کہ نہیں بڈھوں کا نہیں بلکہ ایک بڈھے کا۔

سوال ۔ لڑ تو سکتے نہیں پھر کیا صورت ہو۔

جواب ۔ جو میں عرض کر رہا ہوں وہ منصوص ہے اسی پر عمل کریں یعنی قدرت کو دیکھ لیں اگر قدرت اور قوت ہے تو بجائے جتھے بھیجنے کے قتال کریں جہاد

کریں تلوار ہاتھ میں لیں لڑیں اور اگر قدرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے صبر کریں نیز عجز کی صورت میں یہ بھی ہوگا کہ آئندہ اگر کوئی ضرر پیش آیا تو اُس کے برداشت کی بھی قوت نہ ہوگی اور جس ضرر سے بچنے کی قدرت نہ ہو یا مشکل ہو اس میں نہ پڑنا چاہیئے۔

سوال۔ (آیت جہاد میں) مِنْ قُوَّةٍ نکرہ ہے اس وقت جیل جانے کی قدرت ہے

جواب۔ قدرت سے یہ قدرت مراد نہیں۔ بلکہ وہ قدرت جس میں خصم کو کوئی ضرر ہو اور اس کے ساتھ اپنا کوئی ضرر یقینی نہ ہو۔

سوال۔ جیل کے جانے میں تو کوئی ضرر نہیں معلوم ہوتا اور خصم کا ضرر ہے یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے۔

جواب۔ اگر قدرت علی الاضرار یہی ہے تو آج اس کی بھی قدرت ہے کہ ایک دشمن کے منہ پر تھوک دیں اس میں اغاظہ ہے لیکن چونکہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ضرر اپنا ہے ایسا نہیں کرتے یا ایک دشمن کے ڈھیلا ماریں اس کی بھی قدرت ہے مگر ایسا نہیں کر سکتے حاصل وہی ہے کہ قدرت سے مراد وہ قدرت ہے جس میں اُس کا معتدبہ ضرر اور اپنا یقینی ضرر نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جیل وغیرہ میں اپنا ضرر ہے اور ان کا کوئی ضرر معتدبہ نہیں خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں اُس پر تو ہم کو قدرت ہے۔ لیکن اُس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے ان کی مدافعت پر بھی قدرت ہو پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے دوسری صورت استطاعت شرعیہ خوب سمجھ لیجئے گا اور مدافعت کی فرضیت کے لئے پہلی استطاعت کافی نہیں بلکہ دوسری صورت یعنی استطاعت شرعیہ شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے۔ قال رای منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب محقق ہوگی۔ یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں ان کی مدافعت پر قادر ہونا شرط نہ ہو تو زبان سے انکار کرنا ہر حالت میں فرض ہونا چاہیئے کیونکہ زبان کا چلانا ہر وقت ہماری قدرت میں ہے پھر وہ کونسی صورت ہوگی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی ستانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹائے اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت ہونے کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مقاومت اور مدافعت و مقابلہ بظن غالب عادۃ ناممکن ہو ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

سوال۔ پھر کیا صورت ہے کشمیر کے مسلمان کی امداد کی۔

جواب۔ یہ صورت ہے کہ وہاں جاکر ان کو تبلیغ کی جائے اور آپس میں اتحاد کی ترغیب دی جائے اور جب قوت ہو جائے لڑیں جہاد کریں۔

سوال۔ دروازہ پر روک لیا جاتا ہے گرفتار کر لیا جاتا ہے اندر جانے ہی نہیں دیا جاتا۔

جواب۔ آپ ہی دیکھ لیجئے کہ ایسی حالت میں آپ سے کشمیر کے مسلمانوں کو کیا امداد پہنچ سکتی ہے جب کہ وہاں تک پہنچنے پر بھی قدرت نہیں جتھوں کا جیل میں جانا پٹنا۔ بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہنچے تو اس کا درجہ ظاہر ہے یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو کیا خودکشی کرنا جائز ہو جائے گا اور یہ جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کا مرادف نہیں ہے۔ اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو

تو یہ خود اتنا بڑا نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل ہی نہیں حضرت ہر منفعت کا اعتبار نہیں اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے اگر تم کنوئیں میں گر جاؤ تو اس کی جان بچالے کی غرض سے کیا کنوئیں میں گر جانا جائز ہوگا۔

سوال۔ تو کیا پھر قتال ہی کیا جائے۔

جواب۔ ضرور۔ مگر قدرت عادی شرط ہے اور محض کامیابی کی خیالی توقع قدرت نہیں ہے۔

سوال۔ ضرر تو قتال میں بھی ہے اشد ضرر کہ جان جاتی ہے۔

جواب۔ چونکہ قتال مقصود اور منصوص ہے اس لئے اس کا ضرر معتبر نہیں اور یہ تدابیر اور طریق کار غیر منصوص ہیں اس لئے ضرر کو دیکھا جائے گا اور وجہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو۔ قتال فتنہ نہیں ہے۔ کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے اور سکون ہوتا ہے اور ان امور میں تشتت اور پراگندگی اور اضاعۃ وقت ہے اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے پروگرام بناتے وقت اور فقہ کو محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں اور نہ مفید ہے بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے اس میں سب احکام اظہر من الشمس ہیں فقہ نہایت ہی دقیق ہے۔ اسی واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں۔

سوال۔ من قتل دون عرضه وماله فهو شهيد سے جان دینا جائز نکلتا ہے تو بھوک ہڑتال وغیرہ میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

جواب۔ قتل سے مراد خودکشی نہیں ہے بلکہ مراد قتال ہے یعنی لڑو جنگ کرو اس نیت سے کہ جان اور ایمان اور مال بچ جاوے پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے وہ شہادت ہے اور خود قتل مقصود نہیں ہے بلکہ قتال ہے۔ اگر الزام آجائے

تو اس کا جواز نکلتا ہے غرض اس سے مقصود قتال ہے قتل نہیں وہ بھی جبکہ اس قتال کی سب شرطیں پائی جائیں اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے اور خود قتل کا مقصود نہ ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر جگہ یُقتلون (بصیغہ مجہول) بعد میں ہے یَقتلون (بصیغہ معروف) سے پس معلوم ہوا کہ یُقتلون خود مقصود نہیں۔ بلکہ یَقتلون سے کبھی لازم آجاتا ہے۔

سوال۔ پوری قدرت تو نہیں مگر جو کچھ بھی ہے اس کا استعمال کس طرح کریں کچھ تو ہونا چاہیئے۔

جواب۔ یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیئے میری تو سمجھ میں اس سے زیادہ نہیں آتا کہ ان کو تبلیغ کرو اور دین سکھلاؤ اس کے بعد لڑو میں پوچھتا ہوں ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ میں تھے اُن کی جانیں جاتی تھیں۔ اس وقت اہلِ مدینہ نے ایک بھی جتھا نہ بھیجا۔ کوئی بھی جتھا نہ گیا جب تک آیت قتال نازل نہ ہوئی صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی بس جنگ اسلامی لڑو آئین پائین کہاں کی خرافات نکالی ہے۔

سوال۔ ایسے آئین اس وقت ایجاد نہ ہوئے تھے اگر ہوتے تو جنگ بھی ایسی ہی ہو جاتی۔

جواب۔ بہرحال اس سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ آئین منصوص تو ہے نہیں عقل ہی کا اختراع ہے۔ تو صحابہ بھی عاقل تھے اُن کے ذہن میں اور یہ بڑی بڑی تدبیریں آئیں یہ تدابیر کیوں نہ آئیں اور یہ کیا آج کل کی اختراع شدہ تدابیر میں سے ایک بھی نہ آئی۔ آئی تو بس قتال کی آئی وہ بھی جبکہ آیت قتال نازل ہو چکی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر عمومات سے استدلال ہے تو سوال یہ ہے کہ آج تک ائمہ میں ان عمومات سے استدلال کر کے کسی نے عمل بھی کیا ہے اور کیا تیرہ سو برس میں ایسی

مظلومیت کی صورتیں پیش نہ آئی تھیں پھر یہ طریقے کیوں نہیں اختیار کئے گئے ۔ دوسری بات یہ پوچھتا ہوں کہ ہجرت کے بعد جو مستضعفین مکہ میں رہ گئے تھے ۔ ان مسلمانوں میں کچھ قوت اور استطاعت تھی یا نہیں اگر یہ کہا جائے کہ ان میں قوت اس قدر نہ تھی کہ کسی قسم کا بھی مقابلہ کر سکتے جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے ان میں اس قدر قوت تھی کہ ہندوستانیوں کی قوت اُن کی قوت کے سامنے گرد ہے ۔

سوال ۔ مقابل کفار بھی ایسے ہی قوی تھے اس لئے وہ اُن سے مقابلہ نہ کر سکے ۔

جواب ۔ یہ تو میرے کلام کا حاصل ہے ۔ یہی تو بات ہے اور اب کیا بات رہی اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا مطلب یہی تو ہوا کہ صبر ہی کرنا پڑے گا عدم قدرت کی حالت میں جیسا کہ اہل مکہ نے کیا اور جب مدینہ والوں کو قوت ہو گئی اس وقت تلواریں ہاتھ میں لیں اور مکہ پر چڑھائی کی ۔

سوال ۔ پہلے آئین کی لڑائی نہ تھی اب تو آئین کی لڑائی ہے ۔

جواب ۔ اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے اب پھر سمجھ لیجئے کہ یہ آئین کہاں سے آئے یہ بھی تو گھڑے ہوئے ہیں اور صحابہ نے تو سلطنت کی ہے اتنی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ اس طرح جتھے بھیج کر مکہ والوں کی مدد کرتے خیر کچھ بھی ہو منقولات سے ثابت کیجئے عجیب بات ہے کہ آپ مجھ سے تو غیر منقولات منوانا چاہتے ہیں اور آپ منقولات کو بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں میں ہرگز ماننے کو تیار نہیں جب تک آپ منقولات سے ثابت نہ کریں جیسے ہمارے بزرگوں نے نظام دین کی حفاظت کے لئے قائم کیا یعنی تقلید اس کو ایسی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے اور خرابی تو آجکل زیادہ اسی وجہ سے ہو رہی ہے کہ ہر شخص مجتہد بنا ہوا ہے ۔ واقعی سلف صالحین بڑے ہی حکیم تھے دنیا میں یہ طبقہ حکماء کا ہے کہ اجتہاد ہی کو بند کر دیا وہ ہم سے زیادہ دین کو سمجھنے والے تھے ۔ مزاحاً فرمایا کہ ہم لوگ تو عند اللہ بھی معذور ہوں گے ، پوچھا

جائے گا عرض کر دیں گے کہ اے اللہ کوئی دلیل ہی سمجھ میں نہ آئی تھی اور آپ سے پوچھا جائے گا کہ باوجود دلیل معلوم ہونے کے بھی کشمیر کے مسلمانوں کی کیوں امداد نہیں کی اور وہاں پر کیوں نہیں گئے ہم تو وہاں پر بھی بری اور آپ سے وہاں بھی باز پرس۔ میں ایک کام کی بات عرض کرتا ہوں کہ ان چیزوں میں نرے دلائل کافی نہیں تھوڑے سے ذوق کی بھی ضرورت ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ ان جدید تدابیر اور طریق کار میں غیر منصوص ہونے کے علاوہ میرا ذوق بھی ان چیزوں کے خلاف ہے اور مدار قبول اسکات خصم نہیں اسقاط ہے۔

سوال۔ ہم ہر طرح پر کمزور ہیں کچھ نہیں کر سکتے

جواب۔ یا تو اس قدر قوت تھی جوش تھا کہ منصوص کے مقابلہ میں غیر منصوص پر عمل کرنے کو تیار تھے یا یہ عقیدہ کر لیا ہے کہ ہم کمزور ہیں کام کیجئے مگر شرط یہ ہے کہ حدود شرعیہ کو محفوظ رکھتے ہوئے کام کیجئے۔

انبیاء علیہم السلام کی تدابیر میں اثر نہ ہو غضب کی بات ہے اپنی اختراع کی ہوئی تدابیر کو مؤثر سمجھیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ تدابیر کے استعمال میں خدا کے راضی کرنے میں کامیابی کا اثر ہوگا یا ناراض کرنے میں ظاہر ہے کہ راضی کرنے میں اثر ہوگا تو اس کی ایک ہی تدبیر ہے کہ تدابیر منصوصہ پر عمل کیا جائے۔

سوال۔ ان غیر منصوصہ پر جو عمل کیا جائے گا غیر مشروع اور برا سمجھ کر تھوڑا ہی کریں گے تو اس میں بھی خدا تعالیٰ کی ناراضی نہ ہوگی۔

جواب۔ یہ تو اور بھی برا ہے کہ معصیت کو معصیت بھی نہ سمجھا جائے بلکہ معصیت کو نیکی سمجھ کر کیا جائے یہ درجہ تو اُس سے بھی برا ہے اور بہت برا ہے پھر بدعت کوئی چیز نہیں رہتی اس لئے بدعتیں جس قدر ہیں سب کو دین ہی سمجھ کر کرتے ہیں اہل بدعت یہی جواب دے سکتے ہیں کہ ہم برا سمجھ کر تھوڑا ہی کرتے ہیں اس سے تو سنت اور

بدعت جائزہ اور ناجائزہ میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا ہر بُرے کام میں نیت اچھی کرلیا کریں، کہ ہم جو کر رہے ہیں یہ بُرا کام نہیں بلکہ نیک کام ہے آپ ہی تبلائیے کہ یہ کلیہ کہاں تک صحیح ہے جو آپ نے بیان کیا۔

سوال۔ منصوص تدابیر کے مقابل ان جدید تدابیر کو منہی عنہ نہیں فرمایا گیا نہ نہی وارد ہے نہ حکم ہے تو اس صورت میں مسکوت عنہ کہا جائے گا ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہ ہوئی ہو اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں تو مسکوت عنہا ہوسکتی ہیں۔ لیکن ان چیزوں کی تو حاجت ہمیشہ ہی پیش آتی رہی پھر بھی نصوص میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہ ہوگا منہی عنہ ہوگا کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا اختیار نہیں کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا۔

علاوہ ان سب باتوں کے ایک یہ بات باریک ہے جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لئے حدود کی ضرورت ہے۔ ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے سو اس کا تحفظ کون کریگا کون کرائیگا۔ ایک لڑکا زمانہ خلافت میں ہجرت کر گیا۔ اس کی ماں روتی روتی اندھی ہوگئی اس کو کون دیکھے گا کہ کس کو جانا چاہیئے اور کس کو نہیں اگر تدابیر جدیدہ جائزہ بھی ہوں تب بھی اس کی ضرورت ہے کہ کوئی امیر ہو تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے اور دوسروں سے بھی کرائے۔ بلا امیر کے کچھ نہیں ہوسکتا فرمایا کہ امیر پہ یاد آیا ایک ڈاکٹر صاحب ہیں پنجاب میں بہت ہی مخلص اور سمجھدار ہیں زمانہ تحریک خلافت میں ان کے ایک عزیز بڑے ہی جوش اور سرگرمی کے ساتھ حصہ لئے ہوئے تھے

ڈاکٹر صاحب ان معاملات سے یکسو تھے ایک روز ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ اس تحریک میں حصہ کیوں نہیں لیتے ڈاکٹر صاحب نے میرا نام لے دیا کہ وہ شریک نہیں اس لئے میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ یہ سن کر بولے کہ میں اس کو تو پانچ منٹ میں اپنے ساتھ کر لوں گا دیکھیں کیسے شریک نہیں ہوتے مجھ کو تھانہ بھون لے چلو میں گفتگو کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ میرے بھائی ایسا کہتے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ساتھ لے کر آؤں۔ میں نے لکھ دیا کہ ضرور لاؤ ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو اس قدر ذہین ہو۔ مجھے خود ان سے ملاقات کا اشتیاق ہو گیا اس لئے کہ ایسا ذہین آدمی کہاں ملتا ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میری ہمیشہ یہ نیت رہی اور ہے کہ مسلمان تو بڑی چیز ہیں اگر مجھ کو بھنگی کا بچہ بھی سمجھائے تو میں مان لوں گا۔ خدانخواستہ کوئی ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے۔ ہاں اس کے ساتھ یہ بھی نیت رہی کہ بدون مسئلے کو سمجھے ہوئے ایک انچ بھی قدم نہ اٹھاؤں گا۔ دوسرے یہ ہے کہ مصالح وغیرہ کو شریعت مقدسہ پر مقدم نہیں کر سکتا یہ میرا فطری امر ہے۔ میں اس میں مجبور ہوں مجھ سے مصالح پرستی نہیں ہو سکتی مصالح تو یہاں پر پیس دیئے جاتے ہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ مصالحوں کو سِل پر خوب پیسا جائے جتنا پیسا جائے گا اتنا ہی سالن لذیذ ہو گا۔ فرمایا کہ مصالح پر یاد آیا جان سے بڑھ کر تو کوئی مصالح نہ ہوں گے۔ جس زمانہ میں تحریک خلافت کا شباب تھا، شورش پسند طبیعتیں جوش میں بھڑک رہی تھیں۔ چہار طرف ایک آگ لگی ہوئی تھی یہاں تک نوبت آ گئی تھی کہ علاوہ بُرا بھلا کہنے اور لعن طعن اور قسم قسم کے بہتان و الزامات لگانے کے دھمکی کے خطوط میرے پاس آتے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اُس وقت غایت شفقت اور محبت کی بنا پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص اور معتمد شخص

کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ یہ وقت خطرہ کا ہے اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجائش ہے۔ میں نے کہلا کر بھیجا کہ یہ آپ کی محبت اور شفقت کا اقتضاء ہے مگر سب سے بڑا خطرہ جان کا چلا جانا ہے سو اس کے لئے میں نفس کو تیار پاتا ہوں لیکن اس پر آمادہ نہیں ہوں کہ بلا سمجھے شرکت کر لوں اور نہ اس پہ قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت کروں اور باطن میں الگ رہوں میں اس کو منافقت سمجھتا ہوں۔ اور بحمد اللہ اس وقت تک ہر خطرہ سے محفوظ آپ کے سامنے زندہ اور صحیح سلامت ہوں لڑکیوں کا کھیل بنا رکھا ہے یہ دین ہے کہ یا تو وہ کرو جو ہم کہیں ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اُسی زمانہ میں میں جنگل معمول کے موافق صبح کو گیا ایک ہندو راجپوت بوڑھا تھانہ بھون ہی کا رہنے والا ملا بستی کے ہندو بھی جو پرانے خیال کے اور پرانی عمر کے ہیں محبت کرتے ہیں کہنے لگا۔ مولوی جی کچھ خبر بھی ہے تمہارے واسطے کیا تجویزیں ہو رہی ہیں۔ تنہا اس طرح جنگل مت آیا کرو۔ میں نے کہا چودھری مجھ کو اس کی بھی خبر ہے اور ایک بات کی اور بھی خبر ہے جس کی تم کو خبر نہیں کہنے لگا کہ جی وہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ بدون اس کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تھا تو ہندو مگر یہ سُنکر اسقدر اس پر اثر ہُوا جوش میں آ کر کہنے لگا کہ مولوی جی تم جہاں چاہو پھرو تمہیں کچھ جوکھم نہیں ایسے آدمی کے لئے گھر جنگل پہاڑ سب ایک ہی سے ہیں۔ غرضیکہ ڈاکٹر صاحب اپنے بھائی کو ہمراہ لے کر یہاں پر آئے۔ پہلی ملاقات تھی مگر نہایت بے تکلفی سے گفتگو شروع کی گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ آدمی سمجھدار تھے مگر غلطی میں مبتلا تھے کہنے لگے کہ میں بلا تمہید عرض کرتا ہوں کہ آپ اس تحریک میں شریک کیوں نہیں۔ میں نے کہا کہ میں بھی بلا تمہید عرض کرتا ہوں کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے اس میں ضرورت ہے اتفاق کی حدوثاً بھی بقاءً بھی اور اول تو مجھ کو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے لیکن علیٰ سبیل التنزل اگر مان بھی

لیا جاوے تو بقاء کا کون ذمہ دار ہے اس لئے کہ بقا کے لئے ارادت کافی نہیں قہر و قوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت امیر المومنین ہے اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیر یا سردار نہیں جو ان کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے جو روح ہے اس کام کے کرنے کی تو خلاصہ شرط کا یہ ٹھہرا کہ مسلمانوں کا کوئی امیر المومنین ہو سب سے بڑا اور اہم مسئلہ یہ ہے اس کی کیا صورت ہے کہنے لگے کہ ہم آپ ہی کو امیر المومنین بناتے ہیں۔ میں نے کہا میں امیر المومنین بننے کو تیار ہوں مگر اس میں کچھ شرائط ہیں۔ میں نے ان شرائط کی تقریر کی جس کا حاصل یہ ہے، کہ اوّل شرط یہ ہے کہ تمام ہندوستان کے مسلمان اپنا تمام مال اور جائیداد میرے نام ہبہ کر دیں میں بھیک مانگنے والا امیر المومنین نہیں بنوں گا۔ اور مانگنے کی بھی کوئی حد ہے کوئی ایک دفعہ دے گا دو دفعہ دے گا تین دفعہ دے گا بالآخر اُکتا جائے گا کہ ان کا تو رات دن کا یہی قصہ ہے۔ دوسرے ایسے کام چندوں سے نہیں چلا کرتے چندوں سے جن کے کام چلے ہیں اُن کے مال ان کی جان اُن کی آبرو اُن کے بیوی بچے سب خدا کی راہ پر اپنے کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اصل مقصد میں سب متحد تھے خلوص سے اُن کے قلوب پُر تھے ان کی کیا کوئی ہمسری کا دعوے کر سکتا ہے اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک ضرورت ہے اور یہ میں جو عرض کر رہا ہوں تجربات کی بنا، پر اس لئے کہ آجکل چندوں کی اسقدر بھر مار ہے کہ لوگ دیتے دیتے اُکتا گئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت صرف کی فوری پیش آ گئی اور پلّے ہے نہیں اب اگر رقم وقت پر اپنے موقع پر نہ پہونچی تو کیا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ ناکامیابی ہو اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے مثلاً ضرورت تو ہے آج اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کو پھر اس میں بھی یہ ضرور تھوڑا ہی ہے کہ فوری کامیابی ہو جائے

یہ بھی تو احتمال ہے کہ کامیابی نہ ہو تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کر دینا کونسی عقلمندی کی بات ہے اب بتلایئے کہ اس وقت چندہ کی فکر کیجئے گا یا کام کی تو پہلے اس کا انتظام کیا جائے۔ اب سُنئے اس سرمایہ سے جو میرے نام ہبہ ہوگا سامان جمع کروں گا اور یہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہبہ کے بعد ہبہ کرنے والوں میں سے کسی کو تکلیف نہ ہونے دوں گا سب کو حسب حیثیت اور مذاق انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں اور اگر اطمینان نہ ہو تو تحریر مجھ سے لکھالی جائے کہ بعد انفراغ اور کامیابی کے بجنسہٖ سب کی جائداد وغیرہ واپس کر دوں گا رکھوں گا نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء اور لیڈروں کے دستخط کراؤ کہ وہ مجھ کو امیر المومنین تسلیم کر لیں اگر بلا اختلاف سب نے تسلیم کر لیا تو میں امیر المومنین ہونگا اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا اس لئے اختلاف کی صورت میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تسلیم کے بعد پھر کوئی اختلاف یا خلاف کرے تو امیر کو حق ہے کہ وہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو دبائے اور ٹھیک کرے قبل از تسلیم حق نہیں کہ اس کو دبایا جائے۔ ایک یہ کام کرا دیجئے۔ اب سنئے کہ امیر المومنین ہونے کے بعد سب سے اوّل جو حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس سال تک کے لئے سب خاموش ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور و غل بند۔ اس دس سال میں انتظام کرونگا مسلمانوں کے مسلمان بنانے کے اور ان کی اصلاح کے لئے باقاعدہ انتظام ہوگا۔ غرضیکہ مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا حکم دوں گا عملی صورت یہ ہے کام کرنے کی اور محض کاغذی امیر المومنین بنانا چاہتے ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج امیر المومنین ہوں گا کل کو اسیر الکافرین ہوں گا آج سردار بنوں گا کل کو سر دار ہوں گا۔ یہ تقریر سُنکر ان کی تو سب ذہانت ختم ہوگئی اور یہی مقصود تھا اس تقریر سے کہ ان کو اپنے خیالی منصوبوں کی حقیقت معلوم ہو جاوے ورنہ امیر المومنین

کون بنتا ہے اور کون بناتا ہے یہ تقریر بھی ایک علمی ناول تھا جس میں فرضیات سے مفید سبق دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام اصول سے ہو سکتا ہے بے اصول تو گھر کا بھی انتظام نہیں ہو سکتا ملک کا تو خاک انتظام ہو گا۔ یہ ہیں وہ اُصولی باتیں جن پر مجھ کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے اور قسم قسم کے الزامات و بہتان میرے سر تھوپے جاتے ہیں اور لوگ مجھ سے خفا ہیں اور وجہ خفا ہونے کی صرف یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اصول کے ماتحت کام کرو جوش سے کام مت لو ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو وہ ان باتوں کو اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر دین نہ رہا اور احکام اسلام کو پامال کرنے کے بعد کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہو گا۔ کیا یہ دین کی خیر خواہی اور ہمدردی کہلائی جا سکتی ہے۔ اے صاحبو! آج سے پہلے بھی تو اسلام اور مسلمانوں پر اس سے بڑے بڑے حوادث پیش آئے ہیں کہ اس وقت اس کا عشر عشیر بھی نہیں مگر انہوں نے اس حالت میں بھی اصُول اسلام اور احکام اسلام کو نہیں چھوڑا۔ سلف کے کارناموں کو پیش نظر رکھ کر کچھ تو غیرت آنا چاہیئے، تم تو معمولی معمولی باتوں میں احکام اسلام کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہو وہ حضرات عین قتال کے وقت میں بھی حدود کی حفاظت اور رعایت فرماتے تھے جس پر آج ہم کو فخر ہے۔ اب تم ہی فیصلہ کر لو کہ وہ تھے خیر خواہ اسلام، ہمدرد اسلام، جانباز اسلام یا تم تحریک خلافت کے زمانہ میں صاف الفاظ میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا وقت نہیں کام کرنے کا وقت ہے۔ ایک مولوی صاحب نے جو تحریکات میں نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ کام کر رہے تھے مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو وہ کام کرنے پڑتے ہیں اس تحریک میں کہ اگر علماء کو معلوم ہو جائیں تو ہم پر کفر کا فتوے دے دیں۔ یہ تو حالت ہے اور اس پر دعوے دین

کی خدمت کا۔ خود ان خرافات اور بیہودگیوں کا اقرار ہے اور پھر ایسے معاملات میں کہ جن کو خود بھی شرک اور کفر تک سمجھتے ہیں دوسروں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے کہ تم بھی ہم جیسے بن جاؤ۔ اس موقع پر یہ مقولہ صادق آتا ہے۔ ہم تو ڈوبے ہیں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔ یہ علماء کی حالت ہے جو ان تحریکات میں حصہ لے رہے ہیں۔ باقی عوام اور لیڈروں کی حالت کا اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ وہ کیا کرتے ہوں گے۔ اب جو ان باتوں پر تنبیہ کرے یا خاموش اور علیحدہ رہ کر ان خرافات کی شرکت سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرے اس پر لعن طعن سب و شتم کیا جاتا ہے یہ سب خرابیاں امیر عادل نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر امیر عادل ہو وہ ان خرافات کا انسداد کر سکتا ہے وہی حدود کی رعایت کرا سکتا ہے۔ غرض اصل چیز رعایت ہے حدود کی پھر اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو صبر کریں۔ اجی جان دینا تو مشکل نہیں مگر یہ تو اطمینان ہے کہ اپنے مصرف پر گئی جان بھی کمبخت دی اور خلجان مول لیا کہ جس کام لئے جان دی ہے وہ دین ہے یا نہیں یونہی بیٹھے بٹھلائے جا کر جان دے دینا کونسی انسانیت ہے اگر کوئی وقت آگیا جان دینے کا اور وہ صحیح مصرف بھی ہوا تو سب سے پہلے یہ مدعیان خیرخواہ ہی قوم اور ہمدردان اسلام ہی دم دبا کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ جس وقت حضرت مولانا دیوبندی مالٹا سے دیوبند تشریف لائے تو میں حضرت کی زیارت کے لئے دیوبند حاضر ہوا تھا وہاں پر ایک صاحب اس قسم کی گفتگو کرنے لگے اور یہ کہا کہ آپ کو تو معلوم ہے پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوئے تھے میں نے کہا مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوئے تھے اور اس کی بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے اور آخر تک بیٹھے ہی رہے اب بتلاؤ کہ اپنے بزرگوں کے متبع ہم ہوئے یا تم اس لئے کہ تم منسوخ پر عمل کر رہے ہو اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے پھر کچھ نہیں بولے نادم ہو گیا

سمجھ رکھا ہے جن وجوہ اور اسباب کی بناء پر بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی وہی اسباب اب بھی موجود ہیں بلکہ اس سے زیادہ ابتری اور کمزوری نظر آ رہی ہے اگر ذرا غور و فکر سے کام لیں تو اُس وقت اور اس وقت کی حالت کا تفاوت مشاہد ہو سکتا ہے کوئی باریک یا غامض بات نہیں جس میں اختلاف کی گنجائش ہو اور یوں تو ہر بات کا جواب ہو سکتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ جواب مقبول ہے یا مردود اس لئے کہ شیطان نے بھی اللہ میاں کو جواب دیا تھا اس پر جو حشر اس کا ہوا کسی سے مخفی نہیں اور عوام کے بھروسہ جب کہ ان میں دین بھی پُورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا نہایت خطرناک بات ہے اور یہ خطرہ دنیا ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کا اثر دین پر بھی ہوگا اور یہ نہایت قوی اندیشہ ہے بہ خصوص اس حالت کے مضر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا جب کہ دُوسروں کے کندھے پر بندوق چلائی جا رہی ہو جیسا صاف کہتے ہیں کہ بدون برادران وطن کی شرکت کے ہم کچھ نہیں کر سکتے ایسی قوت کے بھروسہ کہ جن سے کسی وقت بھی اسلامی خیر خواہی اور ہمدردی کی امید نہیں کام کرنا کہاں تک عقلمندی کہلائی جا سکتی ہے نہ شرعاً نہ عقلاً اس کو کوئی نافع تسلیم کر سکتا ہے ہزارہا واقعات شب و روز مشاہد ہو رہے ہیں کہ وہ کسی طرح بھی اور کسی وقت میں اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے خُدا معلوم ان مشاہدات کو کس بنا پر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اور جو اصل چیز ہے کہ مسلمانوں میں دین پیدا ہو ان کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو ان کا کوئی امیر ہو اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں بھیڑ چال ہے جس طرف کو ایک چلدی سب اسی طرف کو چل دیتے ہیں میں بقسم عرض کرتا ہوں اور خدا کی ذات پہ بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ اپنے دین کے پابند ہو جائیں اور تمام آپس کے مناقشات کو ختم کر کے متحد ہو جائیں اور اپنی قوت کو ایک مرکز پہ جمع کر لیں اور جس

کو اپنا خیرخواہ سمجھ کر بڑا بنائیں اس کے کہنے اور مشوروں پر عمل کریں اُس کی اتباع سے سرمو اعراض نہ کریں تو پھر ان کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت نہ اُن کو کسی سے خوف کی ضرورت اور نہ ان کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے معمولی معمولی باتوں میں بغیر اصول پر عمل کئے آدمی ناکامیاب رہتا ہے یہ اتنا بڑا کام اور اس کا کوئی اصول نہ ہو سخت حیرت ہے ہمارا تو ہستی اور وجود ہی کیا ہے صحابہ کرام جن کی مقبولیت اور فراست و عقل مسلم دنیا کو تسلیم ہے اور بڑے بڑے عقلاء اس پر متفق ہیں اُنہوں نے بھی ساری عمر یہ کام کئے مگر اصول اور حدود کو ہاتھوں سے نہیں چھوڑا یہی راز ان کی کامیابی کا ہے۔ یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے کہ اُن کو کامیابیاں ہوئیں اُن کی نصرت ہوئی وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت میں غالب آئے مگر اُسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ ان کا طریق کار کیا تھا۔ ان کا اس جدوجہد سے کیا مقصود تھا ان کی نیت کیا تھی ان کے اعمال کیسے تھے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے وہ احکام اسلام پر کس درجہ عامل تھے ان کے قلوب میں اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت اور محبت تھی ثمرات پر تو نظر ہے اسبابِ ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہیئے اور اس پر اپنی حالت کو منطبق کرنا چاہیئے کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت معلوم ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم ان کامیابیوں اور نصرتوں کے مستحق ہیں یا نہیں۔ نرے دعوے اور زبانی باتیں ہانکنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے۔ کام تو کام سے ہوا کرتا ہے میرا معمول ہے کہ مجھے جب کوئی اس قسم کا مشورہ دیتا ہے کہ یہ کرنا چاہیئے اور یہ ہونا چاہیئے میں جواب میں ایسا طریقہ بتلا دیتا ہوں کہ اس میں ان حضرت کو بھی کچھ کرنا پڑے اور خود بھی شرکت کا وعدہ کر لیتا ہوں باوجود میرے وعدۂ شرکت کے کسی کو بھی آمادہ نہیں دیکھا دوسروں ہی کو چاہتے ہیں کہ سب یہ ہی کریں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے بطور مزاح

فرمایا کہ پھر تو وہ اس کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ ان کو یہ کہا جائے " آمادہ " (یعنی اے مادہ آجا) سب تری ختم ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کی حالت بالکل اس کے مصداق ہے جیسے دو دوست کا ایک ساتھ سفر ہوا اوّل منزل طے ہونے کے بعد کسی مقام پر قیام کیا وہاں پہ کھانا پکانے کی تجویز ہوئی ایک بولا کہ بھائی میں تو بازار سے سودا لاتا ہوں تم جنگل سے لکڑیاں چن لاؤ۔ دوسرا کہتا ہے کہ دوست تم کو معلوم ہے کہ میں سفر کی وجہ سے تھکا ماندہ ہوں۔ مجھ سے یہ کام انجام نہیں دیا جا سکتا وہ بیچارا بازار سے سودا بھی لے آیا اور جنگل سے لکڑیاں بھی چن لایا اُس نے کہا کہ یہ کام تو ہو گیا اب تم آگ جلاؤ اور میں آٹا گوندھتا ہوں کہا کہ اتنی ہمت کہاں ہے بہت ہی خستہ حالت ہے اُسنے یہ دونوں کام بھی انجام دیئے پھر اُس نے کہا کہ بھائی میں روٹی پکاتا ہوں تم آگ جلاتے رہنا اور روٹی سینکتے رہنا کہا کہ بیٹھنا موت ہے سفر کی تکان سے ٹانگیں چور ہو رہی ہیں اس نے روٹی بھی پکالی پھر اس نے کہا کہ لو بھائی آکر کھا تو لو، تو کہتا ہے کہ بہت دیر سے دوست کے کہنے کی مخالفت کر رہا ہوں آخر کہاں تک مخالفت کروں شرم معلوم ہوتی ہے۔

دوست کہے گا کہ کسی بات میں کہنا نہیں مانا لاؤ کھا تو لوں ہی یہی حالت ان مشورہ دینے والوں کی ہے پکی پکائی چاہتے ہیں کہ مل جائے ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے میں پوچھتا ہوں کہ تم جو سلف کے کارناموں کو پیش کر کے دوسروں کو ترغیب دیتے ہو کیا ان کی یہی حالت تھی جو تمہاری ہے کہ ہر کام سے خود جان بچاتے ہیں اور دُوسروں کو پھانسنے کی فکر کرتے ہو۔ اُن کی تو یہ حالت تھی کہ کام تو ہے کیا بلا ایک سے پہلے دُوسرا اپنی جان دینے کو تیار رہتا تھا منجملہ اور وجوہ کے ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میں ایسے کاموں میں شرکت نہیں کرتا کہ ایسے کاموں کا تعلق دُوسروں سے ہوتا ہے اور تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ کسی وجہ سے کے بعد دوسرا کوئی کام

کیا جائے کبھی انجام کو نہیں پہنچ سکتا یہ تو بہت بڑا کام ہے رات دن کے معاملات میں دیکھا جا رہا ہے معمولی معمولی کاموں میں لوگ اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ اگر کسی کو کوئی کام سپرد کر دیا جاتا ہے تو آئندہ توبہ ہی کرنی پڑتی ہے۔ یہ تو اس کے مصداق ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

البتہ دو کاموں کے خوب ہیں ایک تو جو بات گاندھی کے منہ سے نکل جائے اس کو قرآن و حدیث میں ٹھونسنا اور اس پر منطبق کرنا دوسرا یہ کہ جہاں کوئی بات ہوئی لاؤ چندہ ان دونوں میں کمال حاصل کر لیا ہے دیکھ لیجئے اتنا زمانہ گزر گیا گاندھی نے کسی نئی بات کا اعلان نہیں کیا سب خاموش ہیں۔ اب وہ کسی نئی اسکیم کی فکر میں ہوگا جستجو کر رہا ہوگا تو جہاں اس نے کسی نئی چیز کا اعلان کیا پھر دیکھنا قرآن و حدیث میں بھی وہ چیز نظر آنے لگے گی اور کوئی چیز بھی تو اس تمام تحریک کی ایسی نہیں جو کسی مسلمان لیڈر یا علماء کی تجویز کردہ ہو۔ دیکھ لیجئے۔ اوّل قدم ہوم رول گاندھی کی تجویز بائیکاٹ اس کی تجویز کھدر اسکی تجویز خلافت کا مسئلہ اسکی تجویز ہجرت کا سبق اس کی تجویز غرضیکہ جملہ تحریکات میں جس قدر اجزاء ہیں سب اس کی تجویزات ہیں ان کا صرف یہ کام ہے جو اس نے کہا لبیک کہہ کر ساتھ ہو لئے کچھ تو غیرت آنا چاہیئے ایسے بدفہموں نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا سخت صدمہ اور افسوس ہے پھر غضب یہ ہے کہ اس کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کو فرض و واجب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے علیحدہ رہنے والے کو گمراہ اور مرتکب کبائر کا سمجھتے ہیں خدا معلوم لکھ پڑھ کر کہاں ڈبو دیا۔ گاندھی کے اقوال کا انطباق

قرآن وحدیث پر ایسا ہی ہے جیسے ایک گاؤں میں بوجھ بجھکڑ رہتا تھا اتفاق سے اس گاؤں کے رہنے والوں میں سے ایک شخص کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ چڑھ تو گیا مگر اترا نہ گیا۔ تمام گاؤں جمع ہوگیا مگر کسی کو کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی کہ اس کے اُتر آنے کی درخت سے تدبیر کیا ہے بالآخر بوجھ بجھکڑ بلائے گئے آکر درخت کے پاس کھڑے ہوئے کبھی اوپر کو دیکھتے اور کبھی نیچے کو سوچ سلچ کر بولے رسی لاؤ۔ رسی لائی گئی کہا اس میں گرہ لگاکر پھندہ لگاؤ اور اس کو قوت کے ساتھ اُوپر پھینکو اور اس شخص سے کہا کہ اس کو پکڑ کر پھندہ کمر میں ڈال لے غرضیکہ رسّا پھینکا گیا اس نے پکڑ کر کمر میں ڈال لیا۔ اب نیچے والوں سے کہا کہ زور سے جھٹکا مارو۔ اُنہوں نے زور سے جھٹکا مارا وہ پٹ سے نیچے آپڑا ہڈی پسلی ٹوٹ گئیں بھیجا نکل کر دُور جا پڑا ختم ہوگیا لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے دریافت کیا کہ یہ کیسی تدبیر تھی یہ تو مر گیا بوجھ بجھکڑ جواب میں کہتے ہیں مرگیا تو میں کیا کروں، اس کی قسمت میں نے تو سینکڑوں آدمی اس ہی صورت سے رسّی کے ذریعہ کنوئیں سے نکلوا لئے ہیں۔ تو جیسے اس بوجھ بجھکڑ نے قیاس کیا کنوئیں پر کھجور کے درخت کو ایسا ہی انطباق اور استدلال آجکل کیا جا رہا ہے۔ اسی استدلال کی بدولت (مشاہدہ ہے) موپلوں کی قوم کو تباہ و برباد کرا دیا ان لیڈروں اور ان کے ہمخیال مولویوں نے لیکچر دیئے عرب النسل تھے جوش پیدا ہوا بھڑک اٹھے پھر جو کچھ ان کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے پھر ایک لیڈر بھی وہاں نظر نہ آیا کسی نے بھی ان کی امداد نہ کی چاہتے یہ ہیں کہ ہم تو کرسی صدارت پر بیٹھے رہیں اور لوگ جانیں دیتے رہیں یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کاموں کا کہ موپلوں کی قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ بجائے ترقی کے پستی کی طرف پہنچ گئے۔ بالکل وہی صورت ہے کہ کھجور کے درخت سے زمین پر لایا گیا بلندی سے پستی کی طرف

آیا انجام ہلاکت ہوا تو یہ جس قدر من گھڑت تدابیر نصوص کے خلاف ہیں ان کا درجہ بھی اس بوجھ بجھکڑ کی تدابیر سے کم نہیں جو انجام وہاں ہوا وہی یہاں ہوگا کہ بلندی سے پستی کی طرف آؤ گے۔ کرو اصول کے خلاف مت کرو حدود شرعیہ کا تحفظ لگاؤ ایڑی چوٹی تک کا زور واللہ ثم واللہ ثم واللہ ایک انچ بھی تو آگے نہیں چل سکتے کر کے دیکھ لو اور یہ بھی دیکھ لو کہ کسی نتیجہ پر پہنچتے ہو یا نہیں مسلمانوں کی فلاح اور ان کی بہبودی تدابیر منصوصہ ہی میں ہے یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض لوگ دعائے ماثورہ کو چھوڑ کر اور طریق دعار کا اختیار کرتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر یہ طریق مقبول اور پسندیدہ خدا و رسول کا ہوتا تو وہ بھی تو تعلیم کر دیا جاتا جب نہیں کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ طریق مقبول اور پسندیدہ نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غیر مقبول میں خیر و برکت کہاں بے برکتی بھی مشاہد ہے اور بے برکتی کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اس شخص کی تعلیمات اور تجویزات ہیں جو توحید اور رسالت کا منکر اسلام اور مسلمانوں کا دشمن رئیس المشرکین والکافرین ہے سب اس کا سبق پڑھایا ہوا ہے۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں ہجرت کا ریزولیشن پاس کر دیا اسی پر مسلمان لبیک کہہ کر کھڑے ہو گئے۔ ہزاروں مسلمانوں کو بے خانما کرا دیا اس کا جو مسلمانوں کی ذات پر اثر ہوا اور ناقابل برداشت نقصان پہنچا وہ سب کو معلوم۔ پھر ملازمتیں ترک کرنے کی تعلیم دی گئی جن کی متیں ماری گئی تھیں وہ چھوڑ بیٹھے مسلمانوں نے تو چھوڑ دیں اور ہندوؤں نے ان کی جگہ کو پُر کیا بہت سے تو اب تک جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں بعض کے خطوط آتے ہیں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ حماقت ہو گئی تھی اب تک بے روزگاری بے سخت پریشانی ہے۔ یہ ہیں بے اصول کام کے انجام اگر کوئی اصول ہوتا یا کوئی مرکز ہوتا تو ان لوگوں کو کیوں پریشانی ہوتی اور کیوں بد دل ہوتے۔ غرضیکہ قدم قدم پر ناکامی اور ذلت گلوگیر ہو رہی ہے مگر

پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں جو سُوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے ۔ یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہیں ۔ اگر مسلمان تنہا اصُول کے ماتحت حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے اور کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کریں اپنی مالی اور جانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں پھر کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا ۔ مسلمانوں کے جو مقاصد شرعیہ یا اپنی بہبودی دنیا و دین کے لئے مطالبات ہیں ان سے مجھ کو اختلاف نہیں اور نہ کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا ہے ۔ وہ تو سب ہی کو مطلوب ہیں ۔ مجھ کو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے ہے ۔ حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہیں سردار یا امیر کوئی نہیں اختلاف اور خلاف کی یہ حالت ہے کہ پارٹی بندیاں ہو رہی ہیں کہ علما ایک طرف کو چلے جا رہے ہیں ۔ لیڈر ایک طرف چلے جا رہے ہیں عوام کی یہ حالت ہے کہ جس نے مرضی کے موافق فتویٰ دے دیا یا کوئی عالم یا لیڈران کے ساتھ ہو لیا اس میں سب کمالات ہیں ۔ اس کو عرش پر پہنچا دیں گے اگر کسی نے مرضی کے خلاف کوئی بات کی تو تحت الثریٰ میں اس کو جگہ ملنا مشکل غرضیکہ ایک گڑ بڑ ہے اور یہ طریق کار جو موجود ہے یہ تو سراسر اسلام اور شریعت سب کے خلاف ہے اس کو اسلام اور مسلمانوں سے کیا تعلق ۔ مثلاً کانگریس کی شرکت جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤں کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا ہے اور مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دینا اس کا ایک خاص فرض منصبی ہے یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہیں بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ اور برباد کیا مدارس دینیہ و مساجد کو خراب کیا وہ ساری دنیا کو معلوم ہے تو حضرت یہ سوراج سوراج مانگتے پھرتے ہیں اگر خدانخواستہ اس میں کامیابی بھی ہو گئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائے گا ۔ برادرانِ وطن اپنی رکیک حرکتوں سے باز نہ آئیں گے مسلمانوں میں اشتعال اور جوش ہوگا روزانہ قتال اور جدال رہے گا شر کی ابتدا مسلمان کبھی نہیں کرتے یہ تو ہونے پر

بھی بیحد درگزر کرتے ہیں مگر جب سر پر سے پانی گزرنے لگتا ہے تب بیشک یہ بھی ہاتھ پیر ہلاتے ہیں۔ اس وقت چار طرف غل مچایا جاتا ہے کہ یہ وحشیانہ حرکت ہے۔ اور قوم میں یہ ہی حرکت کریں تو مہذبانہ حرکت ہے کیا انصاف ہے اور کیا سمجھ ہے حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کا کانگریس میں شرکت کرنا ہندوؤں کے ساتھ مل کر یا اُن کو ساتھ ملا کر کام کرنا یہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک بات ہے اور اس طریق کار کو کس طرح مقاصد شرعیہ کہا جا سکتا ہے وہ اس آڑے وقت میں بھی مسلمانوں کی کسی قسم کی مراعات نہیں کرتے ان کے مذہبی شعار کو ہندوستان میں باقی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہیں کانپور اور کشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اب اگر اس پر بھی کسی کی سمجھ میں نہ آوے اس کا کیا علاج، ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے وہ دفتر میں ملازم ہیں کہ ہندوؤں کی بدولت ہر محکمہ اور دفاتر میں مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیچارے لیڈر یا ان کے ہمخیال مولویوں کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہیں۔ غرضکہ یہ مسلمانوں کی جان مال ایمان سب کے دشمن ہیں اور انہی کو اپنا ہمدرد اور خیرخواہ سمجھ رکھا ہے یہ ہی ان کی بڑی زبردست ناکامی کا راز ہے۔ جو شخص دوست دشمن میں امتیاز نہ کر سکے وہ کیا خاک کام کرے گا اور اس کو پتھر کامیابی ہوگی یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بناء پر کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ دیکھتی آنکھوں کس طرح مسلمانوں کو آگ میں گھسنے اور تباہ برباد ہونے کی اجازت دیدیں ان خرافات میں مبتلا ہیں اور آڑ بنایا جاتا ہے حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے یہ مقاصد تھے استغفراللہ حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی ایک جلسہ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا۔ حضرت بعض اعذار کی وجہ سے دہلی تشریف نہ لیجا سکے اور ایک مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے

اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف اور مداہنت کے ظاہر کر دو اس وقت قربانی گاؤ بند کرنے پر زور دیا جا رہا تھا حضرت نے فرمایا کہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذرا سی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی کرتے رہیں گے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ سے محبت کا دعوے کرنے والے اور عقیدت کا دم بھرنے والے حضرت کے اس فرمان سے سبق حاصل کریں کہ ادنےٰ ترمیم کو بھی شریعت مقدسہ میں گوارا نہیں فرماتے نہ یہ کہ سر سے پیر تک شریعت مقدسہ کے خلاف باتیں کی جائیں احکام اسلام کی کھلم کھلا مخالفت کی جائے۔ اور اس کو حضرت مولانا قدس سرہٗ کی طرف منسوب کیا جائے اُن باتوں کو حضرت کے مقاصد میں سے بتا کر مسلمانوں کو دھوکا دیا جائے۔ حضرت مولانا تو بڑی چیز ہیں سلاطین اسلام باوجودیکہ دُنیادار کہلاتے ہیں مگر ان میں سے جن کے دل میں اسلام اور احکام کی عظمت اور احترام تھا انہوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا اس کی بھی پروا نہیں کی کہ سلطنت جائے گی یا رہے گی۔ سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام کو فتح کیا ہے تو وزراء نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے نیا مفتوحہ ہے اس ملک کے لوگ نہایت سرکش اور سخت ہیں اسلامی سیاسیات نرم ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر اور بھی کچھ قوانین اور قواعد نافذ کر دیئے جائیں ان پر قابو رکھنے کے لئے تو زیادہ مناسب ہے اس پر سلطان صلاح الدین نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے وہ حکومت اور سلطنت کرنے کے لئے کیا ہے۔ میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب سعی اور کوشش کی ہے احکام اسلام ہی کو نافذ کرونگا اس پر چاہے ملک رہے یا جائے میں ایک حکم کا بھی احکام اسلام کے خلاف نفاذ نہ

کروں گا اس واقعہ سے علماء اور لیڈر سبق حاصل کریں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈالکر دیکھیں ان حضرات کی کامیابی کے یہ راز تھے اور یہاں یہ حالت ہے کہ نہ ابھی کوئی ملک قبضہ میں ہے نہ آئندہ ملنے کے بظاہر کوئی اسباب نظر آتے ہیں مگر شریعت مقدسہ کی قطع و برید پہلے ہی سے شروع کر دی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت مولانا قدس سرہ کی حیات میں میں اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرتا تھا۔ حضرت کی وفات کے بعد سے دیکھ بھال کر عمل کرتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے واقف ہیں حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر گرانی نہ تھی پانی پت کے ایک مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مرض الموت میں دہلی حضرت کے پاس جب زیادہ اختلاف کی خبریں پہنچیں تو یہ فرمایا کہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ میں ہی کچھ اپنی راؤں سے ہٹ جاؤں۔ حضرت کی نظر میں یہ اختلاف کا یہ درجہ تھا ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانہ میں حضرت کی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے میرے متعلق بُرے بھلے الفاظ کہہ رہے تھے کچھ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑ گئے باہر تشریف لے آئے بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ تم اس شخص کے بارے میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں مجھ کو وہ الفاظ بیان کرتے ہوئے بھی حجاب معلوم ہوتا ہے جو حضرت نے فرمائے مگر چونکہ اب ذکر آگیا عرض کرتا ہوں وہ الفاظ یہ ہیں کہ جس کو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں اور یہ فرمایا خبردار جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کئے اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کیا کوئی وحی آتی ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب ٹھیک ہے میری بھی ایک رائے ہے اس کی بھی ایک رائے ہے۔ ایک مرتبہ حضرت نے یہ فرمایا کہ ہمیں تو اس پر بھی فخر ہے کہ جو شخص تمام ہندوستان سے بھی متاثر نہ ہو اور

کسی کی بھی پروانہ کی وہ بھی ہماری ہی جماعت سے ہے۔ حضرت کی نقل کو تو جی چاہتا ہے لوگوں کا مگر حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کرلو فلاں مولوی صاحب تحریک خلافت میں بہت سرگرم تھے مسلک میں اختلاف تھا اور ہے مگر کبھی ذرہ برابر نہ اُن کو مجھ سے انقباض ہوا نہ مجھ کو اُن سے ایک مرتبہ دہلی سے یہاں پر آئے میں نے دریافت کیا کہ کیسے سفر کی صعوبت گوارا فرمائی کہنے لگے کہ مجھ کو خلوت میں کچھ کہنا ہے میں نے کہا صاف بات ہے اور معاملہ کی بات ہے وہ یہ ہے کہ تنہائی میں میں کوئی بات نہ کروں گا کیونکہ اس میں آپ کی تو کوئی مصلحت نہیں اور میری مصلحت کے خلاف اس لئے کہ آپ تو حکومت اور مشین گنوں اور توپوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں اور ان کا آپ اعلان کر چکے اور میں ابھی تیار نہیں ہوا آپ کو تنہائی اور غیر تنہائی سب برابر ہیں آپ کے لئے کوئی نیا خطرہ نہیں اور میرے لئے خطرہ ہے کہ نہ معلوم چپکے چپکے کیا مشورہ ہوا جو بات ہو مجمع میں ہو۔ پھر یہ کہ آپ کو تردد تو ہے نہیں کیونکہ آپ اپنے مسلک کا اعلان کر چکے ہیں اور تردد کی حالت میں اعلان نہیں کیا جاتا تو گفتگو سے رفع تردد تو مقصود ہے نہیں صرف مجھ کو تبلیغ کرنا ہے سو میں نہایت خوشی سے سننے کو تیار ہوں مگر جب یہ تبلیغ ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ آپ تقریر فرمائیں اور میں سنوں لیکن آپ کو یہ حق نہ ہوگا کہ آپ یہ دریافت فرمائیں کہ تو سمجھا یا نہیں میں سمجھوں یا نہ سمجھوں آپ اپنا فرض منصبی ادا فرما دیں کیونکہ مبلغ کا فرض مخاطب کے جواب پر موقوف نہیں اگر معقول تقریر ہوگی میں اپنے مسلک سے رجوع کر لوں گا اور اعلان کر دوں گا کہ پہلے میں غلطی پر تھا فلاں صاحب کے سمجھانے سے سمجھ میں آگیا اور اگر نہیں تو خاموش رہوں گا کچھ نہ کہوں گا اس پر مولوی صاحب راضی ہو گئے۔ میں نے دو شخصوں سے کہا کہ پنسل کاغذ لے کر بیٹھ جانا اور جو مولوی صاحب تقریر فرمائیں اس کو ضبط کر لینا

اس میں یہ مصلحت ہے کہ سب تقریر سننے سے دماغ میں رہ نہیں سکتی ضبط ہونے پر میں اس میں اچھی طرح غور کرسکوں گا ۔ اس سے مولوی صاحب پر ایک خاص اثر رکاوٹ کا ہوا میں نے اس کا احساس کر کے کہا کہ ایک اور صورت اس سے بھی سہل سمجھ میں آئی اس میں تو پھر بھی ایک طول ہے یہ لوگ لکھیں گے پھر صاف کریں گے پھر آپ کے پاس نظر ثانی کرنے کو بھیجیں گے اور علاوہ طول کے اس میں وقت بھی زیادہ صرف ہو گا سہل صورت یہ ہے کہ آپ دہلی واپس تشریف لے جاویں اور اطمینان سے کتابیں دیکھ کر اور علماء اور عقلاء سے مشورہ لے کر تحریری تبلیغ میرے پاس بھیجدیں اس میں ایک اور مصلحت بھی ہے کہ علاوہ اس کے فی البدیہہ تقریر میں تمام جزئیات کا احاطہ نہیں کرسکیں گے بعد میں افسوس ہوگا کہ بس مولوی صاحب اس پر راضی ہو گئے اور اس پہ گفتگو ختم ہو گئی کئی سال کی یہ بات ہو گئی آج وہ تبلیغ آ رہی ہے یہ حالت تو اس تحریک میں پیشوا ، اور مقتداؤں کے کام کرنے کی ہے عوام بیچارے تو بھلا کس شمار میں ہیں ۔ (ملفوظ ۱۱۶) ص۹۱ تا ص۹۴ ۔

(۱۱۸) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ فلاں مصنف میں کوئی بھی قابلیت نہ تھی دوسروں سے مضمون لکھوایا کرتا تھا کسی علم میں بھی اس کو مہارت نہ تھی نہ فارسی میں نہ عربی میں اس پر عربی دانی کا دعوے کرتا تھا اس کی کتابیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے سروپا باتیں ہانکتا ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس کی عربی دانی کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں جیسے دو بیبیاں بہنڈ سے حج کو گئیں تھیں اتفاق سے ان میں سے ایک کا بچہ گم ہوگیا وہ بدوی سے کہتی تھی کہ بچہ گم ہوگیا اس کو ڈھونڈو بدوی اردو سمجھتا نہ تھا یہ اپنی زبان میں کہتی تھیں وہ سمجھتا نہ تھا اس پر آپس میں لڑائی ہونے لگی تو دوسری بی بی بولیں تو ہٹ جائیں

سمجھاؤں گی۔ تجھے عربی بولنی نہیں آتی۔ یہ بی بی بدوی سے کہتی ہیں شیخ ہذا بی بی کا پوت نہیں آیا۔ یہی حالت اس شخص کی عربی دانی کی تھی نہایت بدفہم اور کم عقل تھا اس کی وجہ سے بڑی گمراہی کا باب مفتوح ہوا خود تو گمراہ ہوا ہی تھا اوروں کو بھی پھانس گیا لوگوں کی حالت بھی عجیب ہے کہ کوئی کیسا ہی ہو لبیک کہکر ساتھ ہو لیتے ہیں پیشینگوئیاں کثرت سے جھوٹی ہوئیں فلاں مولوی صاحب سے شکست کھائی مگر بےحیائی کا کیا علاج۔ ایسی موٹی موٹی باتوں کے بعد بھی لوگ معتقد ہیں۔

(ملفوظ ۱۲۸)

(۱۱۹) فرمایا کہ ایک صاحب مجھ سے حکایت بیان کرتے تھے کہ کاٹھیاواڑ میں میرے (حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی) متعلق بعض عنایت فرماؤں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ فلاں شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو منع کرتا ہے یہ سن کر میں بڑا خوش ہوا کہ تہمت بھی لگائی تو ایسی جس کو کوئی قبول ہی نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ میرے چند وعظ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ النور۔ الظہور۔ السرور۔ الحبور۔ الشذور۔ ان رسائل کو دیکھ کر کسی سمجھدار اور فہیم شخص کو یہ شبہ ہی نہیں رہ سکتا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بےادبی یا کسی قسم کی نعوذ باللہ تنقیص کر سکتا ہوں۔ السرور میں عید میلاد النبیؐ پر پوری بحث کی ہے اور الظہور میں عجیب بات ہے کہ مثنوی شریف سے آپ کے فضائل کو ثابت کیا ہے جس کا تعلق دیکھنے سے ہے باقی میں دعویٰ نہیں کرتا قلیل العلم اور ضعیف الرائے کی رائے اور تحقیق ہی کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل کو ظاہر کرتا ہوں۔ ملفوظ ۱۴۳۔

(۱۲۰) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شیطان بھی آپ کا بڑا ہی دشمن ہے جس قدر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دشمنی ہو گی اتنی اکیلے حضرت سے ہے کیونکہ حضرت اس کے مکر و فریب سے اللہ کی مخلوق کو آگاہ فرماتے

رہتے ہیں وہ اس پر جلتا بھنتا ہوگا۔ فرمایا کہ ممکن ہے مگر ساتھ ہی وہ مجھ کو نفع بھی بہت پہنچاتا ہے اس طرح سے کہ وہ لوگوں کو بہکاتا ہے وہ مجھ کو ناحق گالیاں دیتے ہیں میں صبر کرتا ہوں اللہ میرے گناہ معاف فرماتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے (ملفوظ ع۱۵۲)

(۱۲۱) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک بدعتی مولوی یہ کہتا ہے کہ گاندھی کے پیچھے نماز پڑھنے میں اتنا نقصان نہیں جتنا دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے۔ مزاحاً جواب میں فرمایا کیونکہ گاندھی کے پیچھے نماز مکروہ بھی نہ ہوگی (ملفوظ م۱۶۷) ص۱۲۸

(۱۲۲) فرمایا کہ ایک صاحب کا بڑے مزے کا خط آیا لکھا ہے کہ ایک روپیہ نذرانہ کے لئے منی آرڈر کروں گا آپ چاروں سلسلوں کی اجازت دے کر بندہ کو بہرہ مند فرمائیں۔ فرمایا کہ یہ ایک روپیہ میں خلافت لینا چاہتے ہیں۔ لفافہ پر پتہ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ آپ ماسٹر ہائی اسکول بھی ہیں۔ مزاحاً فرمایا کہ ہائے اسکول تو نے تباہ کر دیا ان لوگوں کو اب بتلائیے اس بدفہمی اور کم عقلی کی کچھ حد ہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمسخر کی راہ سے لکھ رہا ہے۔ فرمایا یہ بات نہیں اصل بات یہ ہے کہ روپیہ لے کر لوگ خلافتیں دیتے ہیں میں نے اس قسم کے اکثر واقعات سنے ہیں یہ سب بے خبری کی باتیں ہیں یہ قدر ہے طریق کی ان لوگوں کی نظروں میں اور یہ وقعت ہے ان چیزوں کی ان لوگوں کے دلوں میں اس پر اگر مطالبات کرتا ہوں اور اس طریق کی حقیقت کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں تو مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ مزاج میں تشدد ہے سختی ہے مجھ سے تو بے غیرتی نہیں اختیار کی جاتی۔ میں اگر ایسے کوڑھ مغزوں کے ساتھ نرمی برتوں تو اس کا اثر مجھ ہی تک محدود نہیں رہے گا اس کا اثر

طریق پر پڑے گا تو علاوہ بے غیرتی کے دین کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ طریق بدنام ہوتا ہے ایسے موقع میں سیاست کرنے پر جو شخص مجھ پر اعتراض کرتا ہے میں اس معترض ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ ایسے شخص کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے جس نے ایک روپیہ میں خلافت کے چاروں سلسلوں کی اجازت طلب کی ہے۔ حضرت دُور بیٹھے رائے قائم کرلینا بہت آسان ہے۔ ذرا یہاں پر رہ کر واقعات کو دیکھیں تب حقیقت معلوم ہو۔

(ملفوظ ۱۲۳)

۱۲۴) فرمایا کہ ساری دُنیا عقلاء ہی سے بھری ہوئی ہے ایک اور صاحب کا خط آیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضورؒ بزرگ کامل و مکمل و مدلل ہیں۔ بطور مزاح فرمایا کہ بہشتی زیور چونکہ مکمل و مدلل چھپا ہے اس وجہ سے بیچارے نے لکھا ہے کہ تم بھی مکمل و مدلل ہو۔ ایک یہ بھی لکھا ہے کہ حضور مشرق و مغرب جنوب و شمال تمام دنیا بھر کے بزرگ ہیں اس نے جو لکھا ہے کہ حضور کامل مکمل و مدلل بزرگ ہیں میں نے لکھدیا ہے کہ نہ میں کامل نہ مکمل نہ مدلل، سب غلط ہے اگر تمہارے نزدیک صحیح ہے تو اس دعوے کو مکمل و مدلل کرو۔ پھر اس نے جو لکھا ہے کہ حضور مشرق و مغرب جنوب و شمال تمام دنیا بھر کے بزرگ ہیں۔ مَیں نے لکھدیا ہے کہ توبہ کرو توبہ، فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں القاب کی جگہ یہ لکھا تھا کہ رب المشرقین و رب المغربین۔ حضرت نے وہ خط حاضرین کو پڑھنے کے لئے دیا اب جو دیکھتا ہے ہنسی کی وجہ سے بیتاب ہوجاتا ہے حضرت کو پڑھ کر کوئی سنا نہیں سکتا آخر وہ میرے پاس آیا۔ میں نے ہنسی کو ضبط کر کے حضرت کو سُنایا۔ حضرت بڑے ہی حلیم تھے سُن کر فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ جہل بھی کیا بُری چیز ہے یہ فرما کر اس شخص کی معذوری بیان فرمادی کہ بوجہ بے علمی کے ایسا ہوا۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ دوسروں نے جو حضرت کو پڑھ کر سُنایا کہ حضرت خود نہیں پڑھ سکتے تھے فرمایا پڑھ سکتے تھے

مگر تکلف کے ساتھ اس لئے کہ حضرت کی نگاہ کمزور ہوگئی تھی۔ (ملفوظ ۱۲۴)

(۱۲۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے ان صاحب کے اس لکھنے پر کہ حضور مشرق و مغرب جنوب و شمال تمام دنیا بھر کے بزرگ ہیں یہ تحریر فرمایا ہے کہ توبہ کرو توبہ اور میں نے ایک مرتبہ ایک صاحب کے سامنے مسجد میں اس پر قسم کھائی تھی کہ دنیا میں حضرت سے بڑھ کر اس وقت اصلاح کے لئے کوئی رہبر نہیں تو کیا مجھ کو بھی توبہ کرنا چاہیئے۔ مزاحاً فرمایا کہ توبہ سے کیا ہوتا ہے کفارہ کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس بارہ میں بہترین فیصلہ ہے وہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری کوشش سے اس سے زیادہ مجھ کو نفع پہنچانے والا نہیں مل سکتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے امام تھے مجتہد تھے اور وہ شان تھی جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیا
بے کتب و بے معید و اوستا

(ملفوظ ۱۲۵) ص ۱۳۱

(۱۲۵) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سمجھ میں نہیں آتا، یہاں پر قدم قدم پر تو قیود اور شرائط میں سر بسر بے عنوانی پر مواخذہ و محاسبہ ہے ڈانٹ ہے ڈپٹ ہے مگر لوگ ہیں کہ چپٹتے ہیں ٹلتے نہیں۔ فرمایا ایسی حالت میں اہل محبت اور اہل فہم ہی ٹھہر سکتے ہیں اور میرا مقصود ان سب چیزوں سے اپنی اور دوسروں کی راحت ہے اور جو کچھ کہتا سنتا ہوں اس کا منشا محبت اور آنے والوں کی اصلاح ہے۔ اگر یہ قیود اور شرائط اور ڈانٹ ڈپٹ نہ ہوتی تو یہاں پر ایک ہجوم ہوتا خصوص اہل دنیا کا کوئی تعویذ مانگتا کوئی کچھ کوئی کچھ یہ جو ضروری

ضروری کام خدا کے فضل سے ہوگئے ہیں ہجوم کی بدولت ان میں سے ایک بھی نہ ہوتا اس لئے ضرورت تھی ایسے قیود کی اور اس ہی وقت میں آنیوالوں کی بھی بحمد اللہ خدمت ہوتی رہتی ہے (ملفوظ ۱۲۶)

(۱۲۶) فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہاں پہ کوئی روایت کسی شخص کی کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ بات تو یہاں پر خاص ہے ورنہ قریب قریب اکثر بزرگوں کے یہاں سلسلہ حکایت شکایت کا کم و بیش رہتا ہے فرمایا کہ جی ہاں بحمد اللہ میں ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں عرض کیا کہ حضرت سنتے ہی نہیں نیز حضرت کے اصول اور قواعد اس قسم کے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی ہمت ہی نہیں کر سکتا اگر ضوابط میں ذرا ڈھیل دیجاتی یہاں پہ بھی سلسلہ جاری ہوجاتا۔ فرمایا کہ ڈھیل کے متعلق سنئے حاجی عبدالرحیم بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی میں نے فوراً آدمی بھیج کر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں۔ حاجی جی نے کہا غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں سے کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعوے کیا ہے، لہٰذا ثبوت دو تمہارے ذمہ ہے ثبوت ندارد کہنے لگیں کہ تو بہ تم ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت کر دیتے ہو میں نے کہا کہ میں فضیحت نہیں کرتا نصیحت کرتا ہوں یہ سلسلہ روایات اچھا نہیں معلوم ہوتا اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جہاں یہ سلسلہ ہے وہاں ہر وقت ہر شخص کو یہ شبہ رہتا ہے کہ نہ معلوم میری طرف سے کسی نے کیا کہدیا ہوگا اور کہنے سے کیا خیالات پیدا ہوگئے ہوں گے۔ اور یوں تو ہمارے حضرات سب ہی حکماء تھے مگر ہمارے ان بزرگوں میں سے دو بزرگوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ صفت یعنی روایات سے متاثر نہ ہونا بہت ہی کامل تھی ایک حضرت حاجی صاحبؒ

میں اور ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں مولانا تو سنتے ہی نہ تھے شروع ہی میں روک دیتے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب معمول تھا کہ سب سن لیتے تھے دوسرے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت پر بڑا اثر ہو رہا ہے اور جب بیان کرنے والا خاموش ہوا حضرت نے بے تکلف فرما دیا کہ سب غلط ہے وہ شخص ایسا نہیں اور اس کہنے کا یہ مطلب تھا کہ چاہے واقع میں صحیح ہو مگر چونکہ شرعی شہادت نہیں اس لئے اس کے ساتھ کذب کا سا معاملہ کیا جائے یہی محمل ہے آیت کا جو حق تعالےٰ فرماتے ہیں فاذ الم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکذبون۔ عند اللہ سے مراد ہے یہاں پر فی دین اللہ فی قانون اللہ یعنی شریعت کے قانون کی رو سے تم جھوٹے ہو تمہارا کہنا سب غلط ہے پس اس تقریر کے بعد یہ شبہ نہ رہا کہ محتمل الصدق کو جزماً کیسے کاذب فرما دیتے تھے حکیم محمد مصطفےٰ صاحب نے اس آیت سے ایک عجیب مسئلہ استنباط کیا ہے کہ حسن ظن کے لئے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں، سوء ظن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

(۱۲۷) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آجکل تو اخلاق کے معنے عرف میں یہ ہو گئے ہیں کہ بات نرم ہو چاہے معاملات کیسے ہی سخت اور مضر ہوں نرم بولنے کو اخلاق سمجھتے ہیں جو اس متعارف اخلاق کے عامل ہیں نیک نام مشہور ہیں میرے اندر یہ متعارف اخلاق اور رسمی باتیں ہیں نہیں مجھ کو بدنام کر رکھا ہے کہ سخت مزاج ہے اب میں علی سبیل التنزل کہتا ہوں کہ اچھا میں سخت مزاج ہی سہی کیوں آتے ہو میرے پاس میں بلانے تھوڑا ہی جاتا ہے میں خوب کہا ہے ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

(ملفوظ ۲۰۲)

(۱۲۸) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ غیر مقلدین میں بدگمانی کا مرض بہت زیادہ ہے دوسروں کو حدیث کا مخالف ہی سمجھتے ہیں اور اپنے کو عامل بالحدیث اُن کے عمل بالحدیث کی حقیقت مجھ کو تو ایک خواب میں زمانہ طالب علمی میں بتلا دی گئی تھی۔ گو خواب حجت شرعیہ نہیں لیکن مومن کے لئے مبشرات میں سے ضرور ہے جبکہ شریعت کے خلاف نہ ہو بالخصوص جبکہ شریعت سے متاید ہو۔ میں نے یہ دیکھا کہ مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کے مکان پر ایک مجمع ہے اس میں چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے ایک شخص میرے پاس بھی لایا مگر میں نے لینے سے انکار کر دیا حدیث میں دودھ کی تعبیر علم دین آئی ہے پس اس میں ان کے مسلک کی حقیقت بتلائی گئی کہ ان کا مسلک صورت تو دین کی ہے مگر اس میں روح حقیقت دین کی نہیں جیسے چھاچھ میں سے مکھن نکال لیا جاتا ہے مگر صورت دودھ کی ہوتی ہے۔ (ملفوظ ۱۴۹/۲۰۳)

(۱۲۹) فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ تہجد کی وقت چار تسبیح پڑھنے کا کیا حکم ہے میں نے جواب میں لکھا ہے کہ حدیث کا یا علماء کا یا مشائخ کا کس کا حکم۔ فرمایا کہ سوال کا طریقہ بتلایا ہے اور سوال کو ٹھیک کرایا ہے تا کہ جواب میں سہولت ہو (ملفوظ ۲۱)۔

(۱۳۰) فرمایا کہ ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ ۲ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ بروز چہارشنبہ بوقت عشاء ایک شخص نے مجھ سے حضور کی نسبت کہا کہ رحلت فرما گئے اس وقت سے طبیعت پریشان ہے بیحد رنج و صدمہ ہے خدا کرے یہ خبر جھوٹ ہو اور حضور کو اللہ تعالےٰ ہمارے سامنے قائم رکھیں۔ میں نے جواب لکھ دیا ہے کہ ابھی تو ارادہ نہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ارادہ سے کیا ہوتا ہے فرمایا یہ میں نے کب کہا ہے کہ ارادہ مؤثر ہے اللہ ہی کے قبضہ میں ہے

مگر جی یوں چاہتا ہے کہ ضروری کام سب ہو جائیں اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے لئے بڑی خوشخبری ہے یعنی ارادہ نہ ہونا فرمایا یہ تو ایک شاعری ہے۔ عرض کیا کہ شاعری ہو یا کچھ بھی ہو خوشخبری سے خالی نہیں۔ ایک اور مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک طالب علم نے مدرسہ دیوبند میں ایک خواب دیکھا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان طالب علم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور حضرت تھانوی کی اور کس قدر حیات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ان سے ایک اور خاص کام لینا ہے اس وقت تک حیات ہے۔

احقر جامع کہتا ہے کہ یہ خواب سُنکر حضرت والا پر ایک خاص اثر ہُوا اور کچھ دیر تک حضرت والا پر سکوت کا عالم رہا۔ اس وقت کی کیفیت کا لطف اہل مجلس ہی سمجھ سکتے تھے۔ (ملفوظ ۲۱۳) ص ۱۵۴

249

IMTIAZ AHMAD KHAN MEMORIAL LIBRARY
12 MOTILAL NEHRU MARG, NEW DELHI-110011
185